خطباتِ ہند

جلد دوم

صاحبِ خطبات

محبوب العلماء والصلحا

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

مرتب

حضرت مولانا

بلال سجاد نعمانی صاحب

مکتبۃ الفقیر

وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ

جلد دوم

خطباتِ ہند

حضرت مولانا حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم العالیہ

کے دورۂ ہند اپریل ۲۰۱۱ء کے بیانات کا مجموعہ

ناشر:

مکتبۃ الفقیر

223 سنت پورہ فیصل آباد

نام کتاب .... خطبات ہند جلد دوم

صاحب خطبات — حضرت مولانا پیر حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

مرتب — حضرت مولانا سجاد نعمانی صاحب مدظلہ

کمپوزنگ — حضرت مولانا اختر معروفی قاسمی صاحب

اشاعت اول — اکتوبر 2011ء

اشاعت دوم — دسمبر 2011ء

تعداد — 1100

ناشر: — مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ فیصل آباد

فہرست خطبات

101	دعا کی اہمیت

عرض ناشر

خطبات ہند جلد اول کے بعد قارئین کرام کی خدمت میں ہم اسی دورۂ ہند اپریل ۲۰۱۱ء کے مزید بیانات کا مجموعہ ''خطبات ہند'' جلد دوم محض اللہ کی توفیق اور اسکے احسانات سے پیش کر رہے ہیں، ہم اس سعادت کے حصول پر اللہ ﷻ کے سامنے سجدۂ شکر بجالاتے ہیں، زیر نظر ''جلد دوم'' دہلی، حیدرآباد (آندھرا پردیش) میل وشارم (تامل ناڈو) اور بنگلور (کرناٹک) کے بیانات پر مشتمل ہے۔

من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ کے ضابطے کے تحت ہم اپنے انتہائی مخلص دوستوں کے تعاون کے لئے، ان کا تذکرہ، تشکر وامتنان کے ساتھ اپنا فریضہ سمجھ کے کر رہے ہیں۔ پورے دورۂ ہند اپریل ۲۰۱۱ء کے تمام بیانات ریکارڈ کرنے کے سلسلے میں، ہم نعمانی اکیڈمی اور Taubah. org کی ٹیم کے ہر فرد اور خصوصاً اس کے امیر رضوان بھائی موزہ والا کے بہت مشکور ہیں، کہ انہوں نے بیانات عمدہ طریقہ پر محفوظ کئے،، نیز رفیق کار مولانا اختر معروفی قاسمی کے ممنون ہیں کہ انہوں نے پوری لگن کے ساتھ تقریر کو تحریر میں تبدیل کیا اور اسکو کمپوز کیا، جناب عبد المولیٰ بھائی کولھاپوری نے اسکے سرِ ورق کو زینت بخشی، ان تمام لوگوں کی محنت ومحبت کو اللہ قبول فرمائے، اس کے بدلے اپنی رضا اور اپنا قرب عطا فرمائے۔

کتاب کی ترتیب اس طرح ہے کہ ہر خطاب سے پہلے، اُس کے بارے میں مختصر معلومات فراہم کی گئی ہیں، مثلاً یہ کب، کہاں، اور کس تاریخ میں ہوا تھا، اور ساتھ ہی ساتھ مجمع کی تعداد کا محتاط اندازہ بھی پیش کیا گیا ہے، تاکہ ہم قارئین کرام کو اُن مناظر اور اس ماحول کی ایک ہلکی سی جھلک دکھا سکیں، جن کے درمیان یہ خطابات ہو رہے تھے۔

اس کتاب کی طباعت واشاعت کے جملہ حقوق نعمانی اکیڈمی کے نام محفوظ ہیں، محدث عصر حضرت مولانا محمد منظور نعمانی نور اللہ مرقدہ کی یادگار اس ادارے کی یہ کوشش بارگاہ خداوندی میں قبولیت سے سرفراز ہو ۔ آمین

محتاج دعا　بلال سجاد نعمانی ندوی

۱۳ راگست ۲۰۱۱ء

اگلے صفحہ پر آپ جو خطاب ملاحظہ فرمائیں گے، وہ نئی دہلی کی "مسجد عبد النبی" میں، ۱۵/اپریل ۲۰۱۱ء بروز جمعہ نماز جمعہ سے پہلے ہوا تھا، مجلس میں علماء، خواص و عوام کی کثیر تعداد موجود تھی۔

خطابِ جمعہ

قرآن کو سمجھنے کی بھی کوشش کیجیے

الحمدللہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ

سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون و سلام علی المرسلین و الحمدللہ رب العالمین

اللھم صل علی سیدنا محمد و علی آل سیدنا محمد و بارک و سلم

اللھم صل علی سیدنا محمد و علی آل سیدنا محمد و بارک و سلم

اللھم صل علی سیدنا محمد و علی آل سیدنا محمد و بارک و سلم

قرآن کیا ہے؟

قرآن عظیم الشان کتابِ ہدایت ہے، اللہ رب العزت نے اسے بھیجا ''لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ '' اے میرے حبیب! تا کہ آپ انسانوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائیں، تو قرآن مجید فرقان حمید انسانوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جانے والی کتاب ہے، گمراہی میں پڑے ہوؤں کو سیدھا راستہ دکھانے والی کتاب ہے، قعرِ مذلت میں پڑے ہوؤں کو اوج ثریا پہ پہنچانے والی کتاب ہے، اللہ سے بچھڑے ہوؤں کو اپنے اللہ سے ملانے والی کتاب ہے، یہ کتابِ ہدایت ہے۔

اس کی ایک خوبصورت بات یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے اس کا سمجھنا آسان بنادیا ہے، کچھ کتابیں سمجھنے میں مشکل ہوتی ہیں، مگر اللہ تعالیٰ کا فرمان ''وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ'' اور تحقیق ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کردیا، ہے کوئی تم میں سے سمجھنے والا؟ جو بندہ بھی قرآن پاک پڑھے گا جیسا اس کا Background (میدان کار) ہوگا اس کو کئی مثالیں نظر آئیں گی، اگر کوئی ڈاکٹر گفتگو کرے تو اس کی گفتگو سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ میڈیکل سے تعلق رکھنے والا بندہ ہے، انجینئر گفتگو کرے تو اس کی باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ انجینئرنگ بیک گراؤنڈ ہے، تو قرآن مجید کتابِ ہدایت ہے، یہ سائنس کی کتاب نہیں ہے، لیکن کہیں کہیں سائنسی اشارے ضرور ملتے ہیں۔

قرآن کریم میں سائنسی اشارت

بعض لوگوں کو یہ غلطی ہوئی کہ وہ قرآن مجید کی ہر آیت سے سائنس ثابت کرتے پھرتے ہیں، یہ غلط ہے، ایسا نہیں ہونا چاہئے، ہاں سائنسی اشارات کہیں کہیں ملتے ہیں جو قرآن مجید کی صداقت کی دلیل ہے۔

قرآن میں پہلا سائنسی اشارہ

دو تین چھوٹی چھوٹی مثالیں جن کو ایک بچہ بھی سمجھ سکتا ہے، اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں: ''وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ'' ہم نے پانی سے ہر چیز کو زندگی بخشی، تو جہاں بھی Life (زندگی) ہوگی، وہ پانی کی وجہ سے ہوگی، اس لئے انسان کو Dehydration (نمی کا فقدان) ہوجائے تو وہ بھی مرجاتا ہے، Plant (پودے) اور درخت کو Dehydration ہوجائے تو وہ بھی خشک ہوجاتا ہے؛ تو پانی زندگی کا جزو لازم ہے، اس کے بغیر زندگی کا تصور نہیں ہوتا، یہ عجیب بات ہے کہ ہوا زندگی کے لئے اتنی لازمی نہیں ہے، کچھ Bacteria (جراثیم) ایسے ہیں کہ اس کو ہوا کی ضرورت ہی نہیں، اس کے بغیر بھی وہ زندہ رہتا ہے Multiply (نسل میں اضافہ) ہوتا ہے، مگر پانی کے بغیر کوئی چیز

زندہ نہیں رہ سکتی، اب یہ چودہ سو سال پہلے فرمایا گیا، جب سائنس کی بنیاد ہی نہیں تھی اور اس ہستی نے کہا جو زندگی بھر کسی کے سامنے شاگرد بن کر نہیں بیٹھے، دنیا کے کسی ادارے میں نہیں پڑھا، آسان نہیں ہے یہ کہہ دینا کہ ہر چیز کو پانی سے زندگی دی گئی، اور سائنس دان اس کی تصدیق کرتے ہیں، آج Most modern scientific world ہے، (سائنسی ترقی کے عروج کا دور) چنانچہ پچھلے دنوں مریخ پر مشن بھیجنے کی باتیں ہوئیں کہ وہاں پر لائف ہے یا نہیں، تو پوری دنیا کے سائنس دان آپس میں مل بیٹھے Criteria (ضابطہ) کیا ہے Litmus test (میزان) کیا ہے کہ پتہ چلے کہ وہاں زندگی ہے یا نہیں، تو سب نے متفقہ فیصلہ کیا کہ پانی کو ڈھونڈو اگر وہاں پانی کا Molecule (کچھ حصہ) مل گیا تو Life (زندگی) ہوگی اور اگر پانی کا Molecule نہ ملا تو Life (زندگی) نہیں ہوگی، اتنی سائنسی ریسرچ کے بعد اس نتیجے پر پہنچے جو قرآن نے چودہ سو سال پہلے بتادی تھی۔

دوسرا اشارہ

ایک فرانسیسی Sailor (سمندری ماہر) تھا، اس نے زندگی کے ۴۵ سال سمندر کے اندر سفر کرنے میں گذار دیئے Navy (بحریہ) میں کام کرتا تھا، ریٹائرڈ ہوگیا، اس نے کلمہ پڑھا تو کسی نے اس سے پوچھا کہ آپ نے کلمہ کیسے پڑھ لیا؟ کہنے لگا کہ میں ریٹائرڈ آدمی تھا، وقت گذارنا مشکل تھا، میرا ایک دوست تھا جو عربی تھا اور کبھی کبھی میری اس سے Chating (بات چیت) ہوتی رہتی تھی، میں نے اسے بتایا کہ میں Retirement کی Life (زندگی) گذار رہا ہوں، بڑا بور ہوتا ہوں، وقت کاٹنا مشکل ہوتا ہے، اس نے مجھے قرآن پاک کی انگریزی Translation (ترجمہ) کاپی بھیجی، میں نے پڑھنی شروع کر دی، ایک جگہ پہنچ کر اس میں سمندر کا تذکرہ تھا، اب سمندر کا تذکرہ چونکہ میری زندگی کا Experience (تجربہ) ہے، میں نے زندگی کے ۴۵ سال ان جگہوں کو اور ان کیفیات کو دیکھا ہے، میں نے جب غور کیا تو ایک ایسی بات کی گئی تھی کہ

سمندر میں جس نے سفر کبھی نہ کیا ہو، وہ یہ بات کر ہی نہیں سکتا، بات یہ تھی کہ اللہ رب العزت ایک جگہ کفار کے دل کے اندر جو ظلمت ہے، اندھیرا ہے، اس کے بارے میں فرماتے ہیں: ''فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ یَّغْشَاهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ'' سمندر میں ایک وقت ہوتا ہے جب سمندر بالکل خاموش ہوتا ہے، Silent ہوتا ہے اور ایک وقت ہوتا ہے کہ لہروں پہ لہریں ہوتی ہیں، طوفان ہوتا ہے، اس High tide (ہائی ٹائڈ) کا ٹائم کہتے ہیں، تو اس نے کہا کہ میں نے تجربہ کیا کہ جب High tide کا وقت ہوتا ہے لہروں پہ لہریں، اس وقت اگر آسمان پہ بادل آجائیں تو سمندر کے اندر Visibility (کچھ دکھائی دینے کی صلاحیت) Zero (صفر) ہوجاتی ہے، دو میٹر سمندر کی سطح سے نیچے جائیں تو اپنا ہاتھ بھی نظر نہیں آتا، اتنا کالا اندھیرا ہوتا ہے، مگر میں نے تو ۴۵ سال سمندر میں گذارے، تب مجھے تجربہ ہوا، جب میں نے قرآن پاک کے اندر Exact (ہوبہو) اس کو Mention (تذکرہ) کیا ہوا پڑھا تو میں نے سوچا کہ مسلمانوں کے پیغمبر نے سفر کیا ہوگا اور ان کو تجربہ ہوا ہوگا، لیکن جب میں نے تحقیق کی تو پتہ چلا کہ مسلمانوں کے پیغمبر نے پوری زندگی سمندر کا سفر نہیں کیا، تو میری عقل نے کہا کہ جس بندے نے زندگی میں سمندر کا سفر ہی نہیں کیا وہ سمندر کے بارے میں ایسی بات بتائے جو Exact (بالکل صحیح) ہو، یہ کیسے ممکن ہے؟ تو معلوم ہوا کہ یہ ان کا کلام نہیں، جس پروردگار نے اس کائنات کو بنایا یہ اس پروردگار کا کلام ہے۔

تیسرا اشارہ

ہم طالب علم تھے قرآن پاک میں پڑھا کہ ''فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ'' اللہ نے قارون کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا اور کتابوں میں لکھا ہے کہ وہ قیامت تک دھنستا جائے گا، اب ایک طالب علم ہونے کے ناطے ذہن میں خیال آیا کہ اگر وہ دھنستا ہی رہے تو Speed (رفتار) کتنی ہی تھوڑی ہو تو زمین کا Diameter (قطر) تو محدود ہے، تو کبھی نہ

کبھی دوسری طرف سے نکل آئے گا، اب چونکہ عقل چھوٹی تھی، اتنی تعلیم بھی نہیں تھی، اسکول کی ابتداء تھی، مگر خیال آتا تھا کہ کبھی تو دوسری طرف سے باہر نکلے گا، مگر کتابوں میں لکھا تھا کہ نکل نہیں سکتا، پھر ہم چھٹی۔ ساتویں جماعت میں پہنچے تو ہمارے استاذ نے ہمیں Law of motion Newton (حرکت کے قانون نیوٹن) پڑھائے تو ہم بیٹھ کے حساب کرنے لگے Calculation لگائی کہ اتنی تھوڑی رفتار سے اگر وہ جارہا ہو Law of motion یہ ہے اور زمین کا Diameter (قطر، نیچے سطح کی گہرائی) اتنا ہے تو اتنے سال بعد تو دوسری طرف سے نکل آنا چاہئے، سمجھ میں نہیں آتی تھی، مگر اپنے آپ کو ہم تسلی دے دیتے تھے کہ میں ناسمجھ ہوں، چھوٹا ہوں، مجھے کیا پتہ، لیکن جب اگلی کلاس بڑھی تو ایک دن ہمیں ہمارے ٹیچر نے Pendulum (پینڈولم) کے بارے میں پڑھایا، پھر ایک دن انھوں نے (زور) Momentum کے بارے میں ہم کو پڑھایا تو اس دن انھوں نے ہماری کلاس کو ایک Question (سوال) دیا جس نے ہمیں حیران کرکے رکھ دیا، ٹیچر نے Question (سوال) یہ دیا کہ فرض کرو تمہارے پاس ایک مشین ہے جو زمین کے سینٹر میں اوپر سے نیچے تک پورا سوراخ کردیتی ہے، اس کے اندر تم ایک سکہ ڈالتے ہو تو بتاؤ کہ وہ سکہ دوسری طرف سے نیچے کب ’نکلے گا؟ ہمارے ذہن میں تو پہلے سے یہ بات گردش کررہی تھی، پھر حساب شروع کردیا کہ وہ سکہ اتنی تیزی سے جائے گا اتنا اس کا Acceleration (رفتار) ہے، اور ٹائم نکالنا تھا کہ اتنا سفر وہ کتنے وقت میں کرے گا؟ تو ہم نے کہا کہ اتنے عرصے کے بعد نکل آئے گا، ٹیچر نے ساری کلاس کے لڑکوں کے جواب پر نشان لگادیا کہ سب غلط ہے، ہم حیران ہوئے کہ یہ تو Law of motion Newton سے ہم نے Calculate حساب کیا ہے، تو ٹیچر نے سمجھایا کہ دیکھو زمین کے اندر بیچ میں Center of gravity ہے، کشش کا مرکز ہے، جب سکہ ڈالیں گے تو وہ Coin (سکہ) نیچے کی طرف کھنچے گا، رفتار بڑھتی جائے گی، جب وہ Center (وسط) میں پہنچے گا تو وہ وہاں رکے گا نہیں، کیونکہ اس کا

ایک Momentum (زور) بن چکا ہوگا، اس Momentum (زور) کی وجہ سے وہ نیچے کی طرف بڑھتا چلا جائے گا؛ مگر کچھ دور جانے کے بعد اب اس کی رفتار گھٹنی شروع ہوجائے گی کیونکہ Force (دباؤ) الٹی ہوجائے گی، اب اس کو اُوپر کھینچے گی اور زمین سے نکلنے سے پہلے پہلے وہ پھر واپس اُوپر کھنچے گا، مگر وسط میں رُکے گا نہیں، اوپر کی طرف چڑھے گا، رفتار کم ہوتی جائے گی، پھر کشش کا مرکز اس کو اپنی طرف کھینچے گا تو پھر سے وہ نیچے کی طرف روانہ ہوجائے گا تو انھوں نے کہا کہ Pendulum کی طرح وہ سکہ پوری زندگی زمین کے اندر گھومتا رہے گا، کبھی زمین سے باہر نہیں نکل سکتا، قرآن مجید نے چودہ سو سال پہلے کہہ دیا: ''فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ''۔

چوتھا اِشارہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوہے کا استعمال بہت کم تھا، اس وقت ابھی سائنس کی بنیاد نہیں پڑی تھی، لوگ میکینکل انجینئرنگ نہیں جانتے تھے، الیکٹریکل انجینئرنگ نہیں جانتے تھے، پہیہ دریافت نہیں ہوا تھا، ٹائر نہیں بنا تھا، اس وقت جب کہ لوہے کا استعمال زندگی میں اتنا تھوڑا ہے، قرآن مجید نے ایک بات کہی کہ ''وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ'' ہم نے داؤد علیہ السلام کے لئے لوہے کو نرم کر دیا تھا ''فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ'' لوہے میں بڑی طاقت ہوتی ہے ''وَمَنَافِعُ لِلنَّاس'' اور انسانوں کے لئے بڑے فائدے ہیں۔ اب یہ بات چودہ سو سال پہلے کہی گئی جب لوہے کا زندگی میں استعمال بہت کم تھا، آج اس وقت سائنسی ترقی یافتہ دور میں آپ آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں کہ جو ملک اسٹیل ٹیکنالوجی میں سب سے آگے ہے وہ پوری دنیا کے اندر D o m i n a t e (غلبہ حاصل کرنا) کر رہا ہے، اللہ نے چودہ سو سال پہلے بتا دیا: ''مَنَافِعُ لِلنَّاس'' اب یہ تو ہمیں سمجھنا ہے، اللہ تعالیٰ نے تو اشارے دیدئے کہ تم منافع اٹھانا چاہتے ہو تو کیوں بھیک مانگتے ہو، کیوں لوگوں کی طرف دیکھتے ہو، تم محنت کرو، تمھیں اس میں منافع مل جائیں گے۔ تو اس قسم کے سائنسی اشارات بہت عام ہیں۔

پانچواں اِشارہ

سائنس کی دنیا میں پچھلے تین سو سال ایک Theory(اصول) کا غلبہ رہا، اس کو کہتے ہیں: ''ڈارون تھیوری'' Theory of Evolution، اس نے یہ کہا کہ انسان بندر سے بنا ہے، لب لباب Chimpanzee سے انسان بنا ہے، چونکہ Chimpanzee اور انسان کے درمیان بہت تھوڑے Protein کا فرق ہے، تقریباً ایک جیسے ہیں تو اس نے کہا کہ انسان پہلے پانی تھا، پھر اس سے مچھلی بنی، پھر اس سے پرندے بنے پھر فلاں بنا پھر بنتے بنتے Chimpanzee سے بَن مَانس بنا، پھر بن مانس سے انسان بنا پوچھا گیا کہ بن مانس کی دُم کیا ہوئی؟ تو اس نے کہا کہ ہزاروں سال کے موسمی اثر کے بعد دم ختم ہو گئی، پوچھا گیا کہ جسم کے بال کہاں گئے؟ جواب ملا کہ ہزاروں سال میں ختم ہو گئے، پوچھا گیا کہ بھائی Chimpanzee میں تو عقل نہیں ہوتی اور انسان کے اندر تو عقل ہے اور جب اس کا Time test لیا گیا، تو انسان کے ذہن میں Brain (دماغ) کے Evolve (نشونما) ہونے کا ٹائم سب سے تھوڑا ہے، تو Question (سوال) یہ ہے کہ دُم ختم ہونے میں ہزاروں سال لگے، بال ختم ہوتے ہوتے ہزاروں سال لگ گئے، اور Brain (دماغ) کے بننے میں بہت تھوڑا سا ٹائم؟ وہ جسم کا عضو جو سب سے زیادہ Complicated (پیچیدہ)، وہ جسم کا عضو جو اپنی تخلیق میں شاہکار ہے وہ تھوڑے سے ٹائم میں کیسے بن گیا؟ جب یہ Question (سوال) کیا گیا تو سائنس دانوں نے جواب دیا کہ یہاں پر کوئی Missing link (کسی بات کا پتہ نہیں لگ سکا) ہے، ہم نے کہا ہاں تمہارا link تو پہلے ہی Missing ہے، تو تمہیں کیا پتہ چلے گا، مگر اس کو آج تک دنیا اسی طرح مانتی رہی کہ انسان بندر سے بنا، مگر درمیان میں کوئی Gap (خالی جگہ ہے) ہے، جو سمجھ میں نہیں آتا، پھر انسان بن گیا۔

Genetic engineering، Genetic engineering آ گئی Genetic engineering نے آ کے ڈارون تھیوری کی جڑیں کاٹ کے رکھ دیں، اس نے کہا کہ دیکھو اگر ڈارون تھیوری کو

ماناجائے کہ Survival of filtestاور Law of natural selection کہ دنیا میں کروڑوںChimpanzee تھے، وہ انسان بن گئے، تو سائنس نے کہا کہ نہیں، Life (زندگی) جوشروع ہوئی ہے وہ ایک جان سے شروع ہوئی ہے، کیاوہ عورت تھی؟ سائنس نے کہا،نہیں اگرعورت ہوتی توکبھی اس سے مردنہیں بن سکتا تھا،ہاں مرد سے عورت کا بننا ممکن ہے، پوچھا گیا کیسے؟ توسائنس نے ثبوت دیے،اورخوب دئے،انھوں نے کہا، دیکھومرد کے اندر C h r o m o s o m e s ہوتے ہیں اورعورت کے اندر بھی Chromosomes ہوتے ہیں23،عورت کے اندر"XX"Chromosomes ہوتے ہیں اورمرد کے"XY"Chromosomes ہوتے ہیں، جب دونوں آپس میں ملتے ہیں تو"XX"جدا ہوجاتے ہیں،Separateہوجاتے ہیں،"XY" جدا ہوجاتے ہیں تو چار حصے بن جاتے ہیں،اب چاروں حصے ایک دوسرے سے دوبارہ ملتے ہیں،اگرمرد کے"X"نے عورت کے"X"حصے کو آپس میں ملالیاتوبچی پیدا ہوتی ہے،اوراگرمرد کے "Y"نے عورت کے"X"کوملالیاتوبیٹا پیدا ہوجاتا ہے،چنانچہ سائنس نے ثبوت دئے، Test tube baby کے ذریعہ انھوں نےXاورY کوملاکربتادیا کہ دیکھو Baby boy پیدا ہورہاہے،XX کوملاکردکھادیا کہ دیکھوBaby girl پیدا ہورہی ہے،توسائنسی طورپہ ثبوت مل گئے کہ اللہ کا بنایا ہواقدرتی نظام ایساہی ہے،تو Genetic engineering نے آکر یہ کہا: کہ اگرشروع میں عورت ہوتی تواس کے تو Chromosomes ہوتے ہی"XX"ہیں، Y پارٹ توہوتانہیں، تو مرد پیدا نہیں ہوسکتا تھا،ہاں اگرشروع میں مردہوتوXY سے ڈبلX والا بندہ عورت پیدا ہونا یہ آسان کام ہے،توسائنس نے اس بات کوتسلیم کرلیا کہ Life(زندگی) ایک بندے سے اور ایک جان سے شروع ہوئی ،اوروہ مردتھا،پھراس مرد سے اس کی عورت بنی،پھرعورت اورمرد کے ذریعہ انسان آگے دنیامیں پھیل گئے،اب ذراقرآن مجید کی آیت سن لیجئے اورخودغورکیجئے کہ کتنی

خوبصورتی سے اللہ نے قرآن میں اس کو کھولا ہے: ''يَآ أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ'' چودہ سو سال پہلے بتایا جارہا ہے کہ دیکھو Life (زندگی) کا آغاز کیسے ہورہا ہے، وہ ذات جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا ''وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا'' اور اللہ نے اس سے اس کا جوڑا بنایا، بیوی بنائی ''وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَّنِسَاءً'' پھر ان دونوں کے ذریعہ اللہ نے مردوں اور عورتوں کو دنیا میں پھیلا دیا، وہ جو سائنس کی دنیا آج مان رہی ہے قرآن کریم نے اس کا اشارہ چودہ سو سال پہلے کر دیا تھا۔

چھٹا اِشارہ

ایک چھوٹی سی مثال اور عرض کر کے بات آگے بڑھاتے ہیں، جب ہم یونیورسٹی میں پڑھا کرتے تھے تو ہر ایک قسم کے لڑکے سوال کرتے کہ یہ کیا بات ہوئی مسلمان نیک عمل کرے تو دنیا میں بھی اجر ملتا ہے اور آخرت میں بھی ملے گا، اور کافر اگر نیک عمل کرے تو دنیا میں تو اس کو اجر مل جائے گا کہ اللہ تعالیٰ رحمان ہیں، محنت کو نہیں ضائع ہونے دیتے، لیکن آخرت میں اس کو کوئی اجر نہیں ملے گا، تو وہ سوال کرتے تھے کہ ایسا کیوں ہے؟ چونکہ ہم چھوٹے تھے، جواب تو آتا نہیں تھا، البتہ ہم نے اپنی طرف سے جواب دینے کے لئے ایک دلیل گڑھی، میں نے لڑکے کو کہا کہ اچھا آپ ایسا کرو کہ پانچ زیرو لکھو، اس نے ۵ زیرو لکھ دئے، (00000) میں نے کہا کہ اب شروع میں ایک لگا کے چار زیرو لگا دو، اس نے ایسا کر دیا، (10000) میں نے کہا کہ اُس کی Value (قیمت) کتنی ہے؟ کہتا ہے کہ زیرو، اور اِس کی Value کتنی ہے؟ کہتا ہے Ten thousand (دس ہزار)، میں نے کہا مسئلہ کیا ہے کہ وہ بھی پانچ ہندسے، یہ بھی پانچ ہندسے، جتنا ٹائم اُس میں لگا، اتنا ٹائم اِس میں لگا، آپ کہتے ہو کہ اُس کی Value صفر، اور اس کی Value ہے دس ہزار، کیوں ناانصافی ہے؟ کہنے لگا اصل وجہ یہ ہے کہ پہلے کے اندر سارے ہندسے زیرو ہیں تو اسکی Value زیرو آئی، اور دوسری کے شروع میں One (ایک) ڈال دیا تھا تو One (ایک)

نے زیرو کی Value کو بڑھا دیا، ہم نے کہا یہی فرق ہے کہ کافر اس One (ایک) اس اکیلے اللہ کی توحید کا اقرار کرنا بھول جاتا ہے اور زیرو لگا دیتا ہے تو اس کی سارے ہند سے زیرو ہو گئے، اور مومن اللہ کی توحید پر ایمان لے آتا ہے، تو اس کی Value ہوتی ہے۔

لیکن اس بات کو تقویت ذرا بعد میں ملی، وہ اس طرح کہ ہم نے Weight (وزن) کا فارمولا پڑھا، Weight کا فارمولا ہے W=MxG کہ وزن کسی چیز کا بھی نکالنا ہے ہو تو اس کی Mass کو Gravitational force کے ساتھ ملٹی پلائی کرو فرض کرو کہ میرا وزن زمین کے اوپر ایک سو کلو ہے، اگر مجھے آپ چاند پر لے جائیں تو وہاں پر میرا وزن رہ جائے گا مشکل سے چالیس کلو، وجہ یہ ہے کہ وہاں Gravitational force تھوڑی ہے، اگر مجھے مریخ پر لے جائیں تو میرا وزن وہاں آئے گا چار سو کلو، یوں کہ اس کی Gravitational force زمین سے بہت زیادہ ہے، اگر مجھے آپ خلاء میں لے جائیں تو میرا وزن ہو گا صفر کلو، چاند پر چالیس کلو، مریخ پر پانچ سو کلو، تو پوچھو کہ بھائی! اس کا وزن کدھر غائب ہو گیا، وہ کہیں گے کہ خلاَ کے اندر Gravitational force زیرو ہوتی ہے، جب زیرو سے کسی چیز کو ملٹی پلائی کرتے ہیں تو اس کا جواب زیرو ہوتا، ہے جب ہم نے سائنس کا یہ مسئلہ پڑھا تو ہمیں اپنا ایک مسئلہ صاف ہو گیا، ہم نے کہا کہ اس کا مطلب یہ کہ مومن جو نیکی کا کام کرتا ہے اس کے دل میں ایمان کی Gravitational force ہے، اللہ رب العزت کے ساتھ محبت کی ایک Gravitational force ہے، لہٰذا قیامت کے دن جب اعمال کو تولیں گے تو اعمال کا وزن ہو گا اور کافر تو ایمان لاتا ہی نہیں تو اس کی Gravitational force کتنی ہوئی؟ لہٰذا اس کے دنیا میں زمین اور آسمان کے خلاء کو بھرنے کے برابر بھی اعمال ہوں گے تو جب زیرو سے ملٹی پلائی کریں گے تو کیا بنے گا؟ اب یہ تو قدرت کا بنایا ہوا قانون ہے، سمجھ میں آنے والی سیدھی سی بات ہے، قرآن مجید نے چودہ سو سال پہلے کہہ دیا کہ یہ نہیں کہ ہم کافروں کے عمل تولیں گے نہیں، فرمایا قیامت کے دن کافروں

کے عمل دیکھیں گے لیکن ''فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا'' وزن ہی نہیں ہوگا، بے وزن ہو جائے گا، تو عام آدمی جب قرآن مجید پڑھتا ہے اور اس میں یہ چیزیں دیکھتا ہے تو حیران ہوتا ہے، دل گواہی دیتا ہے کہ واقعی یہ اللہ رب العزت کا کلام ہے۔

قرآن مجید کو سمجھنے کا پہلا معیار

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ قرآن مجید کو سمجھنے کے دو Level (سطح) ہیں، ایک عوام الناس کا Level (سطح)، میرے اور آپ کے لئے سمجھنے کا Level اتنا ہے کہ ہمارے سامنے کوئی قرآن پڑھ رہا ہو تو ہمیں پتہ چلے کہ فلاں قوم کا تذکرہ ہو رہا ہے، جنت کا تذکرہ ہے، جہنم کا تذکرہ ہے، فلاں کام کرنے کا حکم ہے، فلاں کام سے منع کیا گیا، یہ First level of understanding (فہم کی اول سطح) یہ عام بندے کے لئے ہے، اور اس کو اللہ نے بہت آسان کر دیا ہے۔

قرآن مجید کو سمجھنے کا دوسرا معیار

ایک ہے High level of understanding، (فہمِ قرآن کا اعلیٰ معیار) وہ علماء کا ہے کہ وہ ایک آیت کو پڑھیں اور اس میں سے مسائل کو Extract (استخراج) کریں Induce (نکال کر لانا) کریں، اس کے لئے پھر بارہ پندرہ سال لگانے پڑتے ہیں، علوم پڑھنے پڑتے ہیں، پھر جا کے انسان کو وہ Level (سطح) نصیب ہوتا ہے کہ ایک آیت سے وضو کے ایک سو پچاس مسائل علماء نے Induce کر لئے، مگر اس لیول تک جانے کی ہر بندے کو ضرورت ہی نہیں، ہمیں تو First level چاہئے اور وہ بڑا آسان ہے۔

ذرا سنئے آج کل قرآن پاک CD پر آچکا، اس کے الفاظ گنے جا چکے، قرآن مجید کے کل الفاظ چوراسی ہزار چھ سو سے کچھ زیادہ ہیں، لیکن اس میں زیادہ الفاظ وہ ہیں جو بار بار Repeat (دوہرائے) ہوئے ہیں جیسے ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا'' ۸۸ مرتبہ آیا، ''اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ'' ۷۰۰ مرتبہ سے زیادہ آیا۔ تو بہت سارے الفاظ کئی کئی بار آئے ہوئے، اگر

Repeataion (بار بار آنا) کو ہم ایک لفظ سمجھیں تو پورے قرآن مجید میں جو مختلف الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان کی تعداد کل دو ہزار بنتی ہے، دو ہزار الفاظ کے استعمال سے قرآن مجید اللہ نے بنا دیا، جن لوگوں کو اردو زبان بولنا یا سمجھنا آتا ہے تو قرآن مجید کے دو ہزار میں سے پانچ سو الفاظ اردو زبان میں استعمال ہوتے ہیں، انسان، حیوان، عرش، کرسی، قلم، کتاب، روح، بدن، موت، حیات، قبر، قیامت، جنت، جہنم، صوم، صلاۃ، حج، زکوۃ، زہد، تقویٰ، توکل، تسلیم، نزع، یہ سب اردو میں استعمال ہوتے ہیں اور قرآن پاک کے بھی الفاظ ہیں تو پانچ سو الفاظ کو نکال دیں تو باقی رہ گئے پندرہ سو، کیا قیامت کے دن ہم اللہ تعالی کو یہ Excuse (معذرت) کر سکیں گے کہ یا اللہ! ہمارے پاس ۱۵۰۰ (پندرہ سو) الفاظ کے معانی سمجھنے کا وقت نہیں تھا، جن لوگوں نے یونیورسٹیوں میں ایم ایس سی کی Bio پڑھی، Chemical engineering پڑھی اور میڈیکل سائنس پڑھی IT پڑھی، اللہ پوچھیں گے کہ تجھے جو میں نے Trillions of brain cell (کھربوں دماغی خلیہ) دیئے تھے، اتنی مشکل چیزوں کو تو سمجھتا تھا تو کیا ۱۵۰۰ (پندرہ سو) الفاظ نہیں سمجھ سکتا تھا؟ تو دن میں ۵ الفاظ کا ترجمہ سمجھتا، تو ایک سال کے اندر قرآن آرام سے سمجھ لیتا۔ البتہ خود اپنے آپ سمجھنا شروع نہ کریں، خود سمجھیں گے تو اُلٹا سمجھ بیٹھیں گے، چونکہ بغیر استاذ کے انسان جو بھی سمجھتا ہے، وہاں غلطی کر جاتا ہے، اسی لئے جب کالج میں میڈیکل سائنس پڑھ لیتے ہیں تو ان کو پریکٹس نہیں کرنے دیتے، کہتے ہیں کہ بھائی! House job کرو، ماہر ڈاکٹروں کی زیر نگرانی تم ٹریننگ لو، تاکہ تم غلطی نہ کرسکو، ورنہ تو بندے مارو گے، تو جس طرح میڈیکل سائنس میں House job ضروری ہے، قرآن مجید کو بھی کسی عالم کی زیر نگرانی سمجھنا ضروری ہے، قریب کی جو مسجد ہو، کوئی اچھے عالم ہوں، آپ ان سے رابطہ کریں اور آپ ان سے کہیں کہ حضرت! مجھے قرآن مجید کا لفظی ترجمہ سمجھا دیں، ہم نے تو دیکھا ہے ایک سال کی کیا بات، کالج اور یونیورسٹیوں کے بچے چالیس دنوں میں پورے قرآن پاک کا ترجمہ پڑھ لیتے ہیں،

قرآن سمجھنے کیلئے اللہ نے اتنا آسان بنادیا، اللہ نے ارشاد فرمایا: ''وَلقد یسّرنا القرآن للذکر فھل من مدّکر'' ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کردیا، ہے کوئی سمجھنے والا؟ آج کی اس مجلس میں ہم دلوں میں یہ عہد کریں کہ ہم اللہ رب العزت کے قرآن کو سمجھنے کے لئے اپنے آپ کو فارغ کریں گے، علماء سے ہم رابطہ کریں گے اور ایک گھنٹہ نہیں آدھا، گھنٹہ سہی اگر Daily (روزآنہ) ہم دینا شروع کریں گے تو ایک وقت آئے گا کہ ہم قرآن پڑھ رہے ہوں گے، ہمیں معانی کا پتہ چل رہا ہوگا، پھر قرآن مجید پڑھنے کا مزہ آئے گا، اللہ تعالی ہمیں یہ نعمت آسانی سے عطافرمائے۔

وآخر دعوانا أنِ الحمدللہ ربِ العالمین

❁❁❁

اگلے صفحہ پر آپ جو خطاب ملاحظہ
فرمائیں گے، وہ حیدرآباد کے منار گارڈن،
میں ہوا تھا، حضرت والا ایک الگ کیبن سے
خطاب فرما رہے تھے، اور خواتین کا انتظام
قدرے دوری پر تھا، تاریخ: ۱۶/۱ اپریل ۲۰۱۱ء
بروز ہفتہ، وقت: ساڑھے گیارہ بجے دِن،
محتاط تخمینہ کے مطابق مستورات کی
تعداد ۲۵ سے ۳۰ ہزار بتائی گئی ہے۔

ہماری پریشانیوں کی وجہ ہمارے گناہ ہیں!

الحمدللہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی
اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ۔ وقال اللہ تعالیٰ فی مقام آخر: مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ۔ وقال تعالیٰ فی مقام آخر: ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ
سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمدللہ رب العالمین
اللهم صل علی سیدنا محمد وعلی ال سیدنا محمد وبارک وسلم
اللهم صل علی سیدنا محمد وعلی ال سیدنا محمد وبارک وسلم
اللهم صل علی سیدنا محمد وعلی ال سیدنا محمد وبارک وسلم

نیکی اور گناہ کے اثرات

جو بھی اعمال ہم کرتے ہیں یا تو وہ گناہ بنتے ہیں یا نیکی بنتے ہیں، اصول یہ ہے کہ اگر انسان اللہ رب العزت کی نافرمانی کرے یا نبی ﷺ کی سنت سے روگردانی کرے، تو یہ گناہ کہلاتا ہے، اور اگر وہ کام اللہ رب العزت کے فرمان کے مطابق ہو، نبی ﷺ کی سنت کے مطابق ہو، تو وہ عمل نیکی کہلاتا ہے۔ گناہ کی اپنی تاثیر ہے، نیکی کی اپنی تاثیر ہے، گناہ کرنے

سے انسان کی زندگی میں بے برکتی آتی ہے، نیکی کرنے سے انسان کی زندگی میں برکت آتی ہے، گناہ کرنے سے انسان پریشان ہوتا ہے، نیکی کرنے سے انسان پرسکون ہوتا ہے، گناہ کرنے سے انسان کو ناکامی ملتی ہے، نیکی کرنے سے انسان کو کامیابی ملتی ہے، گناہ کرنے سے اللہ رب العزت ناراض ہوتے ہیں، نیکی کرنے سے اللہ رب العزت خوش ہوتے ہیں، گناہ کرنے سے انسان جہنم کا مستحق بنتا ہے، نیکی کرنے سے انسان جنت کا مستحق بنتا ہے، جس طرح درخت کو اپنے پھل وزنی معلوم نہیں ہوتے، انسان کو بھی اپنے گناہ برے معلوم نہیں ہوتے، اتنی بات ہے کہ دوسرے بندے کے بارے میں دل میں شک آجائے کہ وہ گناہ کرتا ہے تو انسان اس سے نفرت کرنے لگتا ہے، جب کہ اپنے بارے میں یقین ہوتا ہے کہ میں فلاں فلاں گناہ کرتا ہوں، پھر بھی انسان اپنے نفس سے محبت کرتا ہے۔

گناہ کا ایک ہی علاج

گناہ کی مثال کینسر کے زخم کے مانند ہے، کسی کے جسم میں کینسر کا زخم ہو تو اس کا ایک ہی علاج ہے کہ اس کو Operate (آپریشن) کروا دیا جائے، اور اس کو جسم سے نکال دیا جائے۔ گناہ کا ایک ہی حل ہے کہ اس کو چھوڑ دیا جائے، اگر کینسر کے زخم کو رہنے دیا جائے گا تو یہ پھیلے گا، حتی کہ انسان موت کے منہ میں چلا جائے گا، اسی طرح گناہ اگر زندگی میں باقی رہے گا تو انسان جہنم کے منہ میں چلا جائے گا۔ شروع میں گناہ کا چھوڑنا آسان ہوتا ہے، وقت کے ساتھ ساتھ جب عادت پختہ ہوتی ہے تو پھر گناہ کا چھوڑنا مشکل کام ہوتا ہے، چنانچہ ابتداء میں گناہ کچے دھاگے کے مانند ہوتا ہے اور انتہاء میں جہاز کے لنگر کی طرح مضبوط ہوتا ہے۔

گناہ سے دل کا سکون ختم ہو جاتا ہے

آپ دنیا میں دیکھیں کہ مختلف چیزوں کی اپنی اپنی تاثیر ہے، برف ٹھنڈی ہوگی، آگ گرم ہوگی، پانی انسان کے جسم کو گیلا کرے گا، اسی طرح گناہ کے اندر بھی ایک تاثیر ہے کہ وہ انسان کے دل کو پریشان کرتا ہے، کسی بندے کو گناہ کرنے کا موقع میسر ہو، روکنے والا بھی کوئی نہ ہو، سمجھانے والا بھی کوئی نہ ہو اور وہ پوری آزادی کے ساتھ گناہ کرے، تو بھی گناہ

اس کے دل کو پریشان رکھے گا، کتنی ہی کامیابی سے گناہ کیوں نہ کیا جائے، گناہ انسان کے دل کو پریشان کر دیتا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک کارخانہ دار صاحب نے رات کو تین بجے فون کیا، کہنے لگے کہ حضرت! جو چاہتے ہیں کھاتے ہیں، پیتے ہیں، جہاں چاہتے ہیں سوتے ہیں، دنیا کی ہر نعمت موجود ہے، پتہ نہیں کیا بات ہے کہ دل پریشان رہتا ہے، تو اس عاجز نے جواب دیا کہ جس چیز سے سکون ملتا تھا، آپ کا خزانہ اس نعمت سے خالی ہے، دنیا کے مال پیسے سے سکون ملتا تو قارون دنیا کا سب سے پرسکون شخص ہوتا، سکون تو ملتا ہے اللہ کی یاد سے

نہ دنیا سے نہ دولت سے نہ گھر آباد کرنے سے
تسلی دل کو ہوتی ہے خدا کو یاد کرنے سے

جن لوگوں کو نیکی کی زندگی نہیں نصیب ہوتی، وہ ایئر کنڈیشن کمروں میں کمبل میں لپٹ کے پڑے ہوتے ہیں، نیند نہیں آتی، اور جو نیکی والی زندگی گذارتے ہیں ہم نے دیکھا کہ وہ لوگ خشک روٹی تو کھاتے ہیں، مگر پرسکون زندگی گذارتے ہیں۔ ایک مرتبہ ہم کو مسجد کا آرسی سی لنٹر ڈالنا تھا، تو مزدور Day and night (دن رات) کام کرتے رہے، دوپہر کے وقت تھوڑی دیر چھٹی ہوئی تو سب Rest (آرام) کرنے لگے تو ہم نے ایک مزدور کو دیکھا کہ کنکری کے اوپر بغیر تکیہ کے ویسے ہی دھوپ کے اندر پڑا ہوا مٹی میں سو رہا تھا، اس کو دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ:

کتنی تسکین ہے وابستہ تیرے نام کے ساتھ
نیند کانٹوں پہ بھی آجاتی ہے آرام کے ساتھ

اسی طرح جو لوگ اللہ کی یاد میں زندگی گذارتے ہیں ان کے دل پرسکون ہوتے ہیں، اب جن لوگوں کے پاس نیکی والی زندگی نہیں ہوتی، ظاہر میں کاریں بھی ہوں، بہاریں بھی ہوں، روٹی بھی ہو، بوٹی بھی ہو، اس کے باوجود ان لوگوں کی زندگیوں میں سکون نہیں ہوتا، پریشان رہتے ہیں۔

مادی سہولیات کے باوجود انسان پریشان کیوں ہے؟

آپ غور کریں کہ آج کی زندگی میں مادی سہولیات کی انتہاء ہے، کھانے میں اتنی

Dishes (کھانے کی قسمیں) کہ گنتی مشکل ہوجاتی ہیں، پینے کے لئے اتنے جوس ہیں کہ انسان حیران ہوجاتا ہے، مکانات دیکھو: تو محل کے مانند، سواریاں دیکھو: تو کاریں ایک سے بڑھ کر ایک، بجلی کی نعمت، پنکھے کی نعمت، Refrigerator (فرج) کی نعمت، سفر کرنے کے لئے ریل گاڑی، جہاز، ٹیلیفون کی سہولت، تو کتنی سہولتیں زندگی میں آگئیں، مگر انسان کی زندگی میں سکون پیدا نہ ہوا، اس کی وجہ یہ کہ ان چیزوں سے سکون نہیں ملتا، سکون اللہ تعالیٰ کی یاد سے ملتا ہے، جتنی مادی سہولتیں آج ہیں، اس سے پہلے کبھی نہیں تھیں، اور جتنا انسان پریشان آج ہے، اس سے پہلے کبھی نہیں تھا، تو اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ یہ پریشانی کس وجہ سے ہے۔ اسی لئے دو لفظ بہت کثرت سے استعمال ہونے لگ گئے ہیں ایک: Depression (ذہنی تناؤ، الجھن) اور دوسرا Tension (تفکرات، پریشانی)، یہ دونوں انگریزی کے لفظ ہیں، ہماری اردو زبان میں اس کا کوئی ہم معنی لفظ ہی نہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے بزرگوں کی زندگیوں میں یہ دونوں بیماریاں نہیں تھیں، اگر ہوتیں تو انھوں نے اس کے لئے کوئی نام تجویز کردیا ہوتا، جب یہ انگریزی زبان سے الفاظ چلے تو ہماری زبان میں اسی طرح منتقل ہوگئے، تو ڈپریشن اور ٹینشن یہ خارجی چیزیں ہیں جو باہر سے آئی ہیں اور یہ ان لوگوں کو ہوتی ہیں جو اللہ رب العزت سے غفلت بھری زندگی گزارتے ہیں، ورنہ جس بندے کی نیکی والی زندگی ہو اس کو ڈپریشن اور ٹینشن سے کوئی کام ہی نہیں ہوتا، آج ہر بندہ چاہتا ہے کہ میں لنگوٹ باندھ کے میدان میں اتروں اور پریشانیوں کو ختم کردوں، لیکن ایک پریشانی ختم نہیں ہوتی کہ دوسری آجاتی ہے، اور دوسری ختم نہیں ہوتی کہ تیسری، ایسا لگتا ہے کہ جیسے تسبیح کا دھاگہ ٹوٹ گیا اور ایک کے بعد ایک دانہ نیچے گرتا چلا آرہا ہے، کوئی نہ کوئی پریشانی کہیں نہ کہیں انسان کو چین سے نہیں رہنے دیتی۔

آرام کی ہر چیز کے باوجود ایک خاتون کی شکایت

چنانچہ ایک مرتبہ ایک خاتون ہمیں ملنے کے لئے آئیں، پردے کے پیچھے ان کو بیٹھا کے پوچھا کہ کیا بات کہنا چاہتی ہیں، وہ کہنے لگی کہ میرا خاوند بڑا Industrialist (بڑا

بزنس کرنے والا) ہے، اربوں پتی انسان ہے اور وہ مجھے بہت محبت پیار سے رکھتا ہے، محل نما گھر ہے، زندگی کی ہر سہولت اللہ نے دی ہوئی ہے، گھر کے خرچے وہی اٹھاتا ہے، کچن کے خرچے، ڈرائیور، گارڈ، گاڑی کا پٹرول، جو چیز بھی ہے، یہ سب خرچے وہی اٹھاتا ہے، اور مجھے میرے جیب خرچ کے لئے دو ہزار ڈالر Per month (ہر مہینہ) دیتا ہے، میں بہت زیادہ پریشان ہوں کہ میرے خرچے پورے نہیں ہوتے ہیں۔اس کی یہ بات سن کے مجھے حیرانی ہوئی کہ یہ خاتون کہہ رہی ہے کہ خاوند نے مجھے اتنے محبت پیار سے رکھا ہوا ہے اور ساتھ ہی خرچوں کے لئے دو ہزار ڈالر Per month (ہر مہینہ) دیتا ہے اس کے باوجود یہ کہتی ہے کہ میرے خرچے پورے نہیں ہوتے۔تو میں نے اس کو یہ بات سمجھائی کہ تمہیں اگر دو کی جگہ چار ہزار بھی مل جائیں تو بھی تمہاری پریشانی ختم نہیں ہوگی، وہ کہنے لگی کیوں؟ تو بتایا اس لئے کہ آپ کی زندگی میں نہ پردہ ہے، نہ شریعت کا عمل ہے، ایک عام رسمی رواجی سی زندگی ہے، تو ایسی زندگی سے تو انسان کو کبھی بھی سکون نہیں مل سکتا، اگر آپ سکون چاہتی ہیں تو آپ کو چاہیے کہ باپردہ زندگی گذاریں، نیکوکاری کی زندگی گذاریں، آپ کو سکون مل جائے گا، چنانچہ وہ عورت چلی گئی، پھر دو مہینے کے بعد اس نے فون کیا اور کہنے لگی کہ میں اس قدر پرسکون زندگی گذار رہی ہوں کہ میں آپ کو پورے الفاظ میں بتا بھی نہیں سکتی اور یہ بھی کہنا چاہتی ہوں کہ وہ جو دو ہزار ڈالر مجھے میرے میاں دیتے تھے، میرے خرچے تو پانچ سات سو میں پورے ہو جاتے ہیں اور بقیہ پیسہ میں غریبوں، بیواؤں اور یتیموں میں تقسیم کر دیتی ہوں، اب میں بہت پرسکون زندگی گذار رہی ہوں۔

دلوں کا سکون نیکیوں کے ساتھ وابستہ ہے

چنانچہ سکون ملتا ہے اللہ رب العزت کی یاد سے، سکون ملتا ہے نیکوکاری کرنے سے، اگر انسان گناہ کرے گا تو گناہ انسان کو کسی نہ کسی طرح پریشان رکھے گا، چاہے اس کے پاس عہدہ ہو، کرسی ہو، مال ہو، دنیا کی شہرت ہو، مگر اس کا دل بے سکون ہوگا، دل کا سکون ملتا ہے اللہ تعالیٰ کی یاد کے ساتھ، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمادیا: "اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ

الْقُلُوْبُ" جان لو! اللہ تعالیٰ کی یاد کے ساتھ دلوں کا اطمینان وابستہ ہے۔

گناہ کی وجہ سے ہر چیز میں بے برکتی

جب انسان گناہ کرتا ہے، من مانی کی زندگی گذارتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے رزق میں، وقت میں، صحت میں سے برکت نکال لیتے ہیں، صحت میں سے برکت نکل جاتی ہے کہ گھر کا کوئی نہ کوئی بندہ ڈاکٹر کے پاس جاتا رہتا ہے، کبھی خود بیمار، کبھی بیوی بیمار، کبھی بچے بیمار، کوئی نہ کوئی ایسا ہوتا ہے کہ ڈاکٹر کے پاس جاتا ہی رہتا ہے۔ جب وقت میں سے برکت نکال لی جاتی ہے تو کام ہی کوئی نہیں سمٹتا، انسان کوششیں کرتا رہ جاتا ہے کہ میں یہ کام کرلوں، وہ کام کرلوں، لیکن سارے کام ادھورے رہ جاتے ہیں اور انسان کے ہاتھ سے وقت نکل جاتا ہے اور جب رزق میں سے برکت نکل جاتی ہے تو گھر کے جتنے بندے ہوتے ہیں سارے نوکریاں کررہے ہوتے ہیں مگر خرچے پھر بھی پورے نہیں ہوتے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ برکت نکال لیتے ہیں۔

رزق میں برکت کا ایک دلچسپ واقعہ

صحابہ رضی اللہ عنہم نیکوکاری کی زندگی گذارتے تھے، تو اللہ رب العزت نے ان کے رزق میں برکتیں عطا فرمائی تھیں، چنانچہ ایک واقعہ میں اکثر دوستوں کو سناتا ہوں کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ قضائے حاجت کے لئے باہر تشریف لے گئے، جہاں وہ پیشاب کرنے کے لئے بیٹھے وہاں قریب میں زمین کے اندر ایک سوراخ تھا، چوہے کے سوراخ کو بِل کہتے ہیں، اس بل میں سے چوہا نکلا، اور اس کے منہ میں دینار تھے، اس نے باہر رکھ دیا، پھر گیا، پھر دوسرا دینار رکھ دیا، پھر تیسری مرتبہ تیسرا دینار نکال کے لایا، یہ صحابیؓ جب اپنی ضرورت سے فارغ ہوئے تو یہ حیران ہوئے کہ ان کے سامنے تین چار دینار پڑے تھے، انھوں نے ان کو اٹھالیا، صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک خوبصورت عادت تھی کہ ہر نئی پیش آنے والی بات کو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کرتے تھے، چنانچہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر پوچھا: اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا، آپ بتائیے میرے لئے ان پیسوں کا استعمال جائز ہے یا

نہیں؟ تو نبی ﷺ نے بتلایا کہ یہ اللہ نے تمہیں غیب سے رزق دینے کا بندوبست کیا ہے۔

جب ہم یہ واقعہ پڑھتے ہیں تو سوچتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو "بلوں" سے رزق ملتا تھا اور آج ہمیں مہینے میں جو رزق ملتا ہے وہ سب "بلوں" میں چلا جاتا ہے، یہ بجلی کا بل، یہ گیس کا بل، یہ ڈیزل کا بل، یہ انشورنس کا بل، یہ ڈاکٹر کا بل، ہم "بلوں" میں ہی سب کچھ دے بیٹھتے ہیں، ہمارے ہاتھ میں کچھ نہیں بچتا، اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ رزق کے اندر برکت نہیں ہوتی۔

برکت کا ایک اور واقعہ

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک آدمی آیا کہنے لگا کہ حضرت! میں حج کے لئے جا رہا ہوں تو حضرت نے اس کو چونّی دی کہ یہ لے جاؤ، ضرورت ہوگی تو خرچ کر لینا، چنانچہ وہ اپنے ساتھ چونّی لے کر چلا، جب گاؤں کے باہر نکلا تو ایک قافلے والے جا رہے تھے، سلام دعا ہوئی، انھوں نے کہا کہ تم کو اگر حج پر جانا ہے تو ایک اونٹ ہمارے پاس خالی ہے، اس پر بیٹھ جاؤ، یہ اونٹ پہ سوار ہو گئے، قافلے والے سارا راستہ ان کی مہمان نوازی بھی کرتے رہے اور انھوں نے بڑے اچھے طریقے سے حج ادا کیا، واپس آنے لگے تو ایک اور قافلے والے نے کہہ دیا کہ ہمارے ساتھ ایک حاجی صاحب آئے تھے، وہ فوت ہو گئے، ان کا اونٹ خالی جائے گا، آپ جانا چاہتے ہیں تو ہمارے ساتھ آجائیں، وہ ان کے ساتھ ہو لئے، اب واپسی میں ان قافلے والوں نے ان کی خوب خدمت اور مہمان نوازی کی، حتی کہ ان کو لا کر انھوں نے گاؤں میں اتار دیا، یہ جنید بغدادیؒ کو ملنے کے لئے آئے، حضرت نے پوچھا کہ سناؤ بھائی حج کیسا رہا، کہنے لگا حضرت عجیب بات ہے کہ ہر سہولت بھی اللہ نے دی اور میرا خرچہ بھی کچھ نہیں ہوا تو جنید بغدادیؒ نے فرمایا: اچھا پھر میری چونّی واپس کر دو۔ تو جن کے رزق میں برکتیں ہوتی ہیں تو ان کی چونی بھی خرچ نہیں ہوتی۔

صحت میں برکت

ہم کئی لوگوں کو جانتے ہیں کہ جن کو اللہ نے ایسی صحت دی کہ ڈاکٹر کے پاس جانا ہی نہیں پڑتا، ہمیں ایک مرتبہ ایک بوڑھے میاں ملے جن کی عمر ۸۲ سال تھی، وہ کہنے لگے کہ

میں نے اپنی پوری زندگی میں ایک مرتبہ بھی Tablet (دوا کی گولی) اپنے منہ میں نہیں ڈالی، ۸۲ سال کی زندگی میں کبھی ڈاکٹر کے پاس جانے کا موقع ہی نہیں ملا، ایسی صحت میں برکت ہوتی ہے، رزق میں برکت ہوتی ہے، وقت میں برکت ہوتی ہے، اور جب انسان گناہ کرتا ہے تو ان برکتوں سے محروم ہو جاتا ہے، پھر انسان پریشان رہتا ہے، ایک پریشانی ختم ہوتی ہے کہ دوسری شروع، دوسری ختم نہیں ہوتی ہے کہ تیسری شروع، کوئی نہ کوئی صورت پریشانی کی بنتی ہی رہتی ہے۔

اللہ کی نافرمانی سے ماحول مخالف بن جاتا ہے

ہم نے فائیو اسٹار ہوٹل میں دیکھا کہ اگر وہاں پر کھانے کا انتظام ہو تو Buffet system (بوفے سسٹم) کہلاتا ہے، اس میں کھانے کے لئے سالن والے ٹرے ایک جگہ پر پڑے ہوتے ہیں، اور ان کے نیچے موم بتی جلائی ہوتی ہے تو وہ آگ اس سالن کو گرم رکھتی ہے، تو جتنی دیر کھانا رکھا رہتا ہے، وہ کھانا گرم رہتا ہے۔ بالکل یہی مثال ہے کہ جو انسان گناہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی زندگی میں کوئی Heat source (گرمی پہونچانے والی چیز، مراد دِل جلانے کا سبب) اور Heat source اس بندے کو بالکل پریشان رکھتا ہے، جیسے موم بتی میں یا چراغ میں تیل ڈالتے رہیں تو دیر تک جلتا رہے گا، یہ ہمارے گناہ اس چراغ کا تیل ہیں، جس چراغ نے ہمیں بے چین کیا ہوا ہے، ہم اپنے ہاتھوں سے خرچہ بھی کرتے ہیں، تکلیف بھی اٹھاتے ہیں، لیکن گناہ کر کے الٹا اپنے آپ کو پریشان کر لیتے ہیں، کسی کی زندگی میں بیوی Heat source (دل جلانے کا سبب) بن جاتی ہے، ناک میں دم کر دیتی ہے، Cooperate (تعاون) نہیں کرتی، سنتی نہیں، مانتی نہیں، ضد کرتی ہے، آگے سے زبان درازی کرتی ہے، انسان پریشان رہتا ہے، کسی کی زندگی میں خاوند Heat source بن جاتا ہے، بیوی نیک ہے، اچھی ہے، خوبصورت ہے، مگر خاوند باہر لوگوں کے پیچھے بھاگتا پھرتا ہے اور گھر کی طرف توجہ نہیں ہوتی، بیوی خون کے آنسو روتی ہے، انتظار میں پڑی رہتی ہے، اور خاوند اس کی طرف آنکھ اٹھا کے نہیں دیکھتا، جتنی مرضی تیار ہو کر صاف ستھرے کپڑے

پہن کر بیٹھی ہو، خاوند کی زبان سے تعریف کا ایک جملہ نہیں نکلتا، اللہ نے اس کی بیوی کے گناہوں کی وجہ سے خاوند کو Heat source بنادیا۔ کئی جگہوں پہ ماں باپ کے لئے اولاد Heat source بن جاتی ہے، ماں باپ خود تو اچھے ہیں؛ مگر بیٹا نافرمان، کبھی خود تو اچھے ہیں؛ لیکن بیٹی غیر مسلم کی طرف متوجہ ہوگئی تو خون کے آنسو روتے ہیں، کبھی گھر کے لوگ ٹھیک نہیں ہیں، کوئی بیمار ہوجاتا ہے، جو سب کے لئے پریشانی کا سبب بن گیا، کسی کے لئے پڑوسی Heat source بن جاتا ہے، کوئی نہ کوئی ایسا سبب بن جاتا ہے جو انسان کو پریشان کرتا رہتا ہے۔

اللہ کی نافرمانی کا اثر ماتحتوں پر

فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں نے جب بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تو میں نے اس کا اثر، یا تو بیوی میں دیکھا؛ کہ بیوی نے میری نافرمانی کی، یا اولاد میں دیکھا؛ کہ اولاد نے میری نافرمانی کی، یا اپنے نوکروں میں دیکھا؛ کہ میں نے کام کہا لیکن انھوں نے کام نہیں کیا، یا پھر اپنی سواری کے جانور میں دیکھا؛ کہ میں سوار ہوا اور وہ صحیح طرح مجھے لے کے چلتا نہیں تھا، تو کہیں نہ کہیں میں نے اس نافرمانی کا اثر دیکھا، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہم جو بھی خلاف شرع کام کرتے ہیں وہ ہماری زندگی میں کہیں نہ کہیں Reflect (واپس) ہوتا ہے، ہم نے خدا کی نافرمانی کی تو ہمارے ماتحت ہماری نافرمانیاں کرتے ہیں، اس لئے آپ دیکھیں گے کہ آج اکثر ماں باپ اولاد کے بارے میں شکوے کرتے ہیں کہ حضرت! کیا بتائیں بچے تو افلاطون بن گئے ہیں، سنتے ہی نہیں ہیں، مانتے بھی نہیں ہیں اور سچ بات تو یہ ہے کہ آج کے دور میں اولاد اپنے باپ سے ایسے نفرت کرتی ہے جیسے کوئی پاپ (گناہ) سے نفرت کیا کرتا ہے، اس کی بنیادی وجہ کیا ہوتی ہے کہ ماں باپ کی زندگی میں نمازیں نہیں، سنت کا اہتمام نہیں، بس عام رسم و رواج کی زندگی ہے، اسی پہ جی رہے ہیں، اور زندگی پریشانی میں ہے۔

تو گناہ کی ایک سزا تو آخرت میں ملے گی، مگر ایک سزا اس دنیا میں بھی ہے اور وہ یہ کہ گناہ کرنے والا بندہ سکون کی زندگی نہیں گذار پاتا، پریشانی کی زندگی گذارتا ہے، اللہ تعالیٰ

ارشاد فرماتے ہیں: ''مَنْ يَّعْمَلْ سُوْءً يُّجْزَ بِهٖ'' جو کوئی بھی گناہ کرے گا اس کو اس کا بدلہ مل کر رہے گا۔ اس کی مثال ایسے کہ جو بھی بجلی کو ہاتھ لگائے گا جھٹکا پڑ کر رہے گا، اسی طرح گناہ بجلی کے مانند ہیں، بجلی کے ننگے تار کو ہاتھ لگانے سے جیسے جھٹکا پڑتا ہے ایسے ہی گناہ کو ہاتھ لگانے سے پریشانی کا جھٹکا پڑتا ہے، ہم اس کو محسوس نہیں کرتے اور ہم عاملین کے پاس بھاگے پھرتے ہیں اور وہ انسان کی توجہ ہی کسی اور طرف کر دیتے ہیں کہ لگتا ہے کہ کسی نے کچھ کیا ہوا ہے اور ہمارے ذہن میں پہلے سے Stories (کہانیاں) بنی ہوئی ہوتی ہیں؛ کہ ہاں پھوپھی نے کچھ کر دیا، خالہ نے کچھ کر دیا، ہمسایہ نے کچھ کر دیا، فلاں نے کچھ کر دیا، اور پھر ہم لوگوں کو چھوٹا خدا بنا لیتے ہیں، کسی نے ہمیں پریشان نہیں کیا ہوا ہے، ہماری بداعمالیوں نے ہمیں پریشان کیا ہوا ہے، ہم اپنے عملوں کی طرف دیکھیں اور گناہوں سے پکی سچی توبہ کر لیں تو پریشانیاں خود بخود ختم ہو جائیں گی۔

سزا کی پہلی صورت: نکیر

ہمارے مشائخ نے لکھا کہ گناہ کی سزا تین صورتوں میں ملتی ہے پہلی صورت کو کہتے ہیں: ''نکیر''۔ نکیر کا مطلب نقد سزا، بچے نے نافرمانی کی تو تھپڑ پڑا، بندے نے نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے اس پہ کوئی مصیبت بھیج دی، اس لئے فرمایا: ''مَاۤ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ'' ''تمہیں جو بھی مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی ہے، تم کام ایسے کرتے ہو جو الٹا تمہاری پریشانی کا سبب بنتے ہیں۔

تکبر کا عبرتناک انجام

چنانچہ بعض مرتبہ تو گناہ کی نقد سزا اسی دنیا میں مل جاتی ہے، ایک Land lord (زمین دار) کا واقعہ آپ کو سنائیں، بہت عبرتناک واقعہ ہے، اس کے پاس اتنی بڑی زمین تھی کہ ریل گاڑی کے دو اسٹیشن اس کی زمین کے اندر بنے ہوئے تھے، یعنی ایک اسٹیشن بھی اس کی زمین میں تھا، وہاں سے گاڑی چلتی تھی تو جس اگلے اسٹیشن پر رکتی تھی وہ بھی اسی کی زمین میں تھا، ہزاروں Hectare (ایکڑ) اس کے پاس Agriculture land (کاشتکاری

زمین) کے تھے، ایک دن اپنے دوستوں کے ساتھ شہر کے چوک پہ کھڑا تھا اور باتیں کر رہا تھا، اس کے دوست نے کہہ دیا کہ میں پریشان ہوں، آمدنی کم ہے، میرے خرچے پورے ہی نہیں ہوتے، تو اس نے بڑے تکبر سے جواب دیا کہ تم لوگ پریشان رہتے ہو کہ پیسہ آئے گا کہاں سے؟ اور میں پریشان رہتا ہوں کہ پیسہ لگاؤں گا کہاں پہ؟، پھر اس نے کہا کہ میری تو چالیس نسلوں کو بھی پیسوں کی کوئی فکر نہیں، اس کا تکبر کا یہ بول اللہ تعالیٰ کو ناپسند آیا، چنانچہ چند دن کے بعد وہ بیمار ہو گیا اور ۶ مہینے کے اندر اس دنیا سے رخصت ہو گیا، اس کا ایک ہی بیٹا تھا، اس لڑکے کی عمر تھی ۱۸ سال، وہ اس کی ساری جائداد کا وارث بن گیا، جوانی تھی، پھر مال کی بہتات، تو ایسے میں بُرے لوگ دوست بن جاتے ہیں چنانچہ دوسرے نوجوانوں نے اس کو شراب اور شباب کے راستے پہ لگا دیا چنانچہ اس نے شراب پینی شروع کر دی اور Model (ماڈل) لڑکیوں کے ساتھ وقت گذارنا شروع کر دیا، بینک میں کروڑوں روپیہ تھا، اس نے خوب لٹایا، خوب عیاشی کی، ایک دو سال کے بعد اس کو کسی نے باہر کا راستہ دکھایا کہ وہاں کے کلبوں میں تو حسن اور بھی زیادہ ہوتا ہے، چنانچہ یہ باہر ملک جاتا اور وہاں کے کلبوں میں رات گذارتا، بس اس کا ایک ہی کام تھا اس کو اپنی نفسانی خواہش پوری کرنے کے لئے روز نئے سے نئے چہرے چاہئے تھے، لوگ سمجھاتے لیکن کسی کی بات پہ کان ہی نہ دھرتا، جب اس نے دو چار سال خوب عیاشی میں وقت گذارا تو بینک میں جتنا اکاؤنٹ تھا سب کا سب ختم ہو گیا، اب یہ کرتا کہ زمین کا ٹکڑا بیچتا، جو پیسے ملتے تو باہر کا Tour (دورہ) لگاتا، پھر زمین کا ٹکڑا بیچتا، اس نے اپنی زندگی کے آٹھ دس سال اسی طرح خوب عیاشی میں گذارے، ساری ساری رات جاگنے کی وجہ سے اور ساری ساری رات جنسی کاموں میں مشغول رہنے کی وجہ سے آٹھ دس سال میں اس بچے کی صحت اتنی خراب ہو گئی کہ یہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گیا، ایک وقت آیا کہ اس نے اپنا مکان بھی بیچ دیا، اب اس کے پاس کچھ نہیں تھا جو اس کی ملکیت ہوتا، نشہ کا بھی عادی تھا، ضرورت ہوتی تو یہ لوگوں سے بھیک مانگتا، آپ غور کیجئے کہ شہر کے جس چوک پہ باپ نے کھڑے ہو کے تکبر کا بول بولا تھا کہ "تم کہتے ہو کہ پیسہ آئے گا کہاں سے؟ اور میں سوچتا

ہوں کہ پیسہ لگاؤں گا کہاں پہ؟ میری تو چالیس نسلوں کو پراوہ نہیں' اسی باپ کا بیٹا اسی چوک کے اندر کھڑا ہو کر لوگوں سے بھیک مانگا کرتا۔ تو بسا اوقات اللہ نقد سزا دے کے دکھا دیتے ہیں۔ کئی لوگوں کو دیکھا کہ گناہوں سے اس لئے بچتے ہیں کہ گناہ کرتے ہیں تو یہ ٹھیک نہیں ہوتا، وہ ٹھیک نہیں ہوتا، چلو کم از کم گناہ سے تو بچے۔

سزا کی دوسری صورت: تاخیر

گناہ کی سزا کی ایک دوسری صورت کو کہتے ہیں تاخیر کہ انسان کی گناہوں پہ سزا تو ملتی ہے مگر کچھ عرصے کے بعد، ٹائم Delay (تاخیر سے) ہوتا ہے، اس کی مثال سن لیجئے، جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شاگرد تھا، حافظ قرآن تھا، ان کے ساتھ جا رہا تھا، ایک جگہ پر ایک نصرانی لڑکا کھڑا تھا جو بہت خوبصورت تھا، اب خادم کی نظر اس لڑکے پر پڑی تو وہ اچھا لگا، تو یہ جنید بغدادیؒ سے کہنے لگا: حضرت! ایسی شکلوں کو بھی اللہ جہنم میں ڈال دیں گے؟ حضرت نے فرمایا کہ لگتا ہے کہ تم نے بدنظری کی ہے، توبہ کرلو، وہ کہنے لگا کہ نہیں، میں نے بدنظری تو نہیں کی، بس میں ویسے ہی پوچھ رہا ہوں، اس نے توبہ نہ کی، اس بدنظری کے ایک گناہ کی وجہ سے یہ خادم جو حافظ قرآن تھا ۲۰ سال کے بعد قرآن مجید کو بھول گیا، اس کو تاخیر کہتے ہیں کہ انسان کو نقد تو سزا نہیں ملتی، کچھ ٹائم کے بعد سزا ملتی ہے۔

گناہ کی فوری سزا نہیں ملتی اس کی مثال کہ پانچ سات سال کے بعد کاروبار ٹھپ ہو گیا، پھر کہتے ہیں حضرت! ایک وقت تھا کہ مٹی کو ہاتھ لگاتے تھے تو سونا بن جاتی تھی، آج تو میں سونے کو ہاتھ لگاتا ہوں تو مٹی بن جاتا ہے، یہ اس لئے کہ اللہ کی نعمتوں کا جب وقت تھا اس وقت ہم نے نیکی کرنے کے بجائے گناہ کو اختیار کیا تو کچھ عرصے کے بعد اللہ نے دی ہوئی نعمتوں کو واپس لے لیا، جو پروردگار نعمتیں دینا جانتا ہے وہ پروردگار نعمتیں لینا بھی جانتا ہے۔

اس کی ایک اور مثال کہ انسان جوانی میں خواہشات بھری زندگی گذارتا ہے، پھر اولاد بڑی ہو جائے تو اولاد تو ماں کے ساتھ ہوتی ہے ایسے وقت میں جب کہ اولاد ماں کا ساتھ دے رہی ہو اور بیوی خاوند کی نافرمان بن جائے تو جتنا اس بندے کا بڑھاپا خراب ہوتا ہے

اتنا عبرتناک انجام کہیں نہیں ہوسکتا، یہ جوانی کی کوتاہیوں کی سزا اللہ نے بڑھاپے میں دی۔

سزا کی تیسری صورت: خفیہ تدبیر

تیسری صورت کو کہتے ہیں خفیہ تدبیر: کہ اللہ تعالیٰ گناہ کرنے کی وجہ سے بندے سے خفا ہوجاتے ہیں، وہ پھر اس طرح سزا دیتے ہیں کہ اسے پتہ بھی نہیں چلتا، مثال کے طور پہ ہر کام ادھورے رہ جائیں، کہتے ہیں کہ حضرت! بس میں ڈیل کرتا ہوں اور ڈیل ہوتے ہوتے رہ جاتی ہے، کاروبار چل ہی نہیں رہا ہے، حضرت! میں نے چار کنٹینز ایکسپورٹ کئے، ایک فلاں جگہ رک گیا، دو فلاں جگہ رک گئے اور مجھے اس سے واپس پیسے ہی نہیں ملتے، یہ اللہ رب العزت کی خفیہ تدبیر ہوتی ہے کہ بندے کے کاموں کو ایسے نامکمل کردیا جاتا ہے کہ اس کو کام مکمل کرنے کی توفیق ہی نہیں ہو پاتی۔

گھر میں تین تین جوان بچیاں ہیں، رشتے ہی نہیں آتے، بچیاں شکل کی بھی اچھی ہیں، عقل کی بھی اچھی، لکھی پڑھی بھی ہیں، لوگ آتے ہیں اور دیکھ کے تعریفیں بھی کرتے ہیں اور واپس جاکے دوبارہ نام ہی نہیں لیتے، اب جس آدمی کے گھر میں تین بچیاں جوان ہوں اور اسکے پاس بچیوں کے رشتے نہ آئیں تو ماں باپ کا جو دل دکھی ہوتا ہے دوسرا بندہ اس کا اندازہ نہیں لگا سکتا، یہ تو نہیں ہوسکتا کہ خود ہاتھ پکڑ کے کسی کے پاس چھوڑ آئے، اس کی تو تمنا یہی ہوتی ہے کہ کوئی میرے پاس آ کے رشتہ مانگے، لیکن کوئی آتا ہی نہیں، بچی الگ روتی ہے، ماں الگ روتی ہے، باپ پریشان ہوتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر ہوتی ہے کہ اس کے کاموں کو ہمیں مکمل نہیں ہونے دینا ہے، جس کام میں ہاتھ ڈالے وہ ادھورا ہی رہتا ہے، یہ اللہ تعالی کی خفیہ تدبیر ہے۔

اور کئی مرتبہ انسان عملوں سے ایسے محروم ہوتا ہے کہ اس کو پتہ بھی نہیں چلتا، بنی اسرائیل کا ایک عالم تھا وہ کہیں Involve (متعلق) ہو گیا، اب ڈرتا بھی تھا کہ میں گناہ کبیرہ کرتا ہوں، کہیں میرے اوپر اس کا عذاب نہ آئے تو وہ اردگرد ذرا دیکھتا کہ جو نعمتیں اس کے پاس تھیں وہ ساری اسی طرح ہیں تو وہ حیران بھی ہوتا کہ میں گناہ بھی کر رہا ہوں اور نعمتیں بھی

سلامت ہیں تو ایک دن اس نے کہا یا اللہ! تو کتنا حلم والا ہے، میں تو گناہ کررہا ہوں اور آپ نے اپنی نعمتیں اسی طرح باقی رکھی ہوئی ہیں، تو الہام ہوا کہ میرے بندے نعمتیں تیرے اوپر اسی طرح نہیں ہیں تو نعمتوں سے محروم ہورہا ہے، تجھے اس کا پتہ نہیں چل رہا ہے، کہنے لگا: یا اللہ میں کس نعمت سے محروم ہوا تو الہام ہوا کہ جس دن سے تو نے کبیرہ گناہ کرنا شروع کیا، رات کے آخری پہر میں مناجات میں جو تو رویا کرتا تھا ہم نے اس دن سے اس نعمت سے تجھے محروم کردیا، تب اسے پتہ چلا کہ واقعی گناہ کے دنوں میں مجھے رونا ہی نہیں آتا تھا، کیا پتہ کہ یہ گناہ کی سزا ہو کہ تکبیر اولیٰ کی توفیق نہیں ہوتی، یہ گناہ کی سزا ہے کہ تہجد کی توفیق نہیں ہوتی، آج تو ہم یہ سوچتے ہیں کہ ہم تہجد نہیں پڑھتے، ایسی بات نہیں ہے، یوں سوچیں کہ میرے اعمال ایسے ہیں کہ تہجد کا وقت جو اللہ کے پیارے بندوں کے اٹھنے کا وقت ہوتا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ میری شکل کو دیکھنا بھی پسند نہیں فرماتے، تو فرشتے بھیج کے مجھے تھپکیاں دے کے سلا دیتے ہیں کہ پڑے رہو میں نہیں چاہتا کہ اس وقت تمہاری شکل دیکھوں۔

گناہ کے سلسلے میں ایک اصولی بات

اسی لئے ایک اصول کی بات یاد رکھیں کہ جب انسان پر اللہ رب العزت کی نعمتوں کی بہتات ہو اور پھر وہ گناہوں میں پڑا ہوا ہو تو یہ خطرے کی گھنٹی ہوتی ہے کہ اب رسی کھینچے گی اور اس بندے کا گلا دبایا جائے گا لہٰذا بہتر یہ ہے کہ انسان نعمتوں کی موجودگی میں اللہ سے صلح کرلے، اللہ کی نافرمانی کو چھوڑ دے، اللہ سے دوستی کرلے، اور اللہ کے فرمانبردار بندوں میں شامل ہوجائے۔

دل کی کیفیت کو معلوم کرنے کی علامات

ہمارے اکابر کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے کہ انھوں نے Explain (تفصیل سے بیان کیا) کردیا کہ نیکی سے انسان کا دل منور ہوتا ہے، گناہوں سے انسان کا دل سیاہ ہوتا ہے، دل منور ہو تو اس کی بھی علامات ہیں اور دل سیاہ ہو تو اس کی بھی علامات ہیں تو یہ ایک Litmus test (فیصل میزان) مل گیا، ہر انسان خود دیکھ سکتا ہے کہ میرا دل منور ہے

یا میرا دل سیاہ ہے۔

دل سیاہ ہونے کی تین علامتیں ہیں

پہلی علامت: گناہوں کی جھجک ختم ہونا

پہلی علامت کہ گناہوں کی جھجک ختم ہو جاتی ہے، گناہ کرنا کوئی Big deal (بڑی بات) نظر نہیں آتا، نوجوان لڑکا کہتا ہے میں تو غیر محرم سے بڑے آرام سے بات کر لیتا ہوں، لڑکی کہے گی کہ It is not a big deal for me at all (یہ تو میرے لئے کوئی بڑی بات نہیں) میں تو لڑکوں سے آرام سے بات کر لیتی ہوں، یہ جو جھجک ختم ہو گئی، یہ جو شرم ختم ہو گئی، یہ دل کے سیاہ ہونے کی پہلی علامت ہے۔

دوسری علامت: نیکی کرنا بوجھ محسوس ہونا

دوسری علامت یہ ہے کہ نیکی کرنا بوجھ محسوس ہوتا ہے، تہجد میں اٹھنا بوجھ، فجر میں اٹھنا بوجھ، تلاوت کرنا بوجھ، مسجد میں جا کے نماز پڑھنا بوجھ، کوئی مسجد میں لے بھی جائے تو مسجد سے یہ باہر نکلے گا تو ایسے جیسے طبیعت میں نشاط آ جائے گا کہ پتہ نہیں کس مصیبت سے میں باہر آ گیا۔

تیسری علامت: نصیحت بری لگنا

تیسری بات کہ انسان کو نصیحت بری لگتی ہے، اگر کوئی بندہ سے نیکی کی بات کر دے کہ بھائی نماز پڑھا کرو تو جواب دے کہ اچھا جی مجھے اپنی قبر میں جانا ہے، تمہیں اپنی قبر میں جانا ہے، بیوی کو کہو کہ نماز کی پابندی کیا کرو تو وہ کہے کہ تمہاری بہن بڑی نمازیں پڑھتی ہے؟ ۔

میں اسے سمجھوں ہوں دشمن، جو مجھے سمجھائے ہے

جو سمجھائے وہ برا لگتا ہے، ماں سمجھائے تو وہ بری، باپ سمجھائے تو وہ برا، بیوی کوئی اچھی بات کرنا چاہے تو وہ بری، تو یہ تین علامتیں بتاتی ہیں کہ دل سیاہ ہو چکا ہے۔

دل منور ہونے کی تین علامتیں ہیں

پہلی علامت: چہرے پہ نور ہونا

پہلی علامت کہ نیکی کرنے والے بندے کے چہرہ پہ نور ہوتا ہے، چہرہ پہ تازگی ہوتی ہے، عمر چاہے جتنی ہوجائے مگر چہرے پہ نیکی کا نور ہوتا ہے، آپ کو اگر فرق دیکھنا ہو تو کبھی یہ Pop star (موسیقی والے گانے بجانے والے،) کے چہروں کو بھی دیکھ لیں ہوائیاں اڑی ہوئیں، بال بکھرے ہوئے، چہرے پہ ایسی نحوست ہوتی ہے کہ آنکھوں سے انسان کو نظر آتی ہے، اِن میں سے اکثر کی موت Drugs (نشہ آور اشیاء) کی کثرت استعمال کی وجہ سے ہوتی ہے۔اور دوسری طرف اللہ والوں کے چہروں کو دیکھیں، ایسی معصومیت اور ایسی جاذبیت کہ انسان کا دل کھنچتا ہے، دیکھتے دیکھتے طبیعت نہیں بھرتی۔تو دل منور ہونے کی یہ پہلی علامت ہے۔

دوسری علامت: دل میں سرور ہونا

اور دوسری علامت یہ کہ انکے دل میں سرور ہوتا ہے، وہ اپنے اللہ سے راضی ہوتے ہیں، خوش ہوتے ہیں، اللہ جس حال میں انھیں رکھتا ہے وہ اس حال میں اپنے مولیٰ سے راضی ہوتے ہیں، پرسکون زندگی ہوتی ہے۔

تیسری علامت: کاموں میں اللہ کی مدد ہونا

اور تیسری بات یہ کہ ان کے کاموں میں اللہ تعالیٰ کی مدد ہوتی ہے، چنانچہ جو کام وہ کرنا چاہیں کڑیاں جڑتی چلی جاتی ہیں اور کام خود بخود ہوجاتے ہیں، ایسا لگتا ہے کہ کوئی غیبی طاقت ان کے کاموں کو سیدھا کردیتی ہے۔لہٰذا ہم کوشش کریں کہ ہم اپنے سیاہ دلوں کو منور بنائیں، گناہوں سے توبہ کرکے اللہ سے اپنا تعلق جوڑیں اور ایک نئی زندگی گذارنے کا آج دل میں ارادہ کریں۔

حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب بات لکھی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِهٖ'' جو بھی گناہ کرے گا اس کو بدلہ مل

کررہے گا، تو فرماتے ہیں کہ گناہ کا بدلہ آگ میں جلنا ہے، لہٰذا جو بندہ بھی گناہ کرے گا اس کو اس گناہ کی وجہ سے آگ میں جلنا پڑے گا، مگر فرماتے ہیں کہ آگ دو قسم کی ہے، ایک آگ تو یہ ہے کہ دنیا میں اس گناہ پر ندامت ہو، شرمندگی ہو، اور انسان کا دل کڑھے کہ میں نے کیوں گناہ کیا، اس کو ندامت کی آگ کہتے ہیں، اگر وہ بندہ اس دنیا کی ندامت کی آگ میں اپنے آپ کو جلالے تو آخرت کی آگ سے آزاد ہو جائے گا اور اگر دنیا کی آگ میں نہیں جلے گا تو پھر اس بندے کو یقینا جہنم کی آگ میں جلنا پڑے گا، اب دونوں میں سے جو آسان ہو وہ اختیار کیجئے، ہم وہ لوگ ہیں کہ دھوپ کی گرمی تو ہم سے برداشت نہیں ہوتی، جہنم کی گرمی کیسے برداشت کریں گے، عورتیں کھانا بناتے ہوئے کبھی انگلی جلا بیٹھیں تو ایک ایک مہینے تک اس کی درد نہیں جاتی، انگلی کے جلنے پہ اتنی تکلیف اور درد ہوتا ہے، تو جب پورا جسم آگ میں جل رہا ہوگا تب کیا حال ہوگا، اور اس وقت تو وہاں کوئی ساتھی بھی نہیں ہوگا

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

تو آج وقت ہے کہ ہم اپنے گناہوں سے سچی پکی توبہ کرلیں، اپنے اللہ سے دوستی کرلیں، اللہ کے فرماں بردار بندوں میں شامل ہو جائیں اور آئندہ نیکوکاری کی زندگی گذاریں، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے مقبول بندوں میں شامل فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

اگلے صفحہ پر آپ جو خطاب ملاحظہ فرمائیں گے، وہ حیدرآباد کے عیدگاہ بلالی ہاکی گراؤنڈ، کے وسیع و عریض میدان میں ہوا تھا، تاریخ: ۱۶/ اپریل ۲۰۱۱ء بروز ہفتہ، وقت: بعد نماز عشاء، محتاط تخمینہ کے مطابق حاضرین کی تعداد ۹۰ ہزار سے ایک لاکھ بتائی جاتی ہے۔

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

الحمدللہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى

سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمدللہ رب العالمین

اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی اٰل سیدنا محمد وبارک وسلم

اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی اٰل سیدنا محمد وبارک وسلم

اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی اٰل سیدنا محمد وبارک وسلم

انعام سے پہلے امتحان

گھروں میں Medicine (دواؤں) کی بوتلوں پہ یہ عبارت لکھی ہوتی ہے: Shake well before use نیز Juices (جوس،) بوتلوں پر بھی یہ لکھا ہوتا ہے Shake well before use کہ استعمال کرنے سے پہلے اس کو اچھی طرح ہلالیں۔ یوں سمجھ لیجئے کہ اللہ رب العزت کے یہاں بھی سنت یہی ہے کہ جس بندے کو انعام سے نوازنا ہوتا ہے انعام دینے سے پہلے اس کو اچھی طرح آزماتے ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام کو منصب امامت ملنے سے پہلے آزمائش

اسکی دلیل بھی قرآن عظیم الشان میں ہے، اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں: ''وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ'' اور یاد کرو اس وقت کو جب آزمایا ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں میں ''فَاَتَمَّهُنَّ'' اور وہ اس میں کامیاب ہوئے ''فَاَتَمَّهُنَّ'' کا معنی ہے'' ماثۃ

فی المائة'' Cent per cent (صد فیصد) کہ ابراہیم علیہ السلام 100% سے کامیاب ہوگئے اور رب کریم نے فرمایا: ''اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا '' اے میرے ابراہیم! میں آپ کو انسانوں کا امام بناتا ہوں، تو دیکھئے امامت کا منصب عطا کرنا تھا تو اللہ رب العزت نے امام الناس بنانے سے پہلے ان کو آزمایا، کیونکہ جب بھی کوئی نعمت ملنی ہوتی ہے اس سے پہلے اللہ رب العزت آزماتے ہیں۔

پچھلی امتوں کی آزمائش

پہلی امتوں میں بھی آزمائش اتنی ہوئی کہ اللہ رب العزت نے فرمایا: ''مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا '' انکو تنگدستی، مفلسی، اور تکالیف پہونچی، اور انکو جھنجوڑ کر رکھ دیا گیا ''حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ '' حتی کہ اللہ کے رسول اور ایمان والے یہ پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آزمائش

صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا، قرآن مجید میں ہے: ''هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا '' اللہ تعالیٰ نے خوب آزمایا پھر ان کو ایسی نعمت ملی کہ فرمایا: ''رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ '' تو یہ ایک دستور ہے، یہ سنت خداوندی ہے کہ جب کسی کو نعمت سے نوازنا چاہتے ہیں تو اس کو اچھی طرح جھنجوڑتے ہیں، آزماتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب پر آزمائش

اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس دنیا میں تشریف لانا تھا تو آپ کی تشریف آوری سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تین قریبی رشتہ داروں کو آزمایا، سب سے پہلے آپ کے دادا عبدالمطلب کو آزمایا —— ان کا نام ''شیبہ'' تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ سر کے اندر کچھ بال پیدائشی سفید تھے جو ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے، تو بچپن سے ہی بالوں کی ایک لٹ

سفید تھی، اس وجہ سے ان کا نام شیبہ رکھا گیا، بہت زیادہ خوبصورت تھے ——— اللہ کی شان کہ بچپن میں وہ یتیم ہوگئے، توان کی والدہ سلمٰی مدینہ طیبہ سے تھیں، وہ خاوند کی وفات کے بعدواپس اپنے میکے مدینہ طیبہ آگئیں، تو یہ بھی اپنی والدہ کے ساتھ آگئے، میکے میں غربت بہت تھی، نہ کھانا ملتا تھا نہ پہننا ملتا تھا، اس لئے عبدالمطلب کا لڑکپن بہت غربت میں گذرا۔ ایک مرتبہ ایک حارثی قبیلہ کا شخص مدینہ طیبہ گیا، اس نے دیکھا کہ کچھ نوجوان تیراندازی کر رہے ہیں، اوران میں ایک لڑکا ایسا ہے کہ جب نشانہ لگاتا ہے تو بالکل صحیح صحیح نشانہ لگاتا ہے اور نشانہ ٹھیک لگنے کے بعد وہ بڑی خوشی سے کہتا ہے کہ میں اس خاندان کا شخص ہوں جس خاندان کے ہر بندے کا نشانہ ٹھیک جگہ پر لگنا اسے زیب دیتا ہے، تو اس نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ اسے بتایا گیا کہ یہ قریش کی اولاد ہے، یتیم ہوگیا، اوراب یہ اپنی والدہ کے ساتھ غربت کی زندگی گذاررہا ہے۔ وہ ان کے چچا مطلب کے دوست تھے، چنانچہ وہ حارثی شخص واپس مکہ مکرمہ گیااوراس نے وہاں جاکرعبدالمطلب کو کہا کہ تمہارا بھتیجا اتنی غربت کی زندگی گذار رہا ہے، تم لوگ اتنے امیرلوگ ہو، امراء میں سے ہو، تم اپنے بھائی کے بیٹے کی کفالت نہیں کر سکتے؟ اپنے بھائی کے بیٹے کو نہیں پال سکتے؟ اس نے مطلب کو اتنا اُکسایا کہ اس نے قسم کھالی کہ جب تک میں اپنے بھتیجے کو واپس نہیں لے آؤں گا میں چین سے نہیں بیٹھوں گا، چنانچہ مطلب مدینہ گئے، اس کی والدہ سے بات کی کہ میں اپنے بھائی کے بیٹے کو واپس مکہ مکرمہ لے جانا چاہتا ہوں، وہ ماں تھی، پہلے تو وہ گھبرائی کہ میں بچے کی دوری برداشت نہیں کرسکوں گی، پھرلوگوں نے سمجھایا کہ تیرے بیٹے کی پرورش اچھی ہوگی، کچھ بن جائے گا، تیرے لئے توخوشی کا باعث ہوگا، چنانچہ ماں آمادہ ہوگئی، مطلب اپنے چھوٹے بھتیجے کو اپنی سواری پر بٹھا کے لے آئے، جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو لوگوں نے دیکھا کہ آگے مطلب ہیں اور پیچھے ایک نوجوان لڑکا ہے، تو لوگوں نے سمجھا کہ یہ اپنے لئے وہاں سے کوئی غلام لایا ہے، چنانچہ ان کا نام عبدالمطلب پڑگیا، حالانکہ یہ چچا کے غلام تو نہیں تھے، مگر نام عبدالمطلب پڑگیا۔ تو یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کے دادا، جب مکہ مکرمہ میں انھوں نے رہنا شروع کیا، چونکہ ان کے اندر قائدانہ صلاحتیں تھیں، یہ معاملہ فہمی رکھتے تھے، Crisis management (ہنگامی حالات سے نمٹنے کی صلاحیت) ان کو آتی تھی، Decision making (قوت فیصلہ) بہت اچھی تھی، لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آتے تھے، چنانچہ جب یہ جوان ہوئے تو قریش کے لوگوں نے متفقہ طور پر ان کو بیت اللہ کا انچارج بنادیا، اور بیت اللہ کی کنجیاں عبدالمطلب کے ہاتھ میں آگئیں، یوں عبدالمطّلب بیت اللہ کے کنجی بردار بن گئے۔ وقت اچھا گذرنے لگا۔

حضور ﷺ کے والد عبداللہ پر آزمائش

دوسری آزمائش ان کے بیٹے پر آئی، ان کے کئی بیٹے تھے، جن میں سے ایک کا نام تھا: عبداللہ، جو چھوٹا بھی تھا، سب سے زیادہ خوبصورت بھی تھا۔ وہ آزمائش ایسے آئی کہ عبدالمطّلب نے سن رکھا تھا کہ اللہ کے گھر کے قریب کوئی جگہ ہے جہاں زمزم کا کنواں تھا، وقت کے ساتھ وہ بند ہوگیا اور اس زمانے میں سب سے بڑی پرابلم پانی کا نہ ہونا تھا، نہ پینے کو پانی ملتا تھا، نہ جینے کو پانی ملتا تھا، لوگ بہت مشکل میں تھے، عبدالمطلب کو شوق ہوا، انھوں نے مختلف جگہوں سے زمین کی کھدائی شروع کردی، یہ اکیلے زمین کھودتے رہتے، کوئی انھیں بیوقوف سمجھتا، کوئی دیوانہ سمجھتا، گرمی کے موسم میں پسینہ بہہ رہا ہے اور یہ زمین کھودرہے ہیں، چاہتے تھے کہ مجھے وہ کنواں مل جائے جس سے زمزم نکلا تھا، چنانچہ جب انھوں نے خوب محنت کرلی اور کنواں نہ نکلا تو انھوں نے منت مانگی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے زمزم کا پانی مجھے عطا کردیا اور وہ کنواں مل گیا تو اپنے بیٹوں میں سے ایک بیٹے کو اللہ کے نام پہ قربان کروں گا، اللہ کی شان کہ کچھ عرصہ گذرا کہ انھوں نے کھودتے کھودتے ایک چٹان دیکھی وہ چٹان اصل میں کنویں کے منہ پر رکھ کے کسی نے بند کیا ہوا تھا، چٹان توڑنے کی دیر تھی کہ نیچے سے پانی نکل آیا، یہ بات اہل مکہ کے لئے سب سے زیادہ خوشی کا باعث تھی کہ زمزم کا پانی مل گیا، آبادی خوشی کے ساتھ وہاں آباد ہوجائے گی، چنانچہ لوگ بڑے خوش تھے کہ ہمارے قبیلے کے سردار نے پانی کو ڈھونڈ

لیا، مگر عبد المطلب دل میں غمزدہ بھی بڑے تھے کہ اب مجھے اپنی اولاد میں سے کسی بیٹے کو قربان کرنا پڑے گا، چنانچہ انھوں نے سب بچوں کے نام لکھے اور قرعہ ڈالا کہ میں کس بچے کو اللہ کے نام پہ قربان کروں، اللہ تعالیٰ کی شان دیکھئے کہ عبد اللہ جو بچوں میں سب سے زیادہ خوبصورت تھا، زیادہ پیارا تھا، چھوٹا تھا، اسی کے نام قرعہ پڑ گیا، چنانچہ عبد المطلب نے فیصلہ کرلیا کہ میں عبد اللہ کو اللہ کے نام پہ قربان کروں گا، لوگوں نے سنا تو انھوں نے آکے سمجھایا کہ نہیں، عبد اللہ کو تم قربان نہ کرو، عبد اللہ کے بدلے اونٹ اللہ کے راستے میں قربان کردو، چنانچہ عبد المطلب نے قرعہ ڈالنا شروع کیا کہ میں عبد اللہ کو قربان کروں یا دس اونٹوں کو؟ قرعہ عبد اللہ کے نام نکلا، دوبارہ قرعہ ڈالا کہ میں عبد اللہ کو قربان کروں یا بیس اونٹوں کو؟ قرعہ عبد اللہ کے نام نکلا، پھر تیس اونٹ، پھر چالیس اونٹ، جب سو اونٹ کی تعداد پہونچی تب قرعہ نکلا کہ سو اونٹ قربان کردیئے جائیں، تو عبد المطلب نے عبد اللہ کی جگہ سو اُونٹوں کی قربانی کی، اور حضرت عبد اللہ "ذبیح اللہ" کہلائے، اللہ کے نام پہ قربان ہونے والے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا، کہنے لگا "یا ابنَ الذَّبِیحَین!" اے دو ذبیح ہونے والوں کے بیٹے! تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے، فرمایا: ہاں! میرے اجداد میں دو ذبیح اللہ تھے، ایک اسماعیل علیہ السلام ذبیح اللہ تھے اور ایک میرے والد عبد اللہ ذبیح اللہ۔ یہ عبد اللہ پر آزمائش تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ پر آزمائش

تیسری آزمائش نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ پر آئی، ان کا نام تھا آمنہ، مدینہ طیبہ کی رہنے والی تھیں، جب عبد المطلب نے اپنے بیٹے کی شادی کرنے کا ارادہ کیا تو انھیں بنی زہرہ میں سے رشتہ لینے کا خیال آیا، چنانچہ وہ اپنے بیٹے کے لئے گئے اور آمنہ کا رشتہ پسند کیا اور لے کر آئے، اللہ کی شان دیکھئے کہ بچہ بھی جوان تھا اور بچی کی بھی ابتداء جوانی کی عمر تھی، شادی ہوگئی، ابھی ۶ مہینے میاں بیوی دونوں گھر میں اکٹھے رہے کہ اتنے میں ایک قافلے کو شام تجارت کا سفر کرنا تھا، تو عبد اللہ نے سوچا کہ اب تو میں شادی شدہ ہوگیا، مجھے چاہئے کہ میں کوئی تجارتی

سفر کروں، جو اس میں سے بچے گا تو گھر کی ضرورتیں پوری ہوں گی، عبداللہ نے تجارت کی نیت کر لی، آمنہ کے لئے یہ بڑی غمناک خبر تھی کہ ۶ مہینے شادی کو ہوئے اور ابھی خاوند کی جدائی! اور اس زمانے کے سفر کوئی مہینہ ۱۵ دن کے نہیں ہوتے تھے، مہینوں کے سفر ہوتے تھے، لمبی جدائی ہوا کرتی تھی، چنانچہ جب عبداللہ رخصت ہونے لگے تو اس وقت آمنہ امید سے بھی تھیں، غم سے بھی تھیں، ان کی نمناک آنکھوں کو دیکھ کر ان کا دل رکھنے کے لئے عبداللہ نے کہا کہ دیکھیں! میں سفر پہ جا رہا ہوں، میں آپ کو بہت Miss کروں گا، آپ مجھے بہت یاد آئیں گی، میرے ساتھ ایک وعدہ کرو کہ جب قافلہ واپس لوٹ کر آئے گا تو تم جب خبر سن لینا تو بن سنور کے تم آکے دروازے کے اندر کھڑی ہو جانا، میں جیسے ہی دروازہ پہ پہنچوں تم مجھے اھلاً وَّ سھلاً کہنا، اصل میں تو عبداللہ ان کے غم کو تھوڑا کم کرنا چاہتے تھے، تو بیوی نے وعدہ کر لیا کہ جب آپ واپس آئیں گے تو میں آپ کا انتظار دروازہ کے قریب آکے کروں گی، عبداللہ چلے گئے، اللہ کی شان دیکھیں کہ تجارتی سفر بہت اچھا رہا، مکہ مکرمہ سے پہلے مدینہ جاتے تھے، مدینہ سے آگے شام جاتے تھے اور واپسی پر پھر مدینہ آتا تھا، پھر مکہ مکرمہ، جب یہ لوگ سفر سے واپس آرہے تھے تو سفر میں حضرت عبداللہ بہت بیمار ہو گئے، بخار ہو گیا، طبیعت کمزور ہو گئی، جب مدینہ طیبہ پہنچے تو وہاں چونکہ سسرال تھی، تو بنو زہرہ والوں نے کہا کہ اس حالت میں تو سفر بہت زیادہ تکلیف کا باعث ہے، آپ عبداللہ کو ہمارے پاس چھوڑ دو، ہم ان کا علاج معالجہ کریں گے، خدمت کریں گے، صحتمند ہوں گے تو پہنچا دیں گے، چنانچہ باقی قافلہ والے دو چار دن قیام کے بعد مکہ مکرمہ چل پڑے اور حضرت عبداللہ وہیں مدینہ منورہ میں رہ گئے، جب یہ قافلہ مکہ مکرمہ پہنچا تو مکہ مکرمہ کے اندر ایک خوشی تھی، ہر گھر کے اندر عورتیں خوش تھیں کہ ہمارے میاں آرہے ہیں، بچے خوش تھے کہ ہمارے ابو آرہے ہیں، جب قافلہ کے پہنچنے کی خبر ملی تو بی بی آمنہ بھی خوش ہوئیں، نہائیں، اچھے کپڑے پہنے، چاہتی تھیں کہ میں دروازہ کے قریب جا کر اپنے خاوند کا استقبال کروں، اور میں اپنا وعدہ پورا کروں، لیکن دروازہ

کے قریب کھڑے بہت دیر گذر گئی، حضرت عبداللہ آتے ہی نہیں تھے، پتہ کروایا کہ کہاں ہیں، لوگوں نے کہا کہ قافلہ کے سب لوگ تو گھروں کو چلے گئے، پیچھے تو کوئی نہیں بچا، پھر پتہ کروایا کہ حضرت عبداللہ کہاں ہیں؟ اطلاع ملی کہ وہ بیمار تھے، مدینہ طیبہ رہ گئے اور آنہیں سکے، بی بی آمنہ کے لئے یہ بہت غم کی خبر تھی کہ جس خاوند کے انتظار میں اتنی دیر کھڑی رہیں وہ ابھی بھی گھر نہیں پہنچے، چنانچہ قریب کے رشتہ داروں نے سوچا کہ ہم مدینہ جاتے ہیں اور حضرت عبداللہ کو واپس لے کر آتے ہیں، مگر اللہ کی شان کچھ اور چاہتی تھی، ان لوگوں کے جانے سے پہلے حضرت عبداللہ کی وہاں مدینہ طیبہ میں وفات ہوگئی، جب وفات ہوئی تو حضرت عبداللہ کی عمر ۱۸ سال تھی، بی بی آمنہ کی عمر ۱۶ سال تھی، حاملہ بھی تھیں اور ابھی چند مہینے ان کو امید کے گذرے تھے، اب ذرا اندازہ لگایئے کہ جس لڑکی کی عمر ۱۶ سال ہو اور وہ حاملہ بھی ہو، اس کو اپنے خاوند کی وفات ہونے کی اطلاع ملے تو اس کے دل پر یہ کتنا بڑا غم ہوا کرتا ہے، بی بی آمنہ کی یہ آزمائش بہت بڑی تھی، چنانچہ وہ غمزدہ رہتی تھیں، آنکھوں میں سے آنسو آرہے تھے، خاوند بھی جدا ہوگیا اور ۱۶ سال کی عمر میں شادی کے بعد چند مہینے ہی خاوند کے پاس رہنے کا موقع ملا۔ بہر حال تین قریبی رشتہ داروں کے اوپر آزمائشیں آئیں، ایک دادا پر، دوسری والد ماجد پر اور تیسری والدہ کے اوپر، تینوں پر آزمائشیں آنے کے بعد پھر اللہ رب العزت نے اپنے حبیب حضرت محمد مصطفی احمد مجتبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا کے اندر بھیجا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے پہلے علامات کا ظہور

بی بی آمنہ امید سے تو تھیں ہی، وہ بڑی حیران ہوتی تھیں کہ اب مجھے سات مہینے مکمل ہو چکے، نہ مجھے ابکائی آئی، نہ مجھے کوئی اور علامت محسوس ہوئی، لیکن یہ Confirm (یقینی) تھا کہ بطن میں بچہ پرورش پا رہا ہے، البتہ عام عورتوں کو جو علامات محسوس ہوتی ہیں کہ کھانا اچھا نہیں لگتا، طبیعت اچھی نہیں رہتی، ان کو ان میں سے کوئی علامت بھی محسوس نہیں ہوتی تھی، مگر ایک دو چیزیں وہ اور بھی نوٹ کرتی تھیں کہ جب بی بی آمنہ چلنے لگتیں تو درختوں کی

ٹہنیاں ان کی طرف جھک جاتی تھیں، ایسے لگتا تھا کہ ٹہنیاں بھی جھک کر بی بی آمنہ کو سلام کر رہی ہیں، کبھی کبھی وہ یہ بھی دیکھتیں کہ رات کے وقت میں بیت اللہ جانے کے لئے وہ اپنے گھر سے نکلیں تو آسمان کے ستارے قریب آ گئے، یوں لگتا تھا کہ آسمان کے ستارے بھی ان کو سلام کر رہے ہیں، مگر ایک بات بڑی پکی تھی، وہ یہ کہ گھر کی ضرورت کے لئے جب وہ زمزم بھرنے کے لئے جاتی تھیں تو زمزم کا پانی جو عام طور سے نیچے ہوتا تھا، جب بی بی آمنہ وہاں پہونچتیں تو پانی بالکل کنارے کے قریب آجاتا تھا، ان کو ڈول ڈال کر کھینچنا نہیں پڑتا تھا، وہ اوپر سے ہی پانی لے لیتی تھیں، اور یہ بات اتنی عام تھی کہ مکہ مکرمہ کی اور لڑکیاں بھی پانی بھرنے جاتیں تو وہ بی بی آمنہ کو پکڑ کے کھڑا کر دیتیں کہ آمنہ! آپ نہ ہلو، پانی اوپر ہے، ہمیں بھر لینے دو، ورنہ پانی نیچے ہوجائے گا۔ تو بی بی آمنہ بھی یہ تمام علامات محسوس کرتیں اور ان کو بھی Feel (محسوس) ہوتا کہ میرے بطن میں جو بچہ ہے لگتا ہے کوئی بڑا بابرکت ہے، لیکن ظاہر میں میاں فوت ہو چکے تھے، گھر کے اندر خرچے کی کمی تھی، اب ایک سرخ ستارہ آسمان کے اوپر چمکنے لگا، پہلی کتابوں میں ایک نشانی بتائی گئی تھی کہ جب نبی آخرالزماں دنیا میں تشریف لائیں گے تو ان کے آنے سے پہلے سرخ ستارہ چمکے گا، جب سرخ ستارہ چمکنا شروع ہوا تو یہودی اہل کتاب کے گھروں کے اندر تو غلغلہ مچ گیا کہ اب اس نبی کے پیدا ہونے کا وقت قریب ہے، چنانچہ مدینہ طیبہ میں جتنی عورتیں امید سے تھیں انھوں نے ان کا پتہ کروایا، پھر یہ پتہ کروایا کہ کس کے وہاں بچے کی ولادت قریب ہے، پتہ چلا کہ سیکڑوں عورتیں حاملہ ہیں مگر ابھی تو سب کو کئی مہینے باقی ہیں تو، پھر انھوں نے مکہ مکرمہ میں پتہ کروایا، ان کو پتہ چلا کہ بنو ہاشم میں عبدالمطلب کے یہاں جو بیوی تھی وہ امید سے ہے اور ولادت بھی قریب ہے، چونکہ ان کا رشتہ بنو اسماعیل سے ملتا تھا اس پر ان یہودیوں کے اوپر بڑا غم ہوا، مگر اللہ تعالیٰ کو جو مقصود تھا وہی ہو کر رہا۔

جس رات نبی ﷺ کی ولادت باسعادت ہونی تھی گھر کے اندر چراغ میں

ڈالنے کے لئے تیل بھی نہیں تھا، بی بی آمنہ کے گھر میں تنگدستی اتنی تھی کہ چراغ جلانے کے لئے تیل بھی موجود نہیں تھا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت صبح سحری کے وقت ہوئی، سحری کے وقت ولادت کا مقصد یہ تھا کہ لوگو! رات کا اندھیرا جب چلا جاتا ہے تو صبح کی سفیدی آجاتی ہے، یہ ایسے مہمان دنیا میں تشریف لائے ہیں کہ آج کے بعد ظلم اور شرک کی رات ختم ہو جائے گی اور اب دنیا کے اندر ایمان کا اجالا آجائے گا۔

کچھ علامتیں اور بھی تھیں ایک تو یہ کہ فارس کا جو بادشاہ کسریٰ تھا، اس کے محل کے چودہ کنگرے گر گئے، تو تعبیر پوچھی، انھوں نے کہا کہ کوئی ایسا بچہ پیدا ہوا ہے جو آپ سے تخت وتاج چھین لے گا، لیکن چودہ نسلوں کے بعد، وہ بڑا خوش ہو گیا، حالانکہ اس کو نہیں پتہ تھا کہ اس کے بعد اس کے جو جانشین بنیں گے وہ تھوڑے تھوڑے عرصے میں مرتے جائیں گے، چنانچہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اللہ رب العزت نے یہ علامت بھی پوری کر دی۔

ایک اور بات ہوئی کہ کسری نے یہ خواب دیکھا کہ اس کے گھوڑے ہیں اور ان گھوڑوں کو اونٹوں والے لوگ جزیرۂ عرب سے باہر نکال رہے ہیں، تو تعبیر دینے والے نے تعبیر دی کہ عرب لوگ اتنے مضبوط بن جائیں گے کہ یہ باہر سے جانے والی طاقتوں اور قوتوں کو واپس ڈھکیل دیں گے۔ ایران کے اندر ایک آتش کدہ تھا جس کی آگ ایک ہزار سال سے مسلسل جل رہی تھی، اس رات وہ آگ بھی اچانک بجھ گئی۔ یہ علامات تھیں جس کے ذریعہ اللہ رب العزت نے مخلوق کو یہ پیغام پہنچادیا کہ دیکھو! اب دنیا کو ہدایت دینے والے، دنیا کے لئے شمع ہدایت بن کر آنے والے دنیا میں آرہے ہیں، اب کفر اور شرک کا وقت ختم ہو گیا، اب ایمان کا وقت شروع ہو گیا۔ چنانچہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم لیٹے ہوئے تھے، آپ نے بستر کے اوپر سجدہ بھی کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے دادا نے جب دیکھا تو بڑے خوش ہوئے کہ میرا پوتا اتنا خوبصورت ہے، پھر وہ آپ کو لے کر بیت اللہ گئے، اس زمانے کا دستور یہی تھا کہ جب بھی بچہ پیدا ہوتا تھا تو عورتیں حصول برکت کے لئے سب

سے پہلے اسے بیت اللہ بھیجتی تھیں کہ وہاں اس کے لئے دعا کی جائے، چنانچہ عبدالمطلب اپنے پوتے کو لے کر گئے مگر انھیں کیا پتہ تھا کہ میں حصولِ برکت کے لئے جس بچے کو لے کر جا رہا ہوں یہ بچہ تو جہانوں کے لئے رحمۃ للعالمین بن کے آرہا ہے۔

حضور ﷺ کا اسم گرامی محمد ﷺ

اب ایک بات اور کہ جس بندے نے بچہ دیکھا اس نے کہا: عبدالمطلب اتنا خوبصورت بچہ تو کبھی دیکھا نہیں، اتنا پیارا بچہ تو کبھی دیکھا نہیں، یہ تو بڑا Cute (دلکش) نظر آتا ہے، یہ تو بہت B e a t i f u l (خوبصورت) ہے، جب سب نے تعریفیں کیں تو اللہ نے عبدالمطلب کے دل میں نام ڈالا کہ میں اس کا نام وہ رکھوں جس کی بہت زیادہ تعریفیں کی گئیں، چنانچہ انھوں نے ''محمد'' نام تجویز کیا، محمد کا مطلب ہوتا ہے کہ وہ ذات جس کی دنیا میں اتنی تعریفیں کی جائیں کہ مخلوق میں سے کسی کی اتنی تعریفیں نہ کی گئی ہوں، بہت پیارا نام ہے۔
پھر ایک نام احمد بھی رکھا گیا کہ وہ ذات جو اللہ تعالیٰ کی اتنی تعریفیں کرے کہ اتنی تعریفیں کسی اور نے کی ہی نہ ہو، آپ ﷺ محمد بھی تھے اور آپ ﷺ احمد بھی تھے۔

جس کا رب اسی کا سب

جب دنیا میں پیدا ہوئے تو آپ یتیم تھے، اللہ نے دنیا میں دکھا دیا کہ لوگو! یتیم کا تو باپ نہیں ہوتا، لوگ سمجھتے ہیں بے سہارا ہوتا ہے، لیکن یاد رکھو جس کا ''اَبْ'' نہیں ہوتا اس کا رَبْ ہوتا ہے اور جس کا رب ہوتا ہے پھر اسی کا سب ہوا کرتا ہے۔
اللہ رب العزت نے اپنے حبیب ﷺ کو کیا نعمتیں عطا فرمائیں، چنانچہ آسمان کے ستارے جھکنے میں بھی حکمت تھی، یہ Massage (پیغام) دیا گیا کہ دیکھو آسمان کی مخلوق بھی اگر اس کے سامنے جھک رہی ہے تو اے زمین پر بسنے والو! تمہیں بھی اس کے سامنے زانوئے ادب تہ کرنا پڑے گا، جھکنا پڑے گا، پھر یہ بھی بتانا تھا کہ جو اس کی شاگردی کو اختیار کریں گے وہ اسی طرح شان پائیں گے، جس طرح آسمان کے ستارے ہوتے ہیں وہ

لوگ زمین کے ستارے کہلائیں گے، نبی ﷺ نے فرمایا: ''أَصْحَابِیْ كَالنُّجُوْمِ بِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمُ اهْتَدَيْتُمْ'' پھر یہ بھی بتایا کہ دیکھو جب آسمانی مخلوق بھی ان کا احترام کر رہی ہے تو دنیا والو! تمہیں سرداری اس وقت ملے گی جب تم لوگ ان کے قدموں میں آ ؤ گے، تو اللہ رب العزت نے چند باتوں کے ذریعہ دنیا کو یہ پیغام دے دیا۔

نبی ﷺ کی پیدائش کو کچھ دن ہوئے تھے کہ عجیب بات ہوئی کہ مکہ مکرمہ سے کوئی سوڈیڑھ سوکلومیٹر دور ایک بستی ہے، جو بنوسعد کی بستی کہلاتی ہے، اس کی چند عورتوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہم چلیں اور مکہ مکرمہ سے کچھ بچے اپنے پاس لے آئیں، ان کو یہاں پالیں گے اور جب واپس لے جائیں گے تو ہمیں ان کے والدین سے انعام ملے گا تو ایک Income (آمدنی) کا ذریعہ بن جائے گا۔

اس زمانے میں اپنے بچوں کو اس طرح دیہاتوں میں بھیج دیا جاتا تھا، اس سے ایک تو ان کو بیماریاں نہیں ہوتی تھیں جیسے وائرس کی بیماریاں ہوتی ہیں، چونکہ مکہ مکرمہ جو تھا یہ چوراہا تھا مختلف ملکوں کے قافلے یہاں سے گذرتے رہتے تھے اور قافلوں سے Virus type (ایک سے دوسرے میں منتقل ہوجانے والی) کی بیماریاں بھی آتی رہتی تھیں، تو لوگ چھوٹے بچوں کو وہاں رکھنے سے ذرا گھبراتے تھے، وہ دیہات بھیج دیتے تھے۔ اور ایک بات اور بھی ہے کہ یہاں باہر کے قافلوں کے آنے کی وجہ سے بچوں کی زبان اتنی شستہ نہیں ہوتی تھی جو عربوں کی ہونی چاہئے تھی، تو دیہات میں بھیجنے سے وہ صاحبِ زبان بھی اچھے بن جاتے تھے۔

چنانچہ دس عورتوں نے نیت کی کہ ہم مکہ مکرمہ جاتی ہیں، ان میں ایک عورت تھی جن کا نام تھا حلیمہ، وہ بھی اپنے خاوند کے ساتھ چل پڑی، اس کے پاس ایک اونٹنی تھی اور ایک گدھی تھی لیکن دونوں کمزور تھے، کیونکہ کھانے کو کچھ ملتا نہیں تھا، اب باقی عورتوں کی سواریاں تو تازہ دم میں وہ آگے نکل جاتیں اور حلیمہ پیچھے رہ جاتیں تو باقی عورتوں کو رک کر حلیمہ کے آنے کا انتظار کرنا پڑتا، چار پانچ مرتبہ وہ مختلف جگہوں پر رکیں اور حلیمہ کا انتظار کیا، پھر انھوں

نے کہا: حلیمہ! ہمارا سفر بھی کھوٹا ہو رہا ہے، اگر اجازت دو تو ہم پہلے چلی جاتی ہیں، تم بعد میں آ جانا، حلیمہ نے کہا جاؤ، چنانچہ وہ باقی ۹ عورتیں جو تھیں وہ سب کی سب جلدی مکہ مکرمہ آ گئیں، حلیمہ کمزور سواری کی وجہ سے پیچھے رہ گئیں۔

مکہ مکرمہ سے آنے والی عورتوں نے کوشش کی کہ امیر لوگوں کے بچے اپنی گود میں لیں، ایک دو عورتیں حضرت آمنہ کے یہاں آئیں، بچے کو دیکھا پوچھا کہ والد کیا کرتے ہیں، بتایا گیا کہ اس کے والد تو فوت ہو چکے، انھوں نے سوچا کہ جب باپ ہی سر پہ نہیں ہے اب ہمیں انعام کون دے گا، چنانچہ یتیم سمجھ کر چھوڑ کے آگے چلی گئیں، اب ان کے اس عمل سے بی بی آمنہ کو بڑا دکھ ہوا اور وہ سوچنے لگیں کہ کاش! میرا خاوند زندہ ہوتا، وہ میرے بچے کو پرورش دینے میں خود مدد کرتا، پھر بچہ ذرا بڑا ہوتا تو انگلی پکڑ کے میرے بچے کو اپنے ساتھ مسجد میں اور بیت اللہ میں لے جاتا، بچے کے سر پہ باپ کا سایہ ہوتا وہ بچے کو کھلونے لا کے دیتا، مگر رب کریم کو کچھ اور منظور تھا کہ آمنہ! تم کیوں پریشان ہوتی ہو کہ اس کو والد کھلونے لے کے نہیں دیتا، اس بچے نے تو وہ شان پانی ہے کہ آنے والے وقت میں ہم آسمان کے چاند کو اس کے لئے کھلونا بنا دیں گے، یہ انگلی کا اشارہ کرے گا اور چاند کے دو ٹکڑے ہو جائیں گے، اس کے والد اس کو کیا بازاروں کی سیر کرواتے، وقت آئے گا کہ ہم اس بچے کو عرش پر بلائیں گے اور ہم اس کو یہاں پر جنت کی سیر کروائیں گے، آمنہ! تو کیوں پریشان ہوتی ہے، بہر حال بی بی آمنہ غمزدہ تھیں۔

حلیمہ سعدیہ کی سعادت مندی

جب حلیمہ سعدیہ پہنچیں تو پتہ چلا کہ مکہ مکرمہ میں ایک ہی بچہ ہے، معلوم کیا والد کیا کرتے ہیں، پتہ چلا کہ والد تو وفات پا گئے، تو حلیمہ سعدیہ کے دل پر بھی یہ بات عجیب سی لگی، وہ فرماتی ہیں کہ میں نے سوچا میں ذرا بچے کا چہرہ تو دیکھوں، بچہ لیٹا ہوا تھا اور اس کے اوپر کپڑا ڈالا ہوا تھا حلیمہ فرماتی ہیں کہ میں نے جیسے ہی کپڑا تھوڑا سا ہٹایا بچے نے مسکرا کر آنکھیں کھولیں اور میری طرف دیکھا، اس کی مسکراہٹ میں کچھ ایسی جاذبیت تھی کہ میں نے اس کو

بوسہ دیا اور اٹھا کر سینہ سے لگالیا، میں نے دل میں سوچا کہ اس کے والد سے انعام ملے گا یا نہیں، حلیمہ! تم اس بچے کو پالوگی تو اس کی مسکراہٹ تو تمہیں ملا کرے گی، اب حلیمہ لینے کے لئے تیار ہوگئی۔

حضور ﷺ کا حسن بے مثال

توحلیمہ نے تعریف کی، کہنے لگی آمنہ! تمہارا بچہ تو بڑا خوبصورت ہے، میں نے تو کبھی گاؤں میں ایسا خوبصورت بچہ نہیں دیکھا، اس پر بی بی آمنہ نے فرمایا: حلیمہ! تو گاؤں کی رہنے والی ہے، تو نے گاؤں میں کوئی ایسا خوبصورت بچہ نہیں دیکھا، میں تو شہر کی رہنے والی ہوں، میں نے شہروں میں کوئی ایسا خوبصورت بچہ نہیں دیکھا، عبدالمطلب قریب میں تھے، انھوں نے کہا کہ آمنہ! تو شہر میں زندگی گذارتی ہے اور میں تو ملکوں کا سفر کر چکا ہوں، میں نے ملکوں میں کبھی ایسا خوبصورت بچہ نہیں دیکھا، اس موقع پر اگر جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا جاتا کہ آپ بھی ذرا اپنے Comment (تبصرہ) دیدیجئے تو جبرئیلؑ کہتے کہ عبدالمطلب! آپ تو چند ملکوں میں پھرے ہو، میں تو ساری دنیا کو دیکھ چکا ہوں ؎

آفاقہا گردیدہ ام　　　مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام　　　اما تو چیزے دیگری

میں نے ایسا خوبصورت بچہ پوری دنیا میں کہیں نہیں دیکھا، اور اگر اس موقع پہ تصور یہ سوچے کہ اللہ رب العزت کیا فرمائیں گے تو شاید اللہ تعالیٰ یہ فرماتے: حلیمہ! تو نے گاؤں میں ایسا نہ دیکھا، آمنہ! تو نے شہر میں نہ دیکھا، عبدالمطلب تو نے ملکوں میں نہ دیکھا! جبرئیل تو نے دنیا میں کہیں نہ دیکھا، میں پروردگار بتلاتا ہوں، میں نے اپنی پوری مخلوق میں ایسا خوبصورت کوئی نہیں دیکھا ؎

واللیل سیاہی زلفوں کی　　　چہرہ والضحیٰ اس کا
سارے جہاں کا پیارا ہے　　　آپ محب ہیں خدا اس کا
رب نے بنایا جب اسکو　　　خود آپ کہا سبحان اللہ

اللہ رب العزت نے جب اپنے حبیب ﷺ کو بنایا تو اللہ رب العزت کو خوشی ہوگئی، واقعی اللہ کے خزانے میں ان جیسا خوبصورت کوئی اور تھا ہی نہیں۔

اب حلیمہ بچہ لینے کے لئے تیار، آمنہ بچہ دینے کے لئے تیار، اللہ کی شان پہ قربان جائیں اللہ نے اپنے حبیب ﷺ کو کن عورتوں کے ہاتھوں میں دیا؟ اللہ تعالیٰ نے ماں اس کو بنایا جو آمنہ تھیں، یعنی امانت کی حفاظت کرنے والی تھیں کہ یہ میری امانت ہے، اور پرورش کرنے والی وہ جو حلیمہ یعنی حلم والی تھیں، اس لئے کہ بچے کو پرورش دینے والی عورت میں اگر حلم نہ ہوتو وہ بات بات پہ ڈانٹے گی۔

والدہ کی دعاؤں کا ثمرہ

بی بی آمنہ نے بچے کو دعائیں دیں اور اس کو اللہ کے سپرد کر کے حلیمہ سعدیہ کی گود میں دے دیا ——— یاد رکھنا کہ جب بھی ماں دعائیں دے کر کسی بچے کو رخصت کرتی ہے اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ ہمیشہ اس بچے کو چار چاند لگا دیا کرتے ہیں، یہ اللہ رب العزت کے یہاں دستور ہے، ذرا سوچئے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اپنے بچے کو دعاؤں کے ذریعہ دریا کے اندر ڈال کر رخصت کیا، جب چلے تھے تو موسی تھے، لوٹ کر آئے تو کلیم اللہ بن گئے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ان کی والدہ نے ابراہیم علیہ السلام کے کہنے پہ نہلایا کہ بڑے کی ملاقات کے لئے جارہے ہیں اور دعاؤں سے رخصت کیا، جب چلے تو اسماعیل تھے اور جب لوٹ کر آئے تو اسماعیل ذبیح اللہ بن چکے تھے۔ اور ادھر شیبہ کو دیکھئے کہ ماں نے ان کو ان کے چچا کے ساتھ مدینہ سے رخصت کیا، چلا تو شیبہ تھا مکہ مکرمہ پہنچا تو عبدالمطلب بنا، پھر اللہ نے بیت اللہ کی چابی انکو دلادی، چنانچہ اللہ رب العزت کی رحمت کا ایک وقت آیا کہ جب وہ والیٔ بیت اللہ بن گئے، تو کوئی موسی کلیم اللہ بنا، کوئی اسماعیل ذبیح اللہ بنا، کوئی والیٔ بیت اللہ بنا، یہ بچہ ماں کی دعائیں لے کر رخصت ہورہا ہے، لوگ نہیں جانتے تھے کہ ایک وقت آئے گا کہ یہی بچہ لوٹے گا تو محمد رسول اللہ بنے گا۔ آج کے نوجوان بچے اپنی والدہ کی دعاؤں کی اہمیت

کو نہیں سمجھ پاتے، دل دکھا دیتے ہیں، ان کے سامنے زبان درازی کرتے ہیں، دکھ دیتے ہیں، حالانکہ اگر یہ والدہ کی خدمت کریں اور دعا لیں تو اللہ رب العزت ان کے نصیب کھول دے، اللہ تعالیٰ ان کی پریشانیوں کو ختم کرے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک صحابی رضی اللہ عنہ آتے ہیں کہ بڑا گناہ ہو گیا فرمایا کہ والدہ زندہ ہیں؟ کہا: جی! زندہ ہیں، فرمایا جاؤ، والدہ سے دعا کرواؤ، والدہ کی دعا کے ذریعہ اللہ تیرے بڑے گناہ کو بھی معاف فرما دیں گے۔

اب حلیمہ سعدیہ نے اس بچے کو اپنے سینے سے لگایا اور باہر نکلی، خاوند انتظار میں تھا، خاوند نے کہا کہ حلیمہ! کس بچے کو لے آئیں؟ اس کا والد کیا کرتا ہے؟ انھوں نے بتلایا کہ والد تو اس کا فوت ہو چکا، تو حلیمہ کے خاوند نے کہا کہ: "عَسَى اللهُ أَنْ يَجْعَلَ لَنَا فِيْهِ بَرَكَةً" امید کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے اس میں برکت ڈال دیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیچھے بیٹھا کر اونٹنی چلنے پر راضی نہیں

اب حلیمہ کے خاوند سفر کے لئے تیار ہو گئے، انھوں نے پہلے حلیمہ کو بیٹھایا، پھر حلیمہ کی گود میں بچہ تھا، پھر آگے وہ خود بیٹھے، سواری کو اٹھانا چاہا تو سواری اٹھ ہی نہیں رہی ہے، بڑے حیران کہ سواری کو کیا ہوا، اٹھ کیوں نہیں رہی ہے، خود نیچے اترے، جیسے ہی نیچے اترے سواری اٹھ گئی، پھر بیٹھا یا کہ میں اوپر بیٹھوں، جب اوپر بیٹھتے ہیں تو سواری نہیں اٹھتی، اس طرح دو دفعہ ایسا کرنے کے بعد انھوں نے کہا حلیمہ! تم ذرا آگے بیٹھو، حلیمہ کو آگے بیٹھایا، اس کی گود میں بچہ تھا، وہ خود پیچھے بیٹھے، جیسے ہی پیچھے بیٹھے سواری اٹھ کھڑی ہوئی اور چلنے کے لئے تیار ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کو بتانا مقصود تھا کہ یہ بچہ جو پوری کائنات کا صدر مقام رکھتا ہے، تم اس کو اپنی پیٹھ کے پیچھے بیٹھا کے سفر کیسے کر سکتے ہو؟ آگے بیٹھانا پڑے گا، اس کو اس کا مقام دینا پڑے گا، اب جو سواری چلی تو بھاگتی جا رہی ہے، بھاگتی جا رہی ہے، حتی کہ وہ عورتیں جو بہت پہلے سے چلی تھیں، وہ ابھی راستے میں تھیں کہ یہ سواری ان کے قریب سے ہو کے آگے گذرنے لگی، بنو سعد کی وہ عورتیں بڑی حیران ہوئیں پوچھنے لگیں: حلیمہ! تو نے سواری بدل

لی؟ حلیمہ نے مسکرا کر دیکھا اور جواب دیا: میں نے سواری تو نہیں بدلی، البتہ میری سواری کا سوار بدل گیا۔

بنوسعد کے ہر گھر میں خوشبو پھوٹ پڑی

حدیث مبارک کے اندر آتا ہے کہ حلیمہ سعدیہ جب بچے کو لے کر پہنچی تو بنوسعد کے گھروں میں سے کوئی گھر ایسا نہیں تھا جہاں سے گلاب کے پھولوں کی خوشبو نہ آرہی ہو، پوری بستی کے اندر خوشبوئیں تھیں، جیسے کسی نے روم فریشنر پوری بستی کے اندر چھڑک دیا ہو، یہ ملائکہ کے ذریعہ اللہ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استقبال کا معاملہ کر دیا کہ ہر گھر سے خوشبو آرہی تھی۔

بکریوں کے سوکھے تھن دودھ سے لبریز ہو گئے

ایک اور بات عجیب تھی کہ جب حلیمہ سعدیہ اپنے گھر پہنچیں، اس کی چند بکریاں تھیں، جو دودھ ہی نہیں دیتی تھیں، آج جب جا کے دیکھا کہ ان بکریوں کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے، ان کے خاوند نے دودھ نکالنا شروع کیا، گھر کے جتنے برتن تھے سارے کے سارے دودھ سے بھر گئے، خاوند کہنے لگے حلیمہ! لگتا ہے اس بچے کے اندر بڑی برکتیں ہیں، حلیمہ کے خاوند بڑے خوش ہو گئے اور گھر کے اندر ایک نئی زندگی شروع ہو گئی۔

غریب گھرانے میں پرورش کرانے میں اللہ کی حکمت

دیکھیں اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش محل میں بھی کروا سکتے تھے، اللہ نے بعض انبیاء کی پرورش محل میں کروائی، موسیٰ کو محل میں پالا، یوسف علیہ السلام کو محل میں پالا، اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی محل میں پال سکتے تھے، مگر اللہ تعالیٰ تو دیکھانا چاہتے تھے کہ دیکھو! یہ بچہ اس گھر میں جا رہا ہے جہاں بکریوں کے تھنوں میں دودھ نہیں ہوتا، اب اگر اس گھر کے اندر برکتیں آرہی ہیں تو آنکھ سے دیکھ کر سوچنے والے فیصلہ کر لیں کہ یہ برکتیں ساری اس وجود مسعود کی وجہ سے ہیں جس کو اس گھر کے اندر بھیجا گیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دودھ پینے میں بھی انصاف کا معاملہ

بی بی حلیمہ نے ایک اور بات بھی نوٹ کی، اس کی پرورش میں ایک اور بچہ بھی تھا تو وہ دیکھتی کہ یہ بچہ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو انھوں نے پہلی دفعہ جس طرف سے دودھ پلایا یہ بچہ فقط ادھر سے ہی دودھ پیتا تھا، دوسری طرف سے دودھ پلانے بھی لگتی تو دودھ نہیں پیتا تھا، وہ بڑی حیران ہوئی کہ یہ کیا معاملہ ہے، چنانچہ ان کے دو طرف کے دودھ میں تقسیم ہوگئی، ایک طرف سے ایک بچہ دودھ پیتا اور دوسری طرف سے دوسرا بچہ دودھ پیتا، یہ اس لئے تھا کہ اللہ تعالیٰ بتانا چاہتے تھے کہ دیکھو کل جس ہستی کو ساری کائنات کو انصاف کی تعلیم دینی ہے، کوئی یہ بھی الزام نہ لگا سکے کہ چھوٹے ہوتے ہوئے یہ اپنے دودھ شریک بھائی کے حصے کا دودھ پی جایا کرتے تھے، اس لئے اللہ نے پہلے سے تقسیم کردی تاکہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ دھبہ لگنے کا امکان ہی نہ رہے، ایک طرف سے دودھ پیتے تھے۔

بکریاں چرانے کے دوران پیش آنے والے چند واقعات

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چار سال حلیمہ سعدیہ کے گھر رہے، ان چار سالوں میں ایک دو اور عجیب واقعات ہوئے، حلیمہ کی بیٹی تھی جس کا نام تھا شیمہ، جوان العمر تھی، وہ بکریوں کو چرانے کے لئے جایا کرتی تھی، ایک دن دیر ہوگئی اور وہ بکریوں کو لے کر نہیں گئی، حلیمہ نے کہا: بیٹی! آج تو بکریاں چرانے نہیں لے گئی؟ شیمہ نے کہا: اماں! بکریاں زیادہ ہیں، میں اکیلی ہوں، ان کے پیچھے بھاگ بھاگ کے میں تھک جاتی ہوں، میرے ساتھ کوئی اور بھی ہو تب میں جاؤں گی، اس نے کہا: بیٹی! میں بھی بوڑھی ہوں، تیرا باپ بھی بوڑھا ہے، تو ہی تو گھر میں جوان العمر ہے، یہ مشقت کا کام تو تم ہی کرسکتی ہو، ہم تو مدد نہیں کرسکتے، اس نے کہا: اماں! یہ جو میرا بھائی محمد ہے، اس کو میرے ساتھ کردیں، حلیمہ نے کہا: کیا بات کررہی ہو! تم بکریوں کے پیچھے بھاگو گی یا بھائی کو سنبھالو گی؟ اس نے کہا: اماں! اگر بھائی کو بھیجیں گی تو میں بکریاں چرانے جاؤں گی، نہیں بھیجیں گی تو میں بکریاں چرانے نہیں جاتی، مجھ سے نہیں سنبھالی جاتیں تو پوچھا:

بھائی کو لے کے جاؤ گی تو کیسے سنبھالوگی؟ کہا کہ اماں! میں ایک دن بھائی کو ساتھ لے کر گئی تھی، میں نے دو تین چیزیں عجیب دیکھیں، ایک بات تو یہ کہ جتنی دیر میں باہر رہی بادل نے میرے اوپر سایہ کیا رہا، مجھے دھوپ نہیں اٹھانی پڑی، مجھے اللہ نے سایہ دے دیا، اور دوسری چیز میں نے یہ نوٹ کی کہ ایک دوراہب قریب سے گذر رہے تھے انھوں نے اس بچے کو دیکھا تو وہ آئے، انھوں نے بچے کو پیار کیا، کہنے لگے کہ اس کے چہرے پہ بڑا نور نظر آرہا ہے، یہ بڑی ہستی بنے گا۔ مجھے یہ بات بھی بڑی اچھی لگی کہ لوگ میرے بھائی کی تعریفیں کر رہے تھے۔ اور اماں! تیسری بات یہ ہے کہ جب میں گئی تو میں بھائی کو ایک جگہ پر گود میں لے کر بیٹھ گئی، میری بکریاں خود بخود چرنے لگیں، انھوں نے جلدی جلدی گھاس چر لیا اور پھر جس جگہ میں بیٹھی تھی وہ ساری بکریاں وہیں آکر بیٹھ گئیں، اماں! میں بھی بھائی کا چہرہ دیکھتی رہی اور میری بکریاں بھی میرے بھائی کا چہرہ دیکھتی رہیں، اللہ اکبر کبیرا۔ اللہ رب العزت نے اپنے حبیب ﷺ کو کیا حسن و جمال عطا فرمایا تھا!

وَأَحْسَنُ مِنْکَ لَمْ تَرَقَطُّ عَيْنِیْ　　وَأَجْمَلُ مِنْکَ لَمْ تَلِدِالنِّسَاءُ

خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِنْ کُلِّ عَيْبٍ　　کَأَنَّکَ قَدْخُلِقْتَ کَمَاتَشَاءُ

حضور ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ کی وفات

ایک دن ایسا ہوا کہ فرشتے آئے اور انھوں نے نبی ﷺ کا سینۂ انور کھولا اور اس کو دھویا، اس واقعہ سے بی بی سعدیہ ذرا گھبرا گئیں کہ اس بچے کے ساتھ کچھ ہو نہ جائے، بہتر ہے کہ میں اس کو اس کی ماں کے پاس پہنچا آؤں، چنانچہ چار سال کی عمر میں حلیمہ سعدیہ نے نبی ﷺ کو ان کی والدہ کے پاس واپس پہنچا دیا، بی بی آمنہ نے ان کو دو سال مکہ مکرمہ میں رکھا، جب ۶ سال کی عمر ہوگئی تو اس وقت بی بی آمنہ نے ارادہ کیا کہ میں اپنے میکے سے ملنے کے لئے مدینہ طیبہ جاتی ہوں، چنانچہ نبی ﷺ کو لے کر وہ اپنے میکے ملنے کے لئے آئیں اور

ایک باندی بھی ساتھ تھی جو خدمت کرتی تھی، اب اللہ کی شان دیکھئے کہ جب وہ مدینہ طیبہ پہنچیں تو ان کے دل میں خیال آیا کہ میں اپنے خاوند کی قبر پر جاؤں، کچھ پڑھ کے بخش دوں گی، چنانچہ وہ اپنے خاوند حضرت عبداللہ کی قبر پر پہنچیں، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں ٦ سال کی عمر کا تھا، چھوٹا تھا، جب میں وہاں گیا تو میری والدہ کے ہونٹ ہل رہے تھے، شاید وہ کچھ باتیں کر رہی تھیں، میری والدہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور والدہ کو روتا دیکھ کر میں بھی رونے لگ گیا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا گفتگو تھی وہ تو یاد نہیں، یقیناً یہی گفتگو ہو گی کہ عبداللہ! آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ میں لوٹ کر آؤں گا، میں تو آپ کا انتظار کرتی رہی، آپ مکہ مکرمہ بھی نہ آئے اور آپ نے دنیا سے آنکھیں ہی بند کر لیں، عبداللہ! تم ایک نشانی مجھے دے کر گئے تھے، میں آج اپنے اس بیٹے کو لے کر آئی ہوں، کاش! آپ زندہ ہوتے، اس بچے کے چہرہ کو دیکھتے، یہ کتنا خوبصورت ہے، آپ کا بھی دل خوش ہوتا، بی بی آمنہ ایسے ہی خیالات میں مگن ہوں گی، مگر خاوند کا خیال آ کر آنکھوں میں آنسو آ گئے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اپنی والدہ کو روتا دیکھ کر میری آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔ پھر بی بی آمنہ نے واپسی کا سفر کیا، اب ذرا اللہ کی شان دیکھئے کہ جب واپسی کا سفر کرنا تھا تو ابواء کے مقام پر پہنچیں تو وہاں بی بی آمنہ کی بھی وفات ہو گئی، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حالت اور کیفیت دیکھئے کہ والد پہلے وفات پا چکے تھے، ٦ سال کی عمر ہے اور اب والدہ بھی وفات پا چکیں، وہ جو ساتھ میں باندی تھی، اس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لیا اور لے کر مکہ مکرمہ آئی، ادھر عبدالمطلب کا یہ حال تھا کہ وہ اپنے پوتے کی جدائی سے بہت زیادہ اداس تھے، روزانہ مکہ مکرمہ سے باہر راستے پر نکل کر گھنٹوں انتظار کرتے تھے کہ میری بہو کب آئے گی اور میرے پوتے کو کب لے کر آئے گی، مگر آمنہ تو آتی ہی نہیں تھی، ایک دن ایسا لگا کہ کوئی آ رہی ہے اور آنے والی دیکھی بھالی لگ رہی تھی، اندازہ لگایا تو وہ اس کی باندی تھی تو عبدالمطلب حیران ہوئے، عبدالمطلب نے باندی سے پوچھا کہ آمنہ کہاں ہے؟ اس وقت باندی نے کہا کہ یہ وہ بچہ ہے کہ اس کے والد کا سایہ

پہلے ہی سر سے اٹھ گیا، اب راستے میں اس کی والدہ بھی فوت ہوگئی، میں اس اکیلے بچے کو لے کر آپ کے پاس آئی ہوں۔ چنانچہ نبی ﷺ اپنے دادا کی کفالت میں رہنے لگ گئے، ایک وقت آیا کہ اللہ رب العزت نے دادا کو بھی بلا لیا، پھر آپ اپنے چچا کے پاس آگئے۔

حضور ﷺ کو ہر ظاہری سہارے سے محروم کرنے کا مقصد

یہ اصل میں سہارے تھے، لوگوں کا سہارا باپ ہوتا ہے، ماں ہوتی ہے، دادا ہوتا ہے، چچا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کی مبارک زندگی میں یہ سارے سہارے توڑنے شروع کر دئے، بتانا یہ مقصود تھا کہ جس کو دنیا کے اندر وحدانیت کا پیغام دینا ہے، دنیا کہے گی خود تو سہاروں سے پرورش پاتے رہے اور دنیا کے اندر نفع اٹھاتے رہے، اب ہمیں غیر کا سہارا لینے سے منع کرتے ہیں، اللہ نے فرمایا کہ دیکھو میرے محبوب کو کوئی دھبا نہ لگا سکے، میں ایک ایک کر کے سب سہاروں کو توڑ دیتا ہوں اور پھر بتا دیتا ہوں کہ لوگو! تمہاری نظر میں یہ جو یتیم تھا، اللہ نے اس کی پرورش کی اور اللہ نے اس کو درِ یتیم بنا کر دکھا دیا۔

رضاعی بہن کے ساتھ حضور ﷺ کا سلوک

پھر نبی ﷺ کو اللہ رب العزت نے دنیا میں یہ شان عطا فرمائی کہ ایک وقت آیا آپ کو اللہ نے وحی کی سعادت سے سرفراز فرمایا، آپ نے پھر کلمہ کی تعلیم دینی شروع کی، وہ مکہ والے جو بہت محبت کرنے والے سمجھے جاتے تھے وہی مخالف بن گئے، پھر ایک وقت آیا کہ نبی ﷺ نے ہجرت فرمالی، پھر ایک وقت آیا کہ نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے مکہ کا فاتح بنا کر واپس بھیج دیا، پھر حنین کا میدان آیا، وہاں پر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو بہت زیادہ مال غنیمت عطا کیا، چالیس ہزار بکریاں تھیں، ۶ ہزار قیدی تھے، اللہ کی شان دیکھئے! ان قیدیوں میں نبی ﷺ کی بہن شیمہ بھی آئی، چنانچہ نبی ﷺ تشریف فرما ہیں، ایک صحابی رضی اللہ عنہ آ کر کہتے ہیں کہ اے اللہ کے حبیب ﷺ! ایک عورت ہے وہ کہتی ہے کہ میں

آپ کے نبی کی بہن ہوں، ان سے ملنا چاہتی ہوں، نبی ﷺ سن کر حیران ہوئے کہ میں تو عبداللہ کا اکیلا بیٹا ہوں، میری بہن تو کوئی نہیں، کون ہے جو کہتی ہے کہ میں بہن ہوں، پھر آپ نے فرمایا: اچھا اسے آنے دو، شیمہ اس وقت بہت عمر رسیدہ ہو چکی تھیں، وہ آئیں اور کہنے لگیں کہ میں آپ کی دودھ شریک بہن ہوں، آپ کی پرورش حلیمہ سعدیہ نے کی اور میں آپ کو گود میں لے کے اس وقت لوری دیا کرتی تھی: ''رَبَّنَا أَبْقِ لَنَا مُحَمَّداً'' اللہ! ہمارے محمد کو سلامت رکھنا، میں آپ کی عزتوں کی دعائیں مانگتی تھی، مجھے نہیں پتہ تھا کہ ایک وقت آئے گا کہ اللہ آپ کو اتنی عزتیں دیں گے کہ میں بھی قیدی بن کر آپ کے ہاتھوں میں یہاں پہنچ جاؤں گی۔ پھر حلیمہ نے دکھایا کہ دیکھئے! فلاں جگہ پر جب آپ کے نئے نئے دانت آئے تھے، آپ نے کاٹا بھی تھا اور مجھ کو نشان پڑ گیا تھا، نبی ﷺ کو یاد آ گیا، آپ نے فرمایا: ہاں تم میری بہن ہو، واقعی بچپن میں ایسا ہوا تھا، پھر نبی ﷺ نے چادر بچھا کر اس کو اوپر بیٹھایا، پوچھا: میرے پاس رہنا چاہتی ہو تو آپ کی کفالت میں کروں گا، جانا چاہتی ہو تو نان نفقہ دے کر بھیج دوں گا، پھر نبی ﷺ نے اسے بہت سارا نان نفقہ بھی دیا، وہ کہنے لگی کہ میرے قبیلہ کے لوگ کہیں گے کہ خود آزاد ہو کے آ گئی، باقیوں کا خیال نہ رکھا، نبی ﷺ نے قبیلے کے باقی لوگوں کو بھی آزاد فرما دیا اور دنیا کو بتا دیا کہ دیکھو بہن کو اس طرح عزتوں سے روانہ کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ کو یتیموں سے بہت زیادہ محبت تھی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ'' اے میرے حبیب ﷺ! کیا ہم نے آپ کو یتیم نہیں پایا اور ہم نے آپ کو ٹھکانا نہیں دیا؟ تو اللہ تعالیٰ نے واقعی آپ کو یتیم پایا، اور در یتیم بنا دیا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو کائنات کا سردار بنا دیا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ شان عطا فرمائی کہ خدا اپنی خدائی میں اگر یکتا ہے تو آپ کے پیارے حبیب حضرت محمد ﷺ اپنی مصطفائی میں یکتا ہیں، کوئی اور رحمۃ للعالمین نہیں ہو سکتا تھا، اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو یہ شان عطا فرمائی۔

یتیم کے ساتھ نبی ﷺ کے برتاؤ کا ایک نمونہ

نبی ﷺ کو یتیموں سے کتنی محبت تھی، ایک مرتبہ عید کا دن تھا، نبی ﷺ اپنے مبارک گھر سے عیدگاہ کی طرف تشریف لے جا رہے تھے، مکہ مکرمہ کی گلی کے اندر کچھ بچے کھیل رہے تھے، نہائے دھوئے ہوئے تھے، اچھے کپڑے پہنے ہوئے تھے اور آپ ﷺ جب قریب سے گذرے تو سب نے سلام کیا، جب آپ ﷺ آگے گئے تو ایک بچے کو دیکھا کہ کپڑے بھی میلے ہیں، چہرے پہ بھی اداسی ہے، خاموش بیٹھا ہوا ہے، نبی ﷺ کے بڑھتے قدم رک گئے، آقا ﷺ نے پوچھا: اے بچے تو کون ہے؟ اس نے کہا: میں یتیم مدینہ ہوں، میرے والد فوت ہو گئے، اپنے والد کو یاد کر رہا ہوں کہ وہ زندہ ہوتے تو مجھے نئے کپڑے لا کے دیتے، میں بھی اچھے کپڑے پہن کے ان بچوں کے ساتھ کھیلتا، میں اپنے والد کو یاد کر رہا ہوں، نبی ﷺ نے فرمایا: اچھا تم میرے ساتھ آؤ، چنانچہ آپ ﷺ نے اس یتیم بچے کو اپنے ساتھ لیا، آگے جانے کے بجائے واپس اپنے گھر تشریف لائے، سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: حمیراء! اس چھوٹے بچے کو نہلاؤ، ام المومنینؓ نے اس چھوٹے بچے کو نہلا دیا، اتنے میں نبی ﷺ نے سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو پیغام بھیج دیا کہ حسن کے ہم عمر بچہ ہے، حسن کا کوئی لباس دھلا ہو تو بھیج دو، ادھر سے دھلا ہوا لباس آ گیا، بچے کو نیا لباس پہنا دیا گیا، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسکے تیل لگایا، کنگھی کی، خوشبو لگائی، آنکھوں میں سرمہ ڈال کر تیار کر دیا، اب وہ بچہ نبی ﷺ کے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو گیا، اللہ کے حبیب ﷺ اس سے سوال کرتے ہیں تو اپنے والد کے ساتھ عید کی نماز پڑھنے جاتا تھا؟ اس نے کہا: جی میں جاتا تھا، پوچھا: وہ کیسے لے کے جاتے تھے؟ بتایا کہ میں اپنے والد کے کندھوں پہ سوار ہو کے جاتا تھا، نبی ﷺ نیچے بیٹھ جاتے ہیں، بچے کو کہا کہ آؤ تم میرے کندھوں کے اوپر بیٹھ جاؤ، وہ بچہ نبی ﷺ کے مبارک کندھوں پر بیٹھ جاتا ہے، اللہ کے حبیب ﷺ اس یتیم بچے کو کندھوں پر بیٹھا کر باہر تشریف لاتے ہیں، وہ جو بچے باہر کھیل رہے تھے وہ بڑے حیران

ہوئے کہ بچہ اکیلا رو رہا تھا، کوئی پوچھتا نہیں تھا، اب نبی ﷺ اسے لے کر گئے اور اب نہایا نظر آ رہا ہے، اچھے کپڑے ہیں، سرمہ لگا ہوا ہے، خوشبو لگی ہوئی ہے، اب نبی ﷺ کے کندھوں پر بیٹھا ہوا ہے، تو لڑکوں نے آنکھوں آنکھوں میں اشارے سے پوچھا کیا معاملہ ہے؟ اس یتیم بچے نے دور سے کہا کہ اللہ کے حبیب ﷺ نے مجھے اپنا بیٹا بنا لیا، جب اس نے یہ کہا تو جو بچے تھے ان میں سے ایک بچے نے ٹھنڈی سانس لی اور کہنے لگا: کاش! میں بھی یتیم ہوتا اور اللہ کے حبیب ﷺ مجھے بھی اپنا بیٹا بنا لیتے۔

آپ ﷺ اس یتیم بچے کو لے کر عیدگاہ آتے ہیں، آپ ﷺ منبر کے اوپر بیٹھے، کتابوں میں لکھا ہے کہ وہ بچہ نیچے زمین پر بیٹھنے لگا، اللہ کے حبیب ﷺ نے فرمایا: نہیں، آج تو نیچے زمین پہ نہیں بیٹھے گا، منبر کے اوپر جہاں میں بیٹھا ہوں میرے ساتھ بیٹھے گا، اس بچے کو آپ ﷺ نے اپنے قریب بیٹھا کر خطبہ دیا، فرمایا: لوگو! اگر کوئی یتیم کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھتا ہے تو سر کے نیچے جتنے بال ہوتے ہیں اللہ اتنے بالوں کے برابر نیکیاں اس بندے کے نامۂ اعمال میں لکھ دیتے ہیں۔ آقا ﷺ نے اس یتیم بچے کے سر پر اپنا ہاتھ رکھ کر یہ بات سنائی، میرے آقا ﷺ نے انسانیت کو سبق دے دیا کہ لوگو! اکثر لوگ تو یتیموں کے مال ہڑپ کر جاتے ہیں، یتیموں کے لئے وہ ظالم بن جاتے ہیں، لیکن دیکھو میں دنیا میں ہر ایک کے لئے شفقت اور رحمت بن کر آیا ہوں، آقا ﷺ کو یتیموں سے اتنی محبت تھی، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی غریبوں، مسکینوں اور یتیموں کے ساتھ سچی محبت عطا فرمائے اور دنیا میں نبی ﷺ کے خُلق کا نمونہ بن کر رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

میرے آقا ﷺ دنیا میں آئے تو دنیا کے اندر دعائیں پوری ہوگئیں کسی نے کہا:

خلیل اللہ نے جس کے لئے حق سے دعائیں کیں
ذبیح اللہ نے وقتِ ذبح جس کی التجائیں کیں

جو بن کر روشنی پھر دیدۂ یعقوب میں آیا
جسے یوسف نے اپنے حسن کے نیرنگ میں پایا

کلیم اللہ کا دل روشن ہوا جس ضوفشانی سے
وہ جس کی آرزو بھڑکی جوابِ لن ترانی سے

وہ جس کے نام پہ داؤد نے نغمہ سرائی کی
وہ جس کی یاد میں شاہِ سلیماں نے گدائی کی

دلِ یحییٰ میں ارماں رہ گئے جس کی زیارت کے
لبِ عیسیٰ پہ آئے وعظ جس کی شانِ رحمت کے

وہ دن آیا کہ پورے ہو گئے تورات کے وعدے
خدا نے آج پورے کر دئے ہر بات کے وعدے

مبارک ہو کہ ختم المرسلیں تشریف لے آئے
جنابِ رحمۃ للعالمیں تشریف لے آئے

اللہ نے آپ کو ہر صفت عطا فرمائی، جو صفت کسی بھی انسان کے لئے ممکن ہو سکتی تھی، اللہ نے ہر صفت اپنے حبیب ﷺ کو عطا فرمائی، بلکہ عربی زبان کے اندر جتنے حروف ہیں، ان حروف سے جتنے صفاتی الفاظ بنتے ہیں اللہ نے وہ تمام صفات اپنے حبیب ﷺ کو عطا فرمائی۔ چنانچہ نبی ﷺ تشریف لائے تو "الف" بولی: لوگو! دیکھو دنیا میں احمد آگئے، اُمّی آگئے، اَولیٰ آگئے۔ "ب" کہنے لگی: دنیا کے اندر بشیر آگئے، "ت" نے کہا: دنیا کے اندر تنویر آگئے، "ث" نے کہا: دنیا کے اندر ثاقب آگئے، "ج" نے کہا: دنیا میں جواد آگئے، جمیل آگئے، "ح" نے کہا: دنیا میں حامد آگئے، حبیب آگئے، حافظ آگئے، حکیم آگئے، حجازی آگئے۔ "خ" نے کہا: دنیا میں خاشع آگئے، ختم المرسلین آگئے۔ "د" نے کہا: دنیا کے اندر داعی آگئے "دَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا" "ذ" نے کہا: دنیا کے اندر ذکی آگئے۔ "ر" بولی: دنیا کے اندر رسول آگئے، رحمۃ

للعالمین آگئے، رشید آگئے، رفیق آگئے۔ ''ز'' نے کہا: دنیا کے اندر زائرِ بیت اللہ آگئے۔ ''س'' نے کہا: دنیا میں سعید آگئے، سید آگئے، سراج آگئے۔ ''ش'' نے کہا: دنیا کے اندر شافع آگئے، شکور آگئے، شہید آگئے۔ ''ص'' نے کہا: صفی اللہ آگئے۔ ''ض'' نے کہا: دنیا کے ضامن آگئے۔ ''ط'' نے کہا: طیب آگئے، طاہر آگئے، طٰہٰ آگئے۔ ''ظ'' نے کہا: دنیا میں ظاہر آگئے۔ ''ع'' بولی: دنیا میں عبد اللہ آگئے، عزیز آگئے، عادل آگئے۔ ''غ'' نے کہا: دنیا کے اندر غیور آگئے۔ ''ف'' بولی: دنیا میں فاتح آگئے۔ ''ق'' نے کہا: دنیا میں قاسم آگئے، قاری آگئے، قوی آگئے۔ ''ک'' بولی: دنیا میں کامل آگئے، کفیل آگئے، کوثر والے آگئے۔ ''ل'' نے کہا: دنیا کے اندر لئیق آگئے۔ ''م'' بولی: دنیا کے اندر محمد آگئے، محمود آگئے، مدثر آگئے، مزمل آگئے، مصطفی آگئے، منصور آگئے۔ ''ن'' نے کہا: دنیا کے اندر نذیر آگئے، ناشر آگئے، ناصر آگئے۔ ''و'' بولی: دنیا کے اندر وکیل آگئے، ولی آگئے۔ ''ہ'' کہنے لگی: دنیا کے اندر ھادی آگئے، ھاشمی آگئے۔ ''ء'' نے کہا: دنیا کے اندر اوّل آگئے، آخر آگئے، امین آگئے۔ ''ی'' باقی رہ گئی تھی، کہنے لگی سنو لوگو! دنیا کے اندر یٰسین آگئے، دنیا کے اندر یتیم آگئے، جس کے بارے میں اللہ فرماتے ہیں: ''اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى'' اے میرے حبیب ہم نے آپ کو یتیم پایا، ہم نے آپ کو ٹھکانا دیا، دیکھئے جتنے حروف ہیں ان حروف سے جتنی خصوصیتیں بنتی ہیں، جتنے صفاتی نام بنتے ہیں، اللہ نے سب صفات اپنے حبیب ﷺ کو عطا فرمادیں، میں سلام کرتا ہوں اس ہستی کی عظمت کو جس کو ہم نے دنیا کے اندر قائد مانا ہے، وہ احمد مجتبیٰ محمد مصطفی ﷺ جنھوں نے انسانیت کو تکریمِ انسانیت کا درس دیا، جو رحمت بن کر دنیا میں تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے ظاہر کو ان کی سنتوں سے سجانے کی توفیق عطا فرمائے اور ان کی تعلیمات کے مطابق پوری زندگی گذارنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا أنِ الحمدللہِ ربِّ العالمین

۞۞۞

اگلے صفحہ پر آپ جو خطاب ملاحظہ فرمائیں گے، وہ حیدرآباد کے "خواجہ فنکشن ہال" میں ہوا تھا۔ تاریخ: ۱۷/۱ اپریل ۲۰۱۱ء بروز اتوار، وقت: ساڑھے گیارہ بجے دِن یہ پروگرام خصوصی طور پر صرف کالج کے طلبہ اور پروفیشنل حضرات کے لئے رکھا گیا تھا، مگر مجمع کے شوق نے کسی بھی طرح کا فرق باقی نہ رہنے دیا، اور بلا تفریق کے فرزندانِ توحید کی کثیر تعداد حاضر تھی۔

مثبت اور منفی طرز فکر کے نتائج

الحمدللہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ

سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون و سلام علی المرسلین و الحمدللہ رب العالمین

اللھم صل علی سیدنا محمد و علی آل سیدنا محمد و بارک و سلم

اللھم صل علی سیدنا محمد و علی آل سیدنا محمد و بارک و سلم

اللھم صل علی سیدنا محمد و علی آل سیدنا محمد و بارک و سلم

انسان کے جسم میں دو عظیم نعمتیں: دل اور دماغ

انسان کو اللہ رب العزت نے دو نعمتوں سے نوازا ہے، ایک دھڑکتا ہوا دل اور دوسرا پھڑکتا ہوا دماغ، یہ دھڑکتا ہوا دل انسان کے Emotions (جذبات) کا مقام رکھتا ہے اور یہ پھڑکتا ہوا دماغ انسان کے خیالات کا مقام رکھتا ہے، جو خیال انسان کے ذہن میں Process (عمل میں آنا) ہوتا ہے یہ اس کی عقل کا کام ہے، جس طرح کمپیوٹر کے اندر Micro processor ہوتا ہے کہ اگر کوئی مسئلہ ہو تو مائکرو پروسیسر اس کو حل یعنی Solve کر کے واپس بھیج دیتا ہے، اسی طرح انسان کی Body ((جسم) میں یہ

Thought processor (خیالات کی مشین) ہے جو اللہ نے بنایا ہے، آپ دماغ کو کوئی خیال دے دیجئے، یہ اس پر تانا بانا بننا شروع کردے گا، اور ایک بات کی پوری کہانی نکال دے گا۔

عقل کی کرشمہ سازیاں

چنانچہ اس عقل کی وجہ سے انسان اچھے اور برے کے درمیان Differentiate (فرق، امتیاز) کرسکتا ہے، دوست اور دشمن کی تمیز کرسکتا ہے، جائز اور ناجائز کا پتہ لگا سکتا ہے، اور بال کی کھال نکال سکتا ہے، یہ تمام عقل کے کرشمے ہیں کہ جن کی وجہ سے انسان دنیا میں کامیاب زندگی گذارنے کے لئے کوششیں کرتا ہے۔ آپ ذرا شیر کی زندگی کو دیکھیں کہ وہ جنگل کا بادشاہ کہلاتا ہے، مگر ساری زندگی کچا گوشت کھاتا ہے۔ انسان کو دیکھیں کہ گوشت کو کس طرح Process (مختلف ترکیبیں) کرکے کھانے بنا کے یہ استعمال میں لا رہا ہوتا ہے، کہیں پر اسٹیم روسٹ، فرائی چکن، چکن نگٹس، چکن جل فریزی، فرنچ فرائی، ڈرم اسٹک، چوپس، چلی کباب، باربیکیو، اگر سوپ دیکھیں تو چائینیز، کارن سوپ، پھر قیمہ مٹن، قیمہ کریلا، مرغ پلاؤ، مندی، بریانی۔ ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں جو صرف Vegetables (ترکاریوں) کی ایک سو سے زیادہ ڈشز بنالیتے ہیں، تو یہ عقل کے کرشمے، ہیں اس سے انسان کے اندر Invention (ایجاد کی صلاحیت) آتی ہے کہ وہ ایک چیز سے دوسری چیز تیسری چیز کو کرتا چلا جاتا ہے۔ عقل کی وجہ سے انسان جانوروں کو بھی سدھا لیتا ہے، اگر ہم اپنے Past (ماضی) میں دیکھیں تو پرانے وقتوں میں طوطا اور مینا کو بولنا سکھایا جاتا تھا اور یہ بڑی بات سمجھی جاتی تھی، کبوتر کو پیغام پہونچانے کا Job (کام) دیا جاتا تھا، گھوڑے کو ناچ سکھادیتے تھے۔ تو اس طرح کے چند کام پچھلے زمانے میں لوگوں کی Interest (دلچسپی) کا باعث بنے ہوئے تھے، آج کے Most modern scientific (جدید ترین سائنسی ترقی یافتہ) دور میں انسان نے جانوروں کی نفسیات کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے، چنانچہ اس نے

جانوروں کوایسی ایسی چیزیں سکھائیں کہ جن کو دیکھ کرانسان حیران ہوتا ہے۔

ہم نے سویڈن میں ایک مرتبہ Life stock (جانورگھر) دیکھا، دودھ کا وقت تھا، گائے کی تین قطاریں لگی ہوئی تھیں، اوروہ تین قطاروں میں خود بخود آتی تھیں اور ایک عورت Milking machine (دودھ دوہنے کی مشین) Attach (لگادینا) کر دیتی تھی اور جب Milk (دودھ) ختم ہو جاتا تھا تو گائے خود بخود اس دوہنے کی مشین کو Detach (نکالنا) کر کے وہاں سے چلی جاتی تھی، پھر اگلی گائے خود آ کر کھڑی ہو جاتی تھی، اتنا Discipline (نظم، ضبط) تھا اِن جانوروں میں کہ انسان حیران رہ جاتا ہے کہ ان کو انسانوں نے کس طرح سدھالیا ہے۔

ایک مرتبہ ہم اپنے بچوں کے ساتھ Visit (سفر) پر تھے، تو ہمارے گاڑی چلانے والے دوست نے کہا حضرت! ایک Zoo (عجائب گھر) ہے یہاں، اور بند ہوتے ہوتے وہ یہاں ایک Show (کھیل) پیش کرتے ہیں جو جانوروں سے متعلق ہوتا ہے، تو اگر آپ اجازت دیں تو گاڑی روک لی جائے، تو اِس عاجز نے کہا، کیا ضرورت ہے؟ چلو! چھوٹے بچے ساتھ تھے؛ انہوں نے پھر Insist (اصرار) کرنا شروع کر دیا: ابو جی! جانوروں ہی کا تو Show ہے، تو میں نے انہیں کہا ٹھیک ہے۔ اور واقعی ہم اُس وقت اس Zoo کے دروازے کے پاس ہی تھے، Within three minutes (تین منٹ کے اندر) ہم اُس کے اندر تھے، ہم نے ایک عجیب منظر دیکھا، ایک ہاتھی کھڑا ہے، اور اس کو انہوں نے ایک بہت موٹا رسہ باندھا ہوا ہے، وہ رسہ کئی سَو میٹر لمبا تھا، Item (کرتب) یہ تھا کہ جتنے لوگ شام کے وقت Zoo سے واپس جانے لگتے تھے، وہ اُن لوگوں کا ہاتھی کے ساتھ رسہ کشی کا مقابلہ کرواتے تھے، ہم تو گاڑی ہی میں بیٹھے رہے، مگر دیکھا کہ رسہ کے ایک سرے سے تو ہاتھی بندھا تھا، اور دوسرے کنارے کی طرف لوگ تھے، مرد، عورتیں، چھوٹے، بڑے سب تھے، جہاں تک ہماری نگاہ گئی لوگ ہی لوگ، شاید ہزاروں میں تھے۔ ادھر ہاتھی اکیلا، اب

جب آپس میں Competition (مقابلہ) کا وقت ہوا، تو ایک بندے نے اعلان کیا کہ اب ہم رسہ کشی کروانے والے ہیں، آپ کو ہمت کر کے اس ہاتھی کو ۱۳ قدم پیچھے کھینچنا ہے، اگر آپ اسکو ۱۳ قدم پیچھے کھینچنے میں کامیاب ہو گئے تو آپ کی جیت ہو جائے گی، اسکے بعد اُس نے آواز دی اور مقابلہ شروع ہو گیا، سب لوگ خوب زور لگا رہے تھے، ہاتھی ایک قدم پیچھے ہٹا، زور لگاؤ اور زور لگاؤ کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں، ہاتھی دوسرا قدم پھر تیسرا قدم پیچھے ہٹا، لوگوں نے اور زور لگایا حتیٰ کہ دس قدم، پھر گیارہ اور جب بارہواں قدم بھی ہاتھی پیچھے ہٹ گیا، تو انہوں نے دوبارہ اعلان کہ History (تاریخ) میں آج تک کوئی مجمع یہاں پر ہاتھی سے جیت نہیں سکا لیکن آپ لوگوں نے ۱۲ قدم پیچھے ہٹا لیا ہے، اب صرف ایک قدم بچا ہے، ہمت کر لیجئے، Make a history today (آج تاریخ رقم کر دیں)، اِس پر تو لوگوں نے زور لگانے کی انتہا کر دی، پوری طاقت جھونک دی، اُس وقت ہاتھی نے واپس قدم اُٹھانا شروع کر دیئے اور اُن سب کو گھسیٹتا ہوا لیکر چلدیا، لگتا یہ تھا کہ انہوں نے ہاتھی کو Train (سدھانا) ایسا کیا ہوا تھا کہ ۱۲ قدم پیچھے ہٹ کر اِن لوگوں کو Encourage (ہمت افزائی کرنا) کر دینا، جب یہ خوب زور لگائیں تو واپس چلنا شروع کر دینا، ان لوگوں کو ہاتھی ایسے گھسیٹ کر لے جا رہا تھا کہ جیسے تنکے کے ساتھ چونٹیاں لگی ہوئی ہوں اور وہ تنکہ کو لیکر جا رہا ہو، اس دِن پتہ چلا یا اللہ! اِس ہاتھی کے اندر آپ نے اتنی طاقت رکھی ہے۔

ہم نے ایک جگہ پر ہاتھی کا فٹ بال میچ دیکھا، فٹ بال بھی شاید بڑے سائز کا تھا، مگر وہ سب کے سب اپنی Trunk (سونڈ) کے ساتھ اس کو Hit (مارنا) کر رہے تھے اور باقاعدہ دونوں طرف گول بنے ہوئے تھے، اور گول کے اندر بھی ایک ہاتھی کھڑا ہوا تھا کہ کوئی گول نہ کر سکے، حیرت کی بات کہ ہاتھی کا فٹ بال میچ!

اور ایک جگہ پر ہم نے اس سے بھی زیادہ عجیب چیز دیکھی کہ ایک ہاتھی کو انھوں نے پینٹنگ سکھائی ہوئی تھی، جب اس ہاتھی کا نگراں اس کو برش پینٹ کے اندر ڈال کے سونڈ میں

پکڑا دیتا تھا اور Trunk (سونڈ) میں پکڑ کے وہ ہاتھی اتنے خوبصورت طریقے سے اس کو Shade (نقش نگاری) کرتا تھا کہ At the end of the time (آخر میں) وہ اتنی خوبصورت پینٹنگ بنتی تھی کہ سَو ڈالر کی ایک پینٹنگ موقع پر بک رہی تھی۔ اب بتلایئے کہ ہاتھی اور پینٹنگ اور اس میں Shade کا پتہ چلانا کتنا مشکل ہے، لیکن سکھانے والوں نے سکھالیا۔ تو انسان عقل کی وجہ سے جانوروں کو سدھا بھی لیتا ہے، اور جانوروں سے بہتر کام بھی کر لیتا ہے۔

آپ اگر دیکھیں تو جانوروں نے اپنے لئے موسمی بچاؤ کے لئے گھونسلے بنائے ہوتے ہیں، انسان اپنے لئے آج بلڈنگ بناتا ہے، سردی گرمی ہر موسم کے بارے میں اس کے اندر Comfort (سہولت) موجود ہوتی ہے، اگر Eagle (چیل) تیز پرواز کرتا ہے تو انسان نے اس کے مقابلے میں Plane (جہاز) بنالیئے، جو کئی کئی سو سواریوں کو لے کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا رہے ہوتے ہیں، اور آواز کی رفتار سے بھی زیادہ تیز طیارے بنالئے؛ چیتے کی تیزی مشہور تھی، انسان نے اس کے مقابلے میں Speed race (رفتار کا مقابلہ) میں جانے والی گاڑی بنائی۔ ایک مرتبہ ہماری قسمت یا بدقسمتی سمجھیں کہ ہم پھنس گئے، ایک جگہ پروگرام ہوا، تو دوست کہنے لگے کہ یہ ڈاکٹر صاحب آپ کو گھر لیکر جائیں گے، ہم ڈاکٹر صاحب کی گاڑی میں بیٹھے، حیرانی تو بڑی ہوئی کہ یہ گاڑی بہت نیچی تھی، ہمیں کیا سمجھ اِن باتوں کی! جب اندر بیٹھ گئے اور انہوں نے چلانا شروع کیا تو میٹر پر نظر پڑی تو 200km، میں نے حیرانی سے کہا ڈاکٹر صاحب! کہنے لگے حضرت! یہ رفتار والی گاڑی ہے، ایک منٹ میں یہ رفتار پکڑ لیتی ہے، ہم نے کہا ڈاکٹر صاحب اسے نیچے لیکر آئیں، پھر انکو رفتار کم کرنے کو کہا، اور 120km کی رفتار سے آگے اجازت نہیں دی، لیکن یا اللہ! اتنی رفتار والی گاڑی!

پہلے جانور سامان اٹھایا کرتے تھے، آج کے دور میں انسان نے بڑے ٹرک بنوالئے، ٹریلر بنوالئے، ٹنوں کے حساب سے Weight (وزن) کو ایک جگہ سے دوسری جگہ

Move (منتقل) کرنا انسان کے لئے آسان ہو گیا، عقل کی وجہ سے انسان جانوروں کو سدھا بھی لیتا ہے، جانوروں سے بہتر کام بھی کر لیتا ہے اور جانوروں کو اپنے قابو میں بھی کر لیتا ہے۔ توBrain (عقل) کے Power (طاقت،صلاحیت) کو اگر Use (استعمال) کریں تو دوسرے لوگ اس پر حیران ہو جاتے ہیں۔

عقل کی کرشمہ سازیوں کی ایک اور مثال دے کے یہ عاجز اپنے اصل Topic (موضوع) کی طرف آگے بڑھے گا، پھلوں کے موسم میں باغات میں ایک بہت چھوٹی سی Fly (مکھی) ہوتی ہے جسکو Fruit fly (پھل کو خراب کرنے والا کیڑہ یا مکھی) کہتے ہیں، مثلاً امرود کا باغ ہے اور وہ آتی ہے اور اسکے اندر اپنا ایسا مادہ ڈال جاتی ہے کہ پھل اوپر سے ٹھیک ہوتے ہیں، اندر سے بالکل گلا ہوا ہوتا ہے، تو سارے باغ کے پھل کو خراب کر دیتی ہے، اب یہ لاکھوں کی تعداد میں کیسے کنٹرول کیا جائے؟ بہت کوشش ہوئیں مگر ناکام، لوگ بڑے پریشان کہ اس مصیبت سے کیسے چھٹکارا حاصل ہو؟ اب سائنس دانوں نے اس پر سوچنا شروع کیا، یہ ترکیب سمجھ میں آئی کہ یہ مکھی مادہ (مؤنث) ہوتی ہے اور اسکے اندر جو چیز ڈالتی ہے وہ اس وقت ڈالتی ہے جب نر (مذکر) مکھی اس سے ملتی ہے۔ تو بھئی نر کو ملنے ہی نہ دیا جائے، سوال ہوا، کیسے؟ انہوں نے اسکا حل نکالا کہ جب نر مادہ کی طرف کشش محسوس کرتا ہے، تو مادہ مکھی کے اندر سے ایک خاص قسم کی Scent (خوشبو) محسوس ہوتی ہے، اس سے نر کو اشارہ مل جاتا ہے کہ اس مادہ کو نر کی ضرورت ہے، تو انہوں نے اسی خوشبو سے ملتی ہوئی ایک مصنوعی خوشبو بنالی، اور بنانے کے بعد اس میں Poison (زہر) ملا کر ایک جگہ کے اوپر لٹکا دیا اب جتنی نر مکھیاں تھیں سب نے اُدھر کا رُخ کر لیا، وہاں خوشبو تو وہی تھی، مگر زہر آلود تھا اسلئے مر گئیں، انہوں نے تمام نر کو مار دیا اب جو لاکھوں مکھیاں تھیں وہ اب پھلوں کو خراب نہیں کر سکتی تھیں۔ یہ سب انسان کے عقل کا کمال ہے، انسان نے عقل کو اتنا استعمال کیا کہ دنیا میں حیران کُن چیزیں بنا دیں۔

سوچ کے دو انداز: مثبت اور منفی

تاہم سوچ کے ہمیشہ دو انداز ہوتے ہیں ایک انداز کو کہتے ہیں مثبت انداز، اور دوسرے کو کہتے ہیں منفی انداز، ایک ہوتی ہے Positive thinking (مثبت سوچ) اور ایک ہوتی ہے Negative thinking (منفی سوچ)، مثال کے طور پر میرے سامنے ایک گلاس پڑا ہے اور وہ آدھا پانی سے بھرا ہوا ہے، اب سوچنے کے دو انداز ہیں، کسی نے دیکھ کر کہا گلاس آدھا خالی ہے، اس نے ٹھیک کہا، But (مگر) یہ Negative thinking کہلائے گی، اور دوسرے نے دیکھا تو خوش ہو کر کہا گلاس آدھا بھرا ہوا ہے، اس نے بھی ٹھیک کہا، مگر اس نے مثبت طریقے سے سوچا، جس نے منہ بنا کے کہا آدھا خالی ہے اس نے بھی ٹھیک کہا مگر اس نے منفی طریقے سے سوچا۔

پھول کھلا ہوا تھا، ایک بندہ جو بڑا ہی خوش تھا اس کی نظر پھول پر پڑی تو وہ کہنے لگا کہ آج میں ہی خوش نہیں، ان کلیوں کو دیکھیں انھوں نے بھی آج اپنی پتیوں کو کھولا ہوا ہے، خوشی کا اظہار کر رہی ہیں، ایک صاحب گھر سے نکلے ذرا Depressed condition (افسردہ حالت) میں تھے ان کی نظر اسی پھول پر پڑی تو انھوں نے شعر بنایا ؎

آملے ہیں سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاک

کہ میں بھی سینہ چاک تھا اور پھول کو دیکھو اس کا بھی سینہ چاک ہے، پتیاں کھلی ہوئی ہیں۔ پھول ایک ہی ہے، ایک کی Positive thinking (مثبت سوچ) تھی، ایک کی Negative thinking (منفی سوچ) تھی۔

چنانچہ ایک ٹہنی تھی، اسکے اوپر Roses (گلاب) بھی تھے اور کانٹے بھی تھے، اس کو دیکھ کر ایک بندے نے Comment (تاثر) پیش کیا یار! کیا بات ہے جہاں گلاب ہوتے ہیں وہیں کانٹے ہوتے ہیں، اب اس کو Frustration (الجھن) ہو رہی تھی کہ جہاں Roses ہوتے ہیں وہیں کانٹے کیوں ہوتے ہیں، تو دوسرے نے اس کو کہا کہ یہ

سوچو کہ دنیا میں اگر کانٹے ہوتے ہیں تو ان کے ساتھ پھول بھی تو ہوتے ہیں۔اب بات تو دونوں کی ایک ہی ہے،ایک کو کہیں گے Positive thinking اور دوسرے کو کہیں گے Negative thinking۔

دو آدمی قیدی تھے،ان کو تھوڑی دیر کے لئے Release (آزاد) کیا گیا کہ ذرا باہر Fresh air (تازہ ہوا) لے لیں وہ چند منٹ باہر رہے،دوبارہ کمرے میں آئے اور ایک دوسرے سے بات کرنے لگے ،ایک نے کہا یار! لگتا ہے باہر بارش ہوئی ہے، دوسرے نے پوچھا کیسے؟اس نے کہا یار! درخت پر میری نظر پڑی،پتے دھلے ہوئے تھے، پھول بہت خوبصورت چمک رہے تھے،اس نے دوسرے سے پوچھا کہ تم نے کیا نتیجہ نکالا؟ اس نے کہا میں نے دیکھا کہ زمین پر کیچڑ بنا ہوا تھا،بہت Mud (کیچڑ) بنی ہوئی تھی۔اب دیکھئے بات دونوں نے ٹھیک کی ہے مگر ایک کی نظر پھل اور پھول پر پڑی،اور دوسرے کی نظر کیچڑ اور Mud پر پڑی۔ہمیشہ آپ دیکھیں گے کہ انسانوں کی سوچ اسی طرح ادلتی بدلتی ہے، بات ایک ہی ہوتی ہے ایک بندہ ایک Angle (زاویہ) سے دیکھ رہا ہوتا ہے،اور دوسرا بندہ دوسرے Angle سے دیکھ رہا ہوتا ہے،خوش ہوتا ہے تو Positive thinking اور ناراض ہوتا ہے Negative thinking۔

ایک شخص کی بیوی بہت خوش ہورہی تھی ،خاوند کا ذرا موڈ خراب تھا،اس نے پوچھا کہ اتنا خوش کیوں ہورہی ہو؟ کہنے لگی: ذرا میری آنکھیں دیکھو،یہ تو Actress (اداکارہ) فردوس سے ملتی ہیں،اس نے کہا یہ تو آپس میں ملتی نہیں،فردوس سے کیا ملیں گی؟ اب یہ انسان کی بات ہے کہ جو چاہے آگے سے جواب دے دے۔

ایک صاحب دیہات میں .B.A (عصری تعلیم کی ایک ڈگری) پاس تھے ،اور بڑے خوش تھے کہ میں پورے گاؤں میں گریجویٹ ہوں،ایک دن بیوی خفا ہوگئی ،تو کسی عورت نے پوچھ لیا تیرا خاوند لکھا پڑھا ہے؟ کہنے لگی ہاں دو لفظ پڑھے ہیں وہ بھی اُلٹے۔یعنی B.A پڑھا ہوا ہے۔یعنی انگریزی میں حروف کی ترتیب اس طرح ہے A.B۔تو میرے

خاوند نے دو لفظ پڑھے وہ بھی اُلٹے پڑھے۔ بات کرنے کا انداز ہوتا ہے اور انسان جو کرتا ہے ویسی اس کی Thinking (سوچ) ہوتی ہے، مگر یہ جو مختلف موڈ اور Thinking ہوتے ہیں یہ انسان کے لئے فائدہ مند بھی ہیں۔

چنانچہ ایک آدمی نے Water melon (تربوز) کی کاشت کی، اللہ کی شان کہ وہ اتنے Sweet (میٹھے) نہیں تھے، وہ لے کر شہر آیا، اور اس نے اتوار کے بازار میں تربوز کی دوکان لگائی، لیکن جو بندہ آتا، دیکھتا چکھتا، وہ دیکھتا کہ پھیکے ہیں تو چلا جاتا، وہ بڑا پریشان بیٹھا ہوا تھا کہ وقت ختم ہو رہا ہے، سبزیاں خرید خرید کر لوگ واپس جارہے ہیں، میرے تربوز بک ہی نہیں رہے ہیں، اس نے پریشان ہونے کے بجائے سوچا کہ میں کیا کر سکتا ہوں، اس کے ذہن میں ایک خیال آیا، چنانچہ وہ گیا اور پینٹر سے ایک بینر لکھوا کر لایا، اور اس نے دوکان کے اوپر ایک بینر لگا دیا اور بینر کے لگتے ہی لوگوں کا Rush (بھیڑ) بڑھ گیا، بینر پر لکھا ہوا تھا: ''شہر کی تاریخ میں پہلی بار Sugar free Water melon'' اب جس نے پڑھا اس نے کہا کہ میں ابو کے لئے لے جاتا ہوں، یا امی کے لئے لے کر جاتا ہوں، چنانچہ اس کے وہ Water melon دوگنی Price (قیمت) پر بک گئے۔

تو انسان کی سوچ کے مختلف Angle (انداز) ہوتے ہیں، یہ انسان کے اپنے اوپر منحصر ہے کہ وہ اس کو Positive (مثبت) طریقے سے استعمال کرے یا Negative (منفی) طریقے سے، اسی لئے بات کرنے کا بھی انداز ہوتا ہے، ایک ہی بات کو آپ ایسے کر سکتے ہیں کہ دوسرا خوش ہو جائے، اسی بات کو ایسے بھی کر سکتے ہیں کہ اگلے کو آگ لگ جائے۔

ایک بادشاہ صاحب کو خواب آیا کہ میرے سب دانت گر گئے، اس نے کہا کہ بھائی کسی تعبیر دینے والے کو بلاؤ، ایک تعبیر دینے والے صاحب آئے مگر کوئی اتنے تجربہ کار Sophisticated (سلیقہ والے) نہیں تھے، ان کو بات چیت کا اتنا اندازہ نہیں تھا، انھوں نے Simple (سیدھی) سی تعبیر دے دی کہ بادشاہ سلامت! آپ کے سب بچے

بیویاں آپ کی آنکھوں کے سامنے مریں گے، اس کی یہی تعبیر ہے، اس کو بڑا غصہ آیا، اس نے اس کو دو جوتے لگوائے، اور کہا کہ اس کو لے جاؤ، پھر بادشاہ پریشان کہ مجھے تعبیر تو پوچھنی ہے، اس نے کہا یار! کسی اچھے بندے کو جو سمجھدار ہو لے کر آؤ، اب سمجھدار صاحب آگئے، مگر تعبیر تو وہی تھی، مگر اس کو سمجھ تھی کہ مجھے بات کیسے کرنی ہے، بادشاہ نے خواب سنایا، اس نے بڑی خوشی کا اظہار کیا کہ بادشاہ سلامت! یہ تو بڑا ہی اچھا خواب ہے، اس نے پوچھا تعبیر کیا ہے؟ اس نے کہا کہ آپ کی عمر آپ کے تمام بچوں سے زیادہ لمبی ہوگی، بادشاہ نے انعام دے کر اس کو رخصت کر دیا۔ بات تو ایک ہی تھی، Way of presentation (پیش کرنے کا انداز) الگ تھا، اگر پیش کرنے کا انداز Positive attitude (مثبت طریقے کا) ہو تو اچھا لگ جاتا ہے اور اگر Rough attitude (سخت) ہو تو دوسرے کو انسان الٹا دکھ پہنچا دیتا ہے۔

ایک بچہ تھا جس کو ماں باپ نے اچھی تربیت دی تھی، ایک مہمان اس بچے سے بہت متاثر ہوئے، وہ آتا اور ان کے لئے کھانا لگواتا، دسترخوان پر سے برتن اٹھا کے لے جاتا، اتنے سلیقے سے وہ کام کرتا کہ اس نے مہمان کا دل جیت لیا، مہمان جانتے تھے کہ وہ میزبان کا بچہ ہے، اس کی عمر کوئی آٹھ نو سال کی تھی۔ اس مہمان کا جی چاہا کہ میں اس سے کچھ دیر بات چیت کروں اور میں معلوم کروں کہ اس کے والد نے اس کی اتنی اچھی تربیت کیسے کی، چنانچہ ایک دن بچے نے کھانا لگایا اور جانے لگا تو مہمان نے جلدی سے اس سے بات چھیڑی، پوچھا بچے! ذرا بات سنو، تم سب سے بڑے ہو؟ تو جب اس نے کہا کہ ''بچے! تم سب سے بڑے ہو؟'' تو وہ چھوٹا سا بچہ شرما کے پیچھے ہٹا، کہنے لگا انکل! سچی بات تو یہ ہے کہ اللہ سب سے بڑے ہیں، ہاں بہن بھائیوں میں میری عمر زیادہ ہے۔ اب دیکھئے بات تو وہی تھی، لیکن Sophisticated (سلیقے کی بات) ہے کہ Way of presentation (انداز بیاں) اس کا کتنا خوبصورت تھا۔

چنانچہ انسان بات ایسے کرتا ہے کہ الٹی بات کو بھی سیدھا دکھا دیتا ہے، انگلش کا ایک فقرہ ہے، Who says i dont love my wife's famlily?

I love her mother-in-law more than any in the world

(کون کہتا ہے کہ میں اپنی Wife (بیوی) کی فیملی سے محبت نہیں کرتا، مجھے اس کی ساس دنیا کی تمام عورتوں سے زیادہ عزیز ہے۔) اب الفاظ ہیں لیکن اتنے خوبصورت الفاظ میں اس نے Message (پیغام) لپیٹ دیا کہ تعریف بھی کردی اور دوسرے کو پتہ بھی نہ چلا۔ یہ تو انسان کی عقل کا کمال ہے۔

انسان کی سوچ کا اثر اس کی ذات پر

اور اصول کی بات یہ ہے کہ انسان کی شخصیت پر اس کی سوچ کا اثر ہوتا ہے، اگر وہ Positive thinking رکھے تو اس کی Personality (شخصیت) میں اس حساب سے Develop (ترقی) ہوتی ہے اور اگر Negative thinking رکھے تو اس کی Personality (شخصیت) اس حساب سے Develop ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر آپ ذرا غور کیجئے، مکھیاں دو طرح کی ہوتی ہیں، ایک کہلاتی ہے شہد کی مکھی، اس کی سوچ Positive (مثبت) سوچ ہوتی ہے، لہذا اس کو معطر فضا کی تلاش ہوتی ہے، یہ آپ کو پھولوں کے پاس ملے گی، پھلوں کے باغ میں ملے گی، صاف ستھری جگہوں پر ملے گی، یہ وہاں سے Nectar (امرت) حاصل کرے گی اور پھر آ کر ایک ترتیب کے ساتھ کام کرے گی، اور پھر وہ چیز بنائے گی جس کو ہم Honey (شہد) کہتے ہیں، اور Honey اتنا Tasty ہوتا ہے کہ آج کل ایک دوسرے سے پیار کا اظہار کرنے کے لئے یورپ میں ایک دوسرے کو Honey کہتے ہیں، اتنا تو یہ پیارا اور Tasty ہوتا ہے کہ ایک Symbol (علامت) بن گیا۔ اور ایک مکھی گندی کہلاتی ہے جو عام پھر رہی ہوتی ہے، اس کی سوچ گندی، اس کو گندگی کی تلاش ہوتی ہے، وہ آپ کو باغوں میں نہیں ملے گی، گھروں میں بھی بیت الخلاء میں ملے گی، جہاں کوڑے کا ڈبہ ہوگا وہاں ملے گی، جہاں کوئی Rotten (گلی سڑی) چیز ہوگی وہاں ملے گی، اتنے خوبصورت جسم کو چھوڑ کر جہاں پھنسی اور پیپ ہوگی وہاں

ملے گی، سوچ گندی تو اس کو گندگی کی تلاش، وہ ہر وقت اس گندگی کی تلاش میں لگی ہوئی ہے، اب کہنے کو دونوں مکھیاں ہیں، مگر ایک شہد کی مکھی، اس کی سوچ کتنی اعلیٰ، پھر اس کا Product (پیداوار) کتنا اعلیٰ، اور گندی مکھی کی سوچ کتنی گندی اور اس کو تلاش گندگی کی۔

اسی طرح Positive thinking (مثبت سوچ) Exact (ٹھیک) رکھنے والے لوگ ہوتے ہیں، ان کی مثال Honey bee (شہد کی مکھی) کی مانند ہوتی ہے وہ اچھے لوگ ہوتے ہیں، وہ اچھی سوچ رکھتے ہیں، انسانوں سے ملتے جلتے رہتے ہیں، ان میں اچھائیاں ڈھونڈتے ہیں، ان کو ہر بندے میں اچھائیاں نظر آتی ہیں، ان کی نظر میں سب اچھے ہوتے ہیں، وہ سب سے پیار کرتے ہیں، سب سے محبت کرتے ہیں، وہ سب کے لئے خیر کا ذریعہ بن جاتے ہیں، اس لئے کہ سب سے حسنِ ظن رکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور جن کی سوچ گندی ہوتی ہے گندی مکھی کی طرح ان کو گندگی کی تلاش ہوتی ہے، کسی بندے کا نام لے لیں وہ اس میں دس عیب نکال دیں گے، نہ ان کو دین والے پسند، نہ ان کو دنیا والے پسند، ہر چیز پر Objection (اعتراض کرنا) ان کا محبوب مشغلہ ہوتا ہے، بلکہ ہر ایک سے بیزار، چھوٹوں سے بھی بڑوں سے بھی، بیوی سے بھی بچوں سے بھی، اور ہم نے کئی مرتبہ دیکھا کہ اپنے آپ سے بھی بیزار، اپنے آپ کو بھی بیٹھے ہوئے گالیاں دے رہے ہوتے ہیں، یہ اصل میں ان کی Thinking ہے، جس نے ان کی Personality کو Develop ہونے نہیں دیا، لہٰذا ان کو ہر چیز بری لگتی ہے۔

ہمیں ایک مرتبہ ایک مسئلہ Deal (سامنا کرنا) کرنے کا موقعہ آیا، ایک بڑی نیک خوبصورت دیندار بچی تھی، نیک گھرانے کی تھی، اور اس کی شادی بھی ایک نیک گھرانے میں ہوئی لیکن بچہ جو تھا وہ Negative thinking (منفی سوچ) والا تھا، اب کچھ عرصے کے بعد اس نے بیوی کو Tough time (زحمت) دینا شروع کیا، بات نہیں کرتا تھا، یہ نہیں کرتا تھا، ہمیں بڑی حیرت ہوئی کہ جب دونوں طرف دینداری ہے تو درمیان میں مسئلہ تو نہیں ہونا چاہئے، ہم نے اس بچے کو بلالیا اور بات پوچھی، بھائی! آخر وجہ کیا ہے کہ آپ کو یہ بیوی

اچھی نہیں لگتی ؟ کہنے لگا: ''کیا کروں بس جو کہتا ہوں وہی کرتی ہے''۔ سبحان اللہ! یعنی یہ بیوی کا بڑا عیب تھا کہ جو کہتا ہوں بس وہی کرتی ہے، اب دیکھیں یہ صفت کہ خاوند جو کہے بیوی وہی کرے، اس کی نظر میں یہ بھی عیب بن گیا، اگر Initiative (سرگرمی، پہل کرنا) لے کر اپنا کام کرے تو اسے یہ بھی اچھا نہیں لگتا اور اس نے خاوند کی طبیعت کو دیکھتے ہوئے یہ کہا کہ نہیں جو کہیں گے میں وہی کروں گی۔ اب اگر یہ بھی برا، تو بندہ جائے کہاں؟۔ تو انسان کی سوچ کا بالآخر اس کی Personality کے اوپر اثر ہوتا ہے۔

اچھی اور بری سوچ کا اثر دنیوی زندگی پر

اچھی سوچ والے بندے کو دنیا میں پریشانیاں آتی ہیں، مگر وہ ان کو آرام سے Solve (حل) کر لیتا ہے، درگذر سے کام لیتا ہے، کسی سے معافی مانگ لیتا ہے، کسی کو معاف کر دیتا ہے، زندگی کی گاڑی Smooth (سکون) سے چلتی رہتی ہے، اور جو منفی سوچ والا ہوتا ہے وہ تو ایسا بندہ ہوتا ہے کہ ہر بات کا بتنگڑ بنا دینا اس کا محبوب مشغلہ ہوتا ہے، اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ٹرین دو طرح کی ہوتی ہے، ایک ہوتی ہے ایکسپریس ٹرین، اکثر لوگ اس پر سوار ہونا پسند کرتے ہیں، وجہ کیا ہے؟ کہ وہ چلتی ہے تو تیز رفتار کے ساتھ، راستے میں چھوٹے چھوٹے اسٹیشن آتے رہتے ہیں وہ ہر اسٹیشن پر کھڑی نہیں رہتی، جب اسٹیشن آنے لگتا ہے تو وہ تھوڑا Slow (رفتار کم) کر لیتی ہوتی ہے اور اسٹیشن Cross (پار) کر کے پھر بھاگتی ہے، پھر اگلا اسٹیشن آ گیا، تھوڑا سا دھیرے ہوئی، اسٹیشن پار کر کے پھر بھاگی، تو وہ رکتی نہیں ہے، چند جگہوں پر رکتی ہے بس، اور اپنی منزلوں پر تیزی سے پہنچا دیتی ہے، اور لوگ Double price (دوگنا کرایہ) دے کر ٹکٹ لیتے ہیں اور تھوڑے وقت میں منزل پہ پہنچنے کی وجہ سے ایکسپریس ٹرین میں سفر کرنا پسند کرتے ہیں۔ ایک ہوتی ہے پسنجر ٹرین، کسی کاروباری بندے کو کہہ دیں کہ جناب! ذرا بیٹھیے بمبئی سے دہلی پسنجر ٹرین میں اور آپ تین دن میں پہنچ جائیں گے، آپ کو مفت ٹکٹ دیتے ہیں، کہے گا کہ اپنی ٹکٹ اپنے پاس رکھو، کون بندہ تین دن کا وقت

لگائے اور ہر ہر اسٹیشن پر کھڑا ہوتا ہوا جائے ،تو معلوم ہوا کہ پسینجر ٹرین پر وہی سفر کرتا ہے جس کو ایک اسٹیشن سے دوسرے اسٹیشن تک تھوڑا سفر کرنا ہوتا ہے،، لمبے سفر کرنے والے ان ٹرینوں پر سفر نہیں کرتے اور ان کے نزدیک وقت قیمتی ہوا کرتا ہے۔

انسان بھی دو طرح کے ہیں، کچھ لوگ ہوتے ہیں ایکسپریس ٹرین کی طرح زندگی گذارنے والے ان کا Objective (مقصد) Clear (طے) ہوتا ہے، ان کو پتہ ہوتا ہے کہ مجھے اپنی زندگی میں یہ Objective (مقصد) Achieve (حاصل) کرنا ہے مقصد حاصل کرنا ہے، چھوٹی موٹی کوئی Problem (پریشانی) ہوتی ہے تو اس کو Solve (حل) کر لیتے ہیں، جیسے اسٹیشن آگیا گاڑی تھوڑی سی دیر رکے کرکے پھر بھاگنا شروع کر دیتے ہیں پھر کوئی دوسرا Problem آجاتی ہے، پھر وہ اس کو Solve کرکے پھر بھاگتے ہیں تو وہ ایکسپریس ٹرین کی طرح مقصد کی طرف جارہے ہوتے ہیں۔

کچھ لوگ ہوتے ہیں وہ اپنی ازدواجی زندگی کو پسینجر ٹرین کی طرح گذارتے ہیں، میں نے دیکھا سالن میں نمک بھی ٹھیک نہیں، اب اس پر میاں بیوی میں کھاسُنی ہو رہی ہے، اب بتاؤ یہ کوئی بات ہے؟ بھائی! کم ہے تو زیادہ کرلے، زیادہ ہے تو کوئی دوسری چیز استعمال کرلے، یہ تو لڑنے والی بات تو نہیں ہے، ایک دفعہ آپ Indicate (نشاندہی) کردیں گے تو دوسری دفعہ اچھی چیز بن جائے گی، مگر نہیں، دیکھیں مجھے گرم روٹی نہیں ملی، آج میں تیار ہو گیا اور دیکھو میری بیوی نے تیار ہونے کے پانچ منٹ بعد کپڑے Iron (استری) کرکے مجھے دیا، کبھی انسان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہوتی، کبھی اس کا موڈ ٹھیک نہیں ہوتا، کبھی سستی بھی ہو جاتی ہے، یہ چھوٹی موٹی چیزیں ہیں، یہ انسان کے ساتھ لگی ہوئی چیزیں ہیں تو انسان کے اندر اتنی Tolerance (تحمل) ہو، صبر ہو، Patience (برداشت) ہو کہ چھوٹی موٹی چیزوں کو وہ آسانی کے ساتھ برداشت کرلے، تو اس کی زندگی اچھی گذرتی ہے، ورنہ تو ہر دوسرے چوتھے دن گھر میں میاں بیوی کے درمیان Clash (جھگڑا) بنتا چلا جاتا ہے۔

کامیابی اور ناکامی پر سوچ کا اثر

ہم نے دیکھا کہ جن لوگوں کی سوچ Positive (مثبت) ہوتی ہے دنیا میں وہی کامیاب انسان ہوتے ہیں، جتنے کامیاب انسان گذرے ہیں یہ سب کے سب وہی لوگ تھے جو Positive thinking رکھنے والے تھے، چاہے کافر تھے چاہے مسلمان تھے اس کا کوئی فرق نہیں، ان کی Personalities (شخصیات) کو دیکھیں Positive thinking رکھنے والے۔

نیوٹن کے بارے میں مشہور ہے کہ جب اس نے Laws of motion کو دریافت کرلیا تو بڑا خوش ہوا کہ میری اتنی محنت کام آگئی، پھر اسے Wash room (حمام) Use کرنے کی ضرورت تھی، چنانچہ وہ Wash room گیا، اس کے گھر میں ایک کتا تھا جو اس نے پالا ہوا تھا، وہ کتا کمرے میں گھس آیا، سارے کمرے میں کاغذ ہی کاغذ نظر آتے تھے، اب وہ کتا آیا تو ایک جگہ چراغ جل رہا تھا وہ جب ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے لگا تو چراغ گرا اور کمرے میں جتنے کاغذ تھے ان کاغذ کو آگ لگ گئی، اور نیوٹن کے واپس آنے پر سب کچھ جل کر راکھ بن چکا تھا، اب جو باہر نکلا، اگر عام آدمی ہوتو Shock (صدمہ) میں چلا جاتا کہ میری محنت ضائع ہوگئی، مگر وہ گھبرایا نہیں، اس نے اپنے کتے سے اتنا کہا کہ تم نے میرا کام بڑھادیا، اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا اور اس نے اپنے کمرے کی صفائی کی اور پھر نئے کاغذ منگوائے، جو اس کے Mind (دماغ) کے اندر Memories (یادشت) تھی اس نے ان کو Reproduce (دوبارہ لکھنا) کرنا شروع کردیا اور Within one year (اگلے ایک سال میں) اس نے Laws of motion (حرکت کے قوانین) کو دوبارہ تیار کیا۔ تو جن لوگوں کی سوچ مثبت ہوتی ہے وہ اتنے Crisis (پریشانی، مصائب) کے باوجود بھی اپنے کو سنبھال لیتے ہیں۔

کام کے مختلف Options کو دھیان میں رکھنا چاہیئے

اٹلی کا ایک سائنسداں تھا، وہ چاہتا تھا کہ کپڑے کو سینے کے لئے ہاتھ سے سوئی استعمال کی جاتی ہے، جب ہاتھ سے کپڑے سیئے جاتے تھے، تو سوئی کی پُشت پر سوراخ ہوتا تھا، اُس میں دھاگہ ڈالا جاتا تھا، اور عورتیں ہاتھ سے کپڑے سیتی تھیں، اُس نے سوچا کہ میں Automatic (خودکار) مشین بناؤں، لیکن مشین تو Automatic بن گئی Problem (مشکل) یہ آتی تھی کہ سوئی جب چلتی تھی تو ٹوٹ جاتی تھی، تھوڑی دیر بعد ہر سوئی ٹوٹ جاتی، بڑی محنت کی اُسنے مگر کوئی صورت نہیں بنتی تھی، وہ بندہ تھکا نہیں، اور اُسنے Give up (ہمت ہارنا) نہیں کیا، اس نے سوچا کہ میں ایک ہی لائن پر سوچ رہا ہوں، ذرا دوسری لائن بھی تو سوچوں، Options (طریقہ کار) تو کئی ہوتی ہیں، اب اُس نے جب سوچا تو کہا کہ یہ جو سوراخ پُشت پر بناتے ہیں، میں یہ سوراخ کو آگے کیوں نہ بناؤں، چنانچہ اس نے سوئی بنائی تو دھاگے کا جو سوراخ ہوتا ہے وہ آگے کی طرف بنایا، جیسے ہی اُس کو مشین میں استعمال کیا، وہ کامیابی کے ساتھ چلنا شروع ہوگئی، اور وہ بندہ ایک Automatic مشین ایجاد کرنے والا بن گیا۔

تنگ نظری شریعت کی نظر میں ایک ناپسندیدہ چیز

تو معلوم ہوا کہ ایک تو انسان کو Positive thinking (مثبت سوچ) رکھنا چاہیئے، اور اگر کام ایک طریقے سے نہیں ہو رہا تو اس کے Options (دیگر طریقہ کار) دیکھ لے کہ دوسرے Options کیا ہیں، اگر آپ نے ایک بات کی اور بیوی کی سمجھ میں نہیں آرہی تو وہ ہی لفظ Use (استعمال) کرتے رہنا کوئی ضروری تو نہیں ہے، آپ اس کو ذرا دوسرے لفظوں میں کہہ کر دیکھ لیں، ہوسکتا ہے کہ ان لفظوں میں آپ کہیں تو بیوی کو بات جلدی سمجھ میں آجائے۔ شریعت انسان کو کہتی ہے کہ تم ذرا کھلے دماغ والے بندے بنو، یہ جو ایک چیز پر جم جانا، Rough and tough (سخت مزاج) بن جانا، یہ شریعت پسند نہیں

کرتی، شریعت چاہتی ہے کہ تمہاری سوچ کے اندر دائرۂ شریعت میں رہتے ہوئے وسعت ہونی چاہئے، تم اپنے بھائی کو ایک طرح سے بات سمجھانے سے قاصر ہو تو بات دوسری طرح سے سمجھاؤ۔ چنانچہ اگر Teacher (استاذ) اگر بات سمجھاتا ہے، اور بچہ بات سمجھ نہیں پاتا تو معلوم ہے وہ کیا کرتا ہے؟ وہ جوتے اتارتا ہے کہ جوتے لگاؤں گا، تھپڑ لگاؤں گا۔ بھئی مار کے بجائے پیار سے بھی تو بچہ کو سمجھایا جا سکتا ہے، مگر چونکہ سمجھا نہیں سکتے تو پڑھانے والے کئی لوگ بچے پہ ہاتھ اُٹھا لیتے ہیں۔ آج کی دنیا میں یہ Crime (جرم) ہے، ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہیئے، مگر چونکہ استاذ خود اتنا Experienced (تجربہ کار) نہیں ہوتا، ایک بات ذہن میں رکھیں مارنے کے لئے استاذ اُس وقت ہاتھ اُٹھاتا ہے جب وہ شکست تسلیم کر لیتا ہے کہ میں بچے کو زبان سے سمجھانے میں ناکام ہو گیا، میرے اندر یہ Guts (ہمت، ہنر) نہیں ہے کہ بچہ کو زبان سے سمجھا سکوں، تو وہ ہاتھ اُٹھانا شروع کر دیتا ہے، ورنہ بچے کو پیار سے بات سمجھا دی جائے حکمت کے ساتھ تو سمجھ میں آجاتی ہے۔ مثال دیکر سمجھائیں، کوئی Experience (تجربہ) اسکو سنائیں، مگر ہم تو عادی بن گئے ایک بات کرنے کے، اگر وہ پوری نہیں ہوئی تو بس Instantaneously (فوری) غصہ آجاتا ہے، اور یہ غصہ انسان کے لئے بے حد نقصان دہ چیز ہوتی ہے، انسان کو اگر حیوان بنتے دیکھنا ہو تو اس کو غصے میں آتے ہوئے دیکھ لو، ایک آدمی خوش تھا، ہنس رہا تھا، قہقہہ لگا رہا تھا، مسکرا رہا تھا، چہرے پہ شگفتگی تھی، طمأنینت تھی، وہ ہی غصہ میں آگیا ایسے اُس کی آنکھیں، Expression (چہرے کا تأثرات) دیکھو لگتا ہی نہیں کہ یہ وہی انسان ہے۔ اگر ہم نے ایک بات کی اور دوسرا بندہ نہیں سمجھ پا رہا تو اس بات کو ہم کسی اور انداز سے کریں تو وہ سمجھ جائے گا یا اپنے آپ کو اسکی جگہ رکھ کر سوچنے کی کوشش کریں کہ میرا Message (پیغام) یہ قبول کیوں نہیں کر رہا؟ تو آپ کو سمجھ میں آجائے گا کہ Reason (وجہ) کیا ہے؟ ہو سکتا ہے آپ تصویر کا ایک رُخ دیکھ رہے ہوں اور وہ تصویر کا دوسرا رخ دیکھ رہا ہو،

بات کو سمجھنے سمجھانے کے الگ الگ رُخ ہوتے ہیں

چنانچہ ایک ہائی اسکول تھا، بچیاں بچہ ایک ساتھ پڑھتے تھے، پرنسپل صاحب نے فیصلہ کیا کہ میں اِنکے درمیان Dialogue (مکالمہ) کرواتا ہوں، لڑکوں اور لڑکیوں سے کہا تم Topic (موضوع) پہ تیاری کرو، Topic کیا؟

God created Adam before Eve,because......................

اللہ تعالیٰ نے اماں حوا سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا، کیونکہ۔۔۔۔۔۔

اب آگے دلائل دینے تھے، لڑکوں نے بڑی تیاری کی، خوب تیار ہو کے آئے، اور لڑکے کو پہلے موقع مِل گیا، اب اُس نے جوش کے ساتھ خوب تقریر کی، دلائل کی بھرمار کر ڈالی۔۔۔۔

"God created Adam before Eve, b'coz Adam was Superior,Adam was strong ,Adam was brave, Adam was this & Adam was this"...............

"اللہ نے آدم علیہ السلام کو اماں حوا سے پہلے پیدا فرمایا کیونکہ آدم افضل تھے، آدم مضبوط تھے، آدم بہادر تھے، اور آدم ایسے تھے اور آدم ویسے تھے" اُسنے تو ایسی ایسی باتیں کیں، کہ سُننے والے حیران ہو گئے کہ اب اسکے مقابلے میں تو کوئی بات کر ہی نہیں سکتا، اب باری آئی لڑکی کے بات کرنے کی، سب یہی سوچ رہے تھے کہ یہ اب کیا بات کرے گی، مگر اُس نے آ کر کہا:

"God created Adam before Eve, b'coz there is always a rough Sketch before the role model."

اور اُس نے مقابلہ جیت لیا، (بات صرف سمجھنے سمجھانے کی حد تک ہے اس سے زیادہ نہیں)

استاذ نے بورڈ پر ایک فقرہ لکھ دیا A woman without her man is nothing اس نے بچوں سے کہا تم لوگ اِس میں Punctuation (گرامر کرنا، کومہ وغیرہ لگانا) آ کر کومہ "،" لگاؤ، اب بچوں نے سوچنا شروع کر دیا، لڑکے نے آگے بڑھکر جلدی سے ایک کومہ لگا دیا وہ یہ A woman without her man, is nothing، ان کا مقصد پورا ہو گیا، بڑے خوش ہم نے تو بازی مار لی، اب اسکا مطلب جیسا ہم چاہتے ہیں ویسا ہو گیا، اب

لڑکی کی باری آئی، اُس نے دو کوے لگا دیئے A woman, without her, man is nothing یہ سوچ کے انداز ہیں، اِن مثالوں کو دینے کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ ہم جو تنگ نظری اور Narrow mind (تنگ ذہنیت) کی سوچ ہٹائیں، گھروں کے اندر چھوٹی چھوٹی باتوں پر آپس میں الجھنا شروع کر دینا، بھائی بھائی سے لڑ پڑتا ہے، بھائی بہن سے، پڑوسی پڑوسی سے لڑ پڑتا ہے، یہ کوئی اچھی عادتیں نہیں ہوتیں، ایسا انسان معاشرے اور سوسائٹی کا کوئی اچھا انسان نہیں کہلاتا، ہماری Development (نشونما) اگر ایسی ہو کہ ہم مثبت سوچ کے عادی ہوں تو پھر یقیناً اللہ کے بندوں کے لئے راحتِ جان بن جائیں گے۔

چنانچہ ایک انجینئر کی مثال بھی سن لیجئے، وہ اپنے گھر میں Drawing room (برآمدہ) میں کام کر رہے تھے، ان کی Wife (بیوی) کسی کام کے لئے گئی ہوئی تھیں، اور چھوٹا بچہ جو اکلوتا تھا وہ گھر میں تھا، اب وہ چار سال کا بچہ کبھی اِس چیز کو چھیڑتا کبھی اُس چیز کو چھیڑتا، ان کو بڑا Tough time (زحمت) دے رہا تھا، وہ Concentration (یکسوئی) سے کام نہیں کر پا رہے تھے، اب ان کو بیٹے سے پیار بھی تھا، وہ چاہتے تھے کہ بچے کو ڈانٹوں نہیں، بچے کو کہوں کچھ نہ، مگر یہ بھی چاہتے تھے کہ میرا کام بھی ہو جائے، وہ سوچ میں پڑے کہ میں کیا کروں؟ ان کے سامنے اخبار کا Page (صفحہ) پڑا ہوا تھا، اس کے اوپر دنیا کا نقشہ "World map" بنا ہوا تھا، انھوں نے ایک قینچی سے اس کے پندرہ بیس ٹکڑے کر دیئے، اور بچے کو بلایا اور کہا کہ بیٹا! یہ ٹیپ ہے اور یہ کاغذ کے ٹکڑے ہیں اگر تم اس World map کو ٹھیک ٹھیک جوڑ کے لاؤ تو میں تمہیں ونیلا آئس کریم لے کے کھلاؤں گا، اب بچے تو آئس کریم پر فریفتہ ہوتے ہیں، مگر شرط یہ ہے بیٹا کہ تم دوسرے کمرے میں جاؤ اور سکون کے ساتھ بیٹھ کر اپنا کام کرو، اس نے کہا ٹھیک ہے، بچے نے ٹیپ لی، کاغذ کے ٹکڑے لے کر وہ دوسرے کمرے میں چلا گیا، اور انجینئر صاحب مطمئن ہو کے کام کرنے لگے کہ اب یہ ایک گھنٹے سے پہلے واپس نہیں آتا، اور ابھی پانچ منٹ گذرے نہیں تھے کہ بچے نے دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا: ڈیڈی! میں نے کام کرلیا، کہا اچھا ذرا دکھاؤ! اب اس نے" World

map" سامنے رکھ دیا تو والد نے دیکھا تو Portions (اجزاء) بھی بالکل ٹھیک جڑے ہوئے ہیں، Mountian (پہاڑ) بھی ٹھیک ہیں، اور Countries (ممالک) کی جو Boundries (سرحدیں) ہیں وہ بھی بالکل ٹھیک ہیں، پورا World map تو بالکل Perfectly (صحیح) اس نے اپنی جگہ کے اوپر Fix (جوڑ دینا) کر دیا، باپ بڑا حیران ہوا کہ یہ تو ایک گھنٹے سے پہلے پورا نہیں ہوسکتا تھا، اس نے تین منٹ میں یہ کام کر دیا، تو اس نے بچے کی طرف حیران ہو کر دیکھا، کہتا ہے بیٹے! تم نے اتنی جلدی یہ سارے ٹکڑے کیسے جوڑ دیے؟ وہ بچہ مسکرایا اور اس نے اس Page (صفحہ) Flip (پلٹنا) کر دیا، اور الٹ رکھ دیا تو باپ نے دیکھا کہ پورے صفحے پر ایک لڑکی کی تصویر بنی ہوئی تھی، بچے نے اصل میں تصویر کو جوڑا تھا تو وہ World map خود بخود جڑ گیا تھا۔ تو ہوسکتا ہے کہ وہ بھی آپ کی نظر میں World map ہو اور آپ کے بھائی کی نظر میں خوبصورت تصویر کی طرح جوڑنا کوئی مسئلہ ہی نہ ہو، اور آپ میں اختلاف پیدا ہو رہا ہے، تو اس کو ذرا سمجھنے کی کوشش کریں اور ایک Cool (ٹھنڈے مزاج والا) انسان بن کر رہنے کی کوشش کریں، ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچیں، غصہ مسائل کا حل نہیں ہوتا، مسائل بڑھانے کا ذریعہ بن جاتا ہے، جو اہل ظرف ہوتے ہیں وہ تو بڑی Crisis کے (دشوار کن) حالات میں بھی غصے میں نہیں آیا کرتے Humbleness (تواضع) Patience (حلم) اور Coolness (ٹھنڈے مزاج) کے ذریعے اتنے اچھے فیصلے کرتے ہیں اور دوسرے بندوں کے دل جیت لیا کرتے ہیں، ایک اصول یاد رکھیں کہ مثبت انداز سے انسان کی پریشانیاں، پریشانیاں نظر نہیں آتیں۔

ایک صاحب تھے، ان کی بیوی بڑی زبان دراز تھی، بڑی جلی کٹی سناتی رہتی تھی، لوگ بھی حیران تھے، پتہ نہیں انھوں نے کیسے رکھا ہوا ہے؟ ایک صاحب نے پوچھ لیا، جناب! یہ ایسی زبان دراز عورت ہے، بدلحاظ عورت ہے، بولنے کا سلیقہ نہیں ہے، آپ اس کو فارغ کیوں نہیں کر دیتے؟ انھوں نے جواب دیا ہاں! سوچ تو میرے دل میں بھی کئی مرتبہ آئی ہے،

مگر میں سوچتا ہوں کہ اگر میں نے اس کو طلاق دے دی تو عمر تو چھوٹی ہے، یہ کسی دوسرے سے نکاح کرے گی اور اس اللہ کے بندے کے لئے مصیبت بنے گی، تو میں نے اپنے پاس رکھا ہوا ہے، مجھے برداشت کرنے کی عادت پڑ گئی، اب یہ کسی اور اللہ کے بندے کو پریشان نہ کر سکے۔ دیکھئے Positive thinking کیا نعمت ہے اللہ تعالی کی، حالانکہ ان کے لئے برداشت کرنا بھی مشکل تھا، مگر مثبت سوچ کی وجہ سے ان کے لئے اب غم سہنا بھی آسان ہو گیا۔

شریعت میں مثبت سوچ کی تعلیم

نبی ﷺ نے ہمیں مثبت سوچ کی تعلیم دی، چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: اگر تمہیں بیوی کی کوئی بات بری لگے تو تم غور کرو تو تمہیں اس میں بہت سی باتیں پسندیدہ بھی نظر آ جائیں گی، یہ حدیث مبارک ہمیں سبق دے رہی ہے کہ اگر ہمیں کسی بندے کی کوئی بات بری لگ رہی ہوتی ہے تو ایک بات بری لگنے سے پورا بندہ تو برا نہیں ہو جاتا، Hasty decision (جلدی میں فیصلہ) تو نہیں لینا چاہئے کہ ایک بات سے ہم بندہ ہی کو کہہ دیں کہ برا ہے، نہیں، نبی ﷺ نے فرمایا کہ اگر تمہیں اپنی بیوی میں کوئی بات بری نظر آتی ہے تو فرمایا غور کرو تمہیں اس میں کئی باتیں بہت اچھی بھی نظر آئیں گی، جنہیں تم پسند کرتے ہو، تو بھائی! اچھی باتوں کی وجہ سے تم اس کی اچھائیوں کو سامنے رکھو تو نبی ﷺ نے ہمیں مثبت سوچ اپنا کر زندگی گذارنے کی تعلیم دی۔

مثبت سوچ کے فائدے

مثبت سوچ کا ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کو ہمیشہ امید کی کرن نظر آتی ہے، اس کو کہتے ہیں Light at the end of the tunnel (امید کی کرن) بندہ Crisis (پریشانی) میں ہوتا ہے لیکن اچھی سوچ کی وجہ سے اس کو امید ہو جاتی ہے، نہیں ٹھیک ہو جائے گا، نہیں ٹھیک ہو جائے گا، اور پھر Give up (ہمت ہارنا) نہیں کرتا، وہ Depression (مایوسی) میں نہیں جاتا۔

منفی سوچ کے نقصانات

اور Negative thinking (منفی سوچ) کی مصیبت یہ ہے کہ یہ انسان کے اندر Depression اور Frustration (مایوسی) پیدا کردیتی ہے، اور اگر انسان کے اندر Frustration پیدا ہو جائے تو پھر وہ ایسے React (ردّعمل) کرتا ہے جیسے کوئی جانور ہوا کرتا ہے، غصے میں جو مرضی کہہ دے۔ ہم ایک مرتبہ ایک جگہ سفر کر رہے تھے، تو وہ انگریزوں کا علاقہ تھا، تو لگتا تھا کہ ایک خاوند اپنی بیوی سے بہت خفا تھا اس نے دروازے پر ایک Sign (علامتی تختہ) لگا رکھا تھا، لوگ لگاتے ہیں گھر پر اگر کتا رکھا ہوا ہو، تو لگا دیتے ہیں بھائی! گھر میں کتا ہے، محتاط رہیں، مگر اس نے Sign پر پتہ ہے کیا لکھا ہوا تھا؟ Sign پر لکھا ہوا تھا Never mind my dog, be aware of my wife (میرے کتے کی پرواہ نہ کیجئے، البتہ میری بیوی سے چوکنا رہیئے) تو انسان Frustration میں آکر وہ کچھ بھی کہہ دیتا ہے۔

تو شریعت نے کہا کہ اچھی زندگی گذارنے کے لئے مثبت انداز اپناؤ اور منفی انداز سے اپنے آپ کو بچاؤ، کیونکہ منفی انداز سے Depression اور Depression سے مایوسی پیدا ہو جاتی ہے اور شریعت نے کہا کہ مایوسی کفر کے مانند ہے، تو شریعت نے مایوسی کو کفر کہا ہے، اس لئے مومن دنیا میں مایوس نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ Negative thinking آہی نہیں سکتی، ہمیشہ اچھی سوچ رکھنے والے لوگ دنیا کے اندر کامیاب ہوتے ہیں، یہ اصول ہے، چنانچہ بائبل میں ایک واقعہ لکھا ہے اور قرآن مجید میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے، ایک پیغمبر علیہ السلام ذرا Aged (عمر رسیدہ) ہو گئے تھے، ان کا نام طالوت علیہ السلام، ان کے ساتھ ایک نوجوان تھے، وہ اٹھتی جوانی تھی، وہ تھے داؤد علیہ السلام، ان کا مقابلہ ہوا ایک بڑے جابر بادشاہ کے ساتھ، وہ بادشاہ بڑی Heavy body (بھاری جسم) کا تھا، بڑا Strong (مضبوط) تھا، اور لڑنے میں بڑا مشہور تھا تو کہتے ہیں کہ جب آمنے سامنے آئے تو یہ بائبل کے الفاظ ہیں

کہ طالوتؑ نے اسے دیکھا تو دیکھ کر کہنے لگے اوہ! It is very difficult to kill him because he is very big(اس کو مارنا بہت مشکل ہے، کیونکہ یہ بہت بڑا ہے)اور اتنے میں داؤدؑ آگئے، وہ جوان تھے، انھوں نے جب دیکھا تو دیکھ کر مسکرائے اور کہنے لگے اوہ! It is very easy to kill him,because he is very big, i will never miss him(اس کو مارنا تو بہت آسان ہے، کیونکہ یہ بہت بڑا ہے، لہٰذا میرا نشانہ نہیں چوک سکتا) یہ اتنا بڑا میراTarget(ہدف) ہے، میرا نشانہ خطا ہی نہیں کرسکتا اور وہی ہوا کہ داؤدؑ نے نشانہ لگایا جو جالوت کو لگا اور اللہ نے ان کو پھر کامیابی عطا فرمادی۔

انسان میں منفی سوچ کو مثبت بنانے کی صلاحیت

مثبت انداز سے سوچنا یہ انسان کے لئے کامیابی کا ذریعہ بنتا ہے، مگر ایک بڑی خوبصورت بات یہ ہے کہ اللہ نے انسان کو صلاحیت دی ہے کہ وہ چاہے تو اپنی منفی سوچ کو اپنی مثبت بنا سکتا ہے اس اللہ نے یہ Capability(استعداد) دی ہے، اس کو اللہ نے یہ صفت دی ہے کہ وہ اپنی شکست کو اپنی فتح میں بدل سکتا ہے، اپنی برائی کو اپنی اچھائی میں تبدیل کرسکتا ہے، چنانچہ فرض کرو ایک بندہ گناہوں میں زندگی گذارتا رہا، لوگوں کے لئے دردسر بنا رہا، اگر یہ Comitment(عزم، ارادہ) کرلے کہ آج کے بعد مجھے مثبت سوچ کو اپنانا ہے، اپنے اندر اچھے اخلاق پیدا کرنے ہیں، مجھے اللہ کے بندوں کے لئے زحمت نہیں بننا، رحمت بننا ہے، تو یہ بندہ اپنے آپ کو Change(تبدیل) کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، یہ کتنی خوبصورت بات ہے، یہ نہیں ہے کہ Negative thinking(منفی سوچ) شروع سے تھی، اب ہم کچھ کرہی نہیں سکتے ،نہیں، اللہ نے ہر انسان کو یہ صفات دی ہیں کہ وہ اپنی Thinking (سوچ) کو تبدیل کرسکتا ہے، آج تک اگر ہم برے اخلاق اپنا کر زندگی گذارتے رہے تو آج کی اس محفل میں ہم یہ عہد کریں کہ ہم اپنی زندگی کو تبدیل کریں گے اور مثبت سوچ اپنا کر لوگوں کو اچھائی دیں گے، اللہ کے بندوں کے لئے باعث رحمت بن جائیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں مثبت سوچ کے نمونے

اس کائنات میں تاریخ انسانیت میں سب سے زیادہ مثبت سوچ اگر کسی میں تھی تو ہمارے آقا اور سردار حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تھی، دلیل: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طائف جاتے ہیں، ان کو دین کی دعوت دیتے ہیں، وہ دعوت قبول نہیں کرتے، الٹا بچوں کے ذمے لگا دیتے ہیں کہ اس بندے کو اس شہر سے نکال دو، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھکے ہوئے تھے، بھوک بھی تھی، پیاس بھی تھی، وہ تھوڑی دیر بیٹھنے بھی نہیں دینا چاہتے تھے، بچے پیچھے لگ گئے، پتھر بھی مارتے تھے، حتی کہ آپ کی نعلین مبارک لہو سے بھر گئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انھوں نے اتنا پریشان کیا، آج کے لفظوں میں ظاہراً Humiliate (ذلیل کرنا) کیا، اس بندے کی کیا Condition (حالت) ہوتی ہے جسے بیٹھنے بھی نہ دیا جائے، یعنی نکلو تم یہاں سے ہی چلے جاؤ، شہر ہی چھوڑ کر چلے جاؤ، دل میں کتنا غصہ آتا ہے؟ دل میں کیا کیفیت ہوتی ہے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہر سے نکل کر باہر آکر ایک جگہ بیٹھ گئے، بہت غمزدہ تھے، دعا مانگی: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَشْکُوْ اِلَیْکَ ضَعْفَ قُوَّتِیْ وَقِلَّةَ حِیْلَتِیْ وَھَوَانِیْ عَلَی النَّاسِ الخ، کیا خوبصورت دعا ہے مگر اس کے جواب میں اللہ رب العزت نے فرشتوں کو بھیجا، جبرئیلؑ فرشتوں کو لے کر آئے، اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ ہوا کا فرشتہ ہے، اگر آپ اجازت دیں تو ان لوگوں نے آپ کے ساتھ اتنی بدسلوکی کی، اتنا Misbehave (بدتمیزی کرنا) کیا ایک تیز آندھی چلے گی اور ان لوگوں کی لاشیں بیخ کر زمین پر پھینک دے گی جیسے قوم عاد کے ساتھ ہوا تھا، آپ اجازت دے دیجیے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں! جبرئیلؑ نے پھر عرض کیا: اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ پہاڑوں کا فرشتہ ہے، آپ اجازت دے دیجیے، یہ دو پہاڑوں کو اس طرح ٹکرائے گا کہ درمیان کی بستی کا نام ونشان ہی نہیں رہے گا، ان لوگوں نے آپ کے ساتھ اتنا برا سلوک کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں، کیوں؟ آپ ذرا دیکھیے کہ Positive (مثبت) سوچ کسے کہتے ہیں؟ عام بندہ ہوتا تو طبیعت میں غصہ ہوتا، انتقام لینے کا جذبہ ہوتا، جی چاہتا کہ یہ روئے زمین

سے زیر زمین چلے جائیں، میرے ساتھ انھوں نے یہ کیا، مگر اللہ کے حبیب ﷺ جبرئیلؑ سے فرماتے ہیں: جبرئیل! اگر چہ یہ لوگ مجھے نہیں پہچان سکے مگر میں امید کرتا ہوں کہ ان کی آنے والی اولادوں میں سے اللہ ایسے لوگوں کو پیدا کردیں گے جو میرے Message (پیغام) کو قبول کرنے والے بن جائیں گے، اس قدر مثبت سوچ، اللہ اکبر کبیرا۔ آنکھ کے اشارے پر وہ بستی تباہ ہوسکتی تھی، یوں سمجھئے ریموٹ کنٹرول آپ کے ہاتھ میں تھا، فرشتے پوچھنا چاہتے تھے، مگر اللہ کے حبیب ﷺ نے کتنی مثبت سوچ سوچی، فرمایا: اگر چہ یہ لوگ میرے پیغام کو نہیں سمجھ پائے، میں امید کرتا ہوں کہ اللہ ان کی اولادوں میں ایسے بندوں کو پیدا کردیں گے جو میرے اس پیغام کو قبول کریں گے، وہی طائف تھا کہ وہاں کے لوگ بالآخر آئے، اور مدینہ طیبہ میں آکر ایک وقت میں اسلام قبول کرلیا۔

مثبت سوچ والے کی عند اللہ و عند الناس محبوبیت

اب آخری بات یہ ہے کہ مثبت سوچ رکھنے والا بندہ اللہ کے یہاں بھی مقبول اور اللہ کے بندوں کے لئے بھی باعث رحمت ہوتا ہے، چنانچہ ایک واقعہ سن لیجئے کہ اللہ والے کیسی مثبت سوچ والے بندے ہوتے ہیں، ہمارے یہاں ایک بزرگ گذرے ہیں علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ، سلسلۂ عالیہ چشتیہ کے بہت کامل بزرگ تھے، حضرت خواجہ معین الدین اجمیری چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے جب بنگال کا سفر کیا تو اسی سفر میں لاہور سے ہوکر آئے، اور علی ہجویریؒ کی مزار پر انھوں نے مراقبہ کیا، اور وہاں سے انھیں بہت فیض ملا، اور انھوں نے یہ شعر کہا تھا ؎

گنج بخشِ فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا
ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را رہنما

یہ خواجہ معین الدین اجمیری چشتیؒ نے کہا تھا، ایسے بزرگ تھے۔ چنانچہ ان کے حالات زندگی میں لکھا ہوا ہے کہ وہ ایک مرتبہ دریا میں کشتی پر سفر کررہے تھے، اس میں بہت سارے مرد و عورت اور بچے بھی تھے اور حضرت بھی سفر کررہے تھے، دریا میں سفر کرتے ہوئے کئی مرتبہ ذرا

تیز ہوا چل رہی تھی، چنانچہ علی ہجویریؒ نے ٹوپی اتار لی کہ اڑ کر دریا میں نہ چلی جائے، اور جیب میں ڈال لی اور بیٹھ کر اپنا ذکر و مراقبہ کرنے لگے اب انھوں نے ایک دن پہلے اپنے سر کی Shave (بال منڈوانا) کراوائی تھی اور سر Shave کروائیں تو سر بڑا ملائم نظر آتا ہے، تو آپ بیٹھے ہوئے تھے، تو ایک بچہ قریب سے گذرا اور اس بچے نے سر پہ ہاتھ لگایا، اس کو بڑا نرم نرم نظر آیا، اس نے جا کر دوسرے کو بتایا، وہ دوسرا بچہ آگیا، آکر اس نے ہاتھ لگایا، تیسرا بچہ شرارتی تھا، چنانچہ وہ آیا اور اس نے ہاتھ لگانے کی بجائے دھپی لگادی، پھر اور ایک بچہ آیا اور اس نے دھپی لگادی، اب یہ اچھا تماشہ بن گیا، ساری کشتی کے مرد و عورتیں جب کوئی آکر ان کو دھپی مارتا کھلکھلا کر ہنستے اور یہ اللہ کے نیک بندے خاموش بیٹھے ہوئے ہیں، پوری کشتی کے اندر طوفان بدتمیزی بپا تھا، کوئی ماں باپ بچوں کو روک نہیں رہا تھا، وہ Enjoy (مزے) کر رہے تھے، فقیر سا بندہ ہے، اور بچے اس کے ساتھ شرارتیں کر رہے ہیں، سب ہنس رہے ہیں، جب انھوں نے طوفان بدتمیزی بپا کر دیا —— یاد رکھنا جب اللہ والوں کے ساتھ اس طرح Misbehave (بدتمیزی کرنا) کیا جاتا ہے پھر اللہ رب العزت اس بات پر Action (بدلہ) لیا کرتے ہیں، یہ لاوارث لوگ نہیں ہوا کرتے، ان کا وارث خدا ہوتا ہے —— چنانچہ اللہ رب العزت نے الہام فرمایا: میرے پیارے! تیرا اتنا صبر کہ تیرے ساتھ یہ بدتمیزی کر رہے ہیں اور آپ اتنے صبر کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں، کوئی React (ردعمل) بھی نہیں کر رہے، تو الہام ہوا کہ اے میرے پیارے اگر تو کہے تو میں اس کشتی کو اُلٹ دوں، اور جتنے لوگ کشتی میں سوار ہیں ان سب کو پانی میں غرق کر دوں تو جیسے ہی دل میں یہ الہام ہوا تو انھوں نے اسی وقت دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے: اللہ! اگر آپ کشتی کو الٹنا ہی چاہتے ہیں تو ان سب لوگوں کے دلوں کی کشتی کو الٹ کر ان کو نیک بنا دیجئے، دعا قبول ہوئی، کہتے ہیں کہ کشتی میں جتنے لوگ تھے ان کو موت سے پہلے اللہ نے اس دنیا میں ولایت کا مقام عطا فرمایا۔ ان کی کیا مثبت سوچ تھی، سبحان اللہ۔ اللہ! آپ کو کشتی الٹنی ہے تو پھر ان کے دل کی

کشتی الٹیں، ان کو نیک بنا دیجئے

نشہ پلا کے گرانا توسب کو آتا ہے
مزہ تو تب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی

آج تک ہم منفی سوچ کے ذریعہ اللہ کے بندوں کے لئے وبال جان بنے، آج ہم عہد کریں کہ آئندہ مثبت سوچ اپنائیں گے، بحث ومباحثہ سے، لڑائی جھگڑے سے اجتناب کر کے ایک پُرامن انسان اور ایک اچھے اخلاق والا انسان بن کر زندگی گذاریں گے، اللہ ہم کو کامیاب زندگی گذارنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العٰلمین

۞۞۞

اگلے صفحہ پر آپ جو خطاب ملاحظہ فرمائیں گے، وہ حیدرآباد کے چنچل گڈا، کے ایک کالج کے میدان میں ۱۷/اپریل ۲۰۱۱ء بروز اتوار، بعد نماز مغرب ہوا تھا، علماء و حفاظ کے اِس مخصوص پروگرام میں بھی جمِ غفیر امڈ کر آگیا تھا، محتاط تخمینہ کے مطابق حاضرین کی تعداد ۳۰ سے ۴۰ ہزار بتائی گئی ہے۔

دعا کی اہمیت

الحمدللہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم　بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِيْ أَسْتَجِبْ لَكُمْ ـ وقال اللہ تعالٰی فِی مقامٍ آخر: أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ ـ وَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: الدُّعاءُ مُخُّ الْعِبادَةِ ـ

سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون و سلام علی المرسلین و الحمدللہ رب العالمین

اللھم صل علی سیدنا محمد و علی اٰل سیدنا محمد و بارک و سلم

اللھم صل علی سیدنا محمد و علی اٰل سیدنا محمد و بارک و سلم

اللھم صل علی سیدنا محمد و علی اٰل سیدنا محمد و بارک و سلم

اللہ کے خزانوں سے فائدہ اٹھانے کا طریقہ

دنیا میں مختلف چیزوں سے نفع اٹھانے کے مختلف طریقے ہوتے ہیں، آگ سے نفع لینے کے طریقے اور ہیں، پانی سے نفع لینے کے طریقے اور ہیں، ہوا سے نفع لینے کے طریقے اور ہیں، ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ پروردگار عالم جو زمین و آسمان کے خزانوں کا مالک ہے، اس سے نفع لینے کے طریقے کیا ہیں؟ اس بات کو سمجھانے کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام دنیا میں تشریف لائے اور انھوں نے یہ بات سمجھائی کہ لوگو! اگر تم میرے نقش قدم پر چلو گے، میرے طریقۂ زندگی کو اپناؤ گے، تو اللہ رب العزت کے خزانوں سے سب سے زیادہ نفع پانے والے بندے بن جاؤ گے، اللہ رب العزت سے تمہارا ایسا تعلق جڑ جائے گا کہ تمہارے ہاتھ

اٹھیں گے اور پروردگار قبول فرمالیں گے۔ چنانچہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ'' دعا عبادت کا مغز ہے، کریم (Cream) ہے، نچوڑ ہے، جس بندے کو دعا مانگنی آگئی اس کو اللہ رب العزت سے لینے کا طریقہ آگیا۔

دل کی گہرائی سے مانگی ہوئی دعا رد نہیں کی جاتی

اللہ رب العزت علماء کرام کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انھوں نے دعا مانگنے کے آداب بڑی شرح وبسط کے ساتھ بیان فرمادئے، کس موقع کی دعائیں قبول ہوتی ہیں، کن جگہوں کی دعائیں قبول ہوتی ہیں، کن لوگوں کی دعائیں قبول ہوتی ہیں، یہ تمام باتیں انھوں نے تفصیل کے ساتھ بتادیں، مگر ان سب کے باوجود ایک چیز اپنی جگہ ہے جو مانگنے والے پہ منحصر ہوتا ہے کہ جس درد سے وہ مانگے، جس اضطراب سے وہ مانگے، جس لگن اور شوق سے وہ مانگے، یہ سب سے زیادہ اہم ہوتی ہے، رب کریم کا وعدہ ہے: ''اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ'' کہ مضطر جب دعا مانگتا ہے تو اس کی دعا کو قبول کرنے والا کون ہے؟ تو پروردگار دل سے مانگی ہوئی دعا کو قبول کرتے ہیں۔

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مَنْ فُتِحَتْ لَهٗ أَبْوَابُ الدُّعَاءِ فُتِحَتْ لَهٗ أَبْوَابُ الرَّحْمَةِ'' جس پر اللہ تعالیٰ دعا مانگنے کا راستہ کھول دے اس کے اوپر اللہ کی طرف سے رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ آپ دیکھیں کہ کچھ لوگ ہوتے ہیں ان کے لئے دعا مانگنا بہت آسان ہوتا ہے، ان کو دعا مانگنا اچھا لگتا ہے، وہ لمبی دعائیں مانگتے ہیں اور کچھ لوگ ہوتے ہیں کہ ان سے دعا مانگی نہیں جاتی، چنانچہ اگر آپ غور کریں تو اکثر دعائیں آدھا منٹ، ایک منٹ، دو منٹ ہاتھ اٹھاتے ہیں اور ایک دعا پڑھی اور منہ پہ ہاتھ پھیر لئے، اب یہ منٹوں کی دعا ایسی ہی تو نہیں اثر رکھے گی، اس لئے دعا مانگنے کا طریقہ ٹھیک ہونا چاہئے۔

گناہ رزق میں بے برکتی کا سبب

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لَا یَرُدُّ الْقَدَرَ اِلَّا

الدُّعاء "قضاء وقدر کو دعا کے سوا کوئی چیز بدل نہیں سکتی" وَلَا يَزِيْدُ فِي الْعُمرِ اِلَّا الْبِرّ "اور نیکی کے سوا عمر میں کوئی چیز اضافہ نہیں کر سکتی" وَاِنَّ الرَّجُلَ لَيُحْرَمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ يُصِيْبُهٗ" اور بندہ اپنے گناہوں کے سبب ملنے والے رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ تو رزق دینا چاہتے ہیں، ہم اس میں Stopper (روک) لگا دیتے ہیں، یہ ہمارے گناہ اس رزق کے راستے کی رکاوٹ بن جاتے ہیں، جتنا معصیت کے مرتکب ہوں گے اتنا رزق کی برکت اٹھالی جائے گی، سب کچھ ہونے کے باوجود بھی پریشان رہے گا، اس لئے تو فرمایا: "وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا" جو ہماری یاد سے آنکھ چرائے ہم اس کے رزق کو تنگ کر دیں گے۔ ہے کروڑوں پتی، کارخانہ بھی ہے، لیکن ایک کنٹینر اُدھر پھنس گیا، دوسرا کنٹینر اِدھر پھنس گیا، Payment (ادائیگی) دینے والے Payment نہیں دیتے، مانگنے والے تنگ کر رہے ہیں، اب آدمی پریشان ہے، سب کچھ ہے، لیکن ہاتھ میں کچھ نہیں ہے، تنگی ہوتی ہے، پریشانی ہوتی ہے، بچوں کی طرح روتے ہیں، یوں اللہ تعالیٰ بندے کے رزق کو تنگ کر دیتے ہیں۔

دعا مصیبتوں کو ٹالتی ہے

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتی ہیں: "اَلدُّعاءُ يَنْفَعُ مِمَّا نَزَلَ وَمِمَّا لَمْ يَنْزِلْ" کہ دعا نفع دیتی ہے اس مصیبت کے لئے جو ابھی نازل نہیں ہوئی اور اس مصیبت کے لئے بھی جو نازل ہو چکی ہے۔ انسان حیران ہوتا ہے کہ جو نازل نہیں ہوئی اس کو تو چلو روک لیا جاتا ہوگا، لیکن جو نازل ہو چکی اس میں کیسے دعا سے فائدہ ہوگا؟ تو وہ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وَاِنَّ الْبَلاءَ لَيَنْزِلُ فَيَلْقَاهُ الدُّعَاءُ فَيَعْتَرِضَانِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ" بلاء آسمان سے نازل ہوتی ہے، نیچے سے بندے کی دعا اوپر جاتی ہے، یہ دونوں ایک دوسرے کو ڈھکیلتی ہیں، Push,pull کرتی رہتی ہیں، بلاء اس کو ڈھکیلتی ہے، دعا اس کو ڈھکیلتی ہے، اس بلاء کو قیامت تک نیچے نہیں اترنے دیتی۔ تو جو بلاء نہیں اتری اس کے لئے بھی فائدہ مند اور جس کے اترنے کا فیصلہ ہو گیا اس کے لئے بھی فائدہ مند۔

دعا نہ کرنے کا نقصان

حدیث مبارک ہے: ''مَنْ لَمْ یَدْعُ اللّٰہَ یَغْضَبْ عَلَیْہِ'' جو شخص دعا نہیں مانگتا اللہ تعالیٰ اس بندے سے ناراض ہوتے ہیں۔ ایک حدیث مبارک میں ارشاد فرمایا: ''اِنَّ اَعْجَزَ النَّاسِ مَنْ عَجَزَ عَنِ الدُّعَاءِ'' طبرانی شریف کی روایت ہے کہ انسانوں میں سب سے زیادہ عاجز وہ انسان ہے جو دعا مانگنے سے عاجز ہو جائے۔

دعا کرنے کے فائدے

ایک حدیث مبارک میں نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اَلدُّعَاءُ سِلَاحُ الْمُؤْمِنِ'' دعا مومن کا اسلحہ ہے، جیسے انسان دشمنوں سے بچنے کے لئے اسلحہ کا استعمال کرتا ہے، بلاؤں سے، پریشانیوں سے، مصیبتوں سے اور غموں سے بچنے کے لئے یہ دعا اسلحہ کے مانند ہوتی ہے، لہٰذا جو بندہ دعا کرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ ان کو ہر یشانی سے بچا لیتے ہیں۔ نبی ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ اے چچا جان! ''أَكْثِرِ الدُّعَاءَ بِالعَافِيَةِ'' اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دعا مانگا کریں کہ اللہ تعالیٰ عافیت والا معاملہ فرمائے۔

دعا کی قبولیت کی تین صورتیں

حدیث مبارک میں ہے کہ بندہ جب بھی دعا مانگتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول کرتے ہیں، مگر اس کی تین مختلف شکلیں ہیں، پہلی شکل یہ کہ جیسے مانگا ویسے ہی قبول کر لی جائے، اور دوسری یہ کہ ویسے قبول کرنی اس کے لئے بہتر نہیں تھی تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے کوئی بلاء اور کوئی مصیبت اس سے دور کر دیتے ہیں، مثلاً ایکسیڈنٹ ہوتے ہوتے بچ گیا، وہ کوئی مانگی ہوئی دعا تھی، سخت اکسیڈنٹ ہوا، ساتھ والے مر گئے، یہ بچ گیا تو اس کی جو جان بچی یہ اس کی کوئی دعا تھی، یہ دعا کے اثرات ہوتے ہیں، چھوٹا بچہ بیماریوں سے بچا رہا، حالانکہ اور بچے وائرس کی وجہ سے بیمار ہو گئے، یہ دعا کا اثر تھا، تو کبھی دعا من و عن قبول کر لی جاتی ہے، کبھی اس کے بدلے مصیبت کو ٹال دیا جاتا ہے، اور اگر یہ بھی نہ ہو تو اس دعا کو بندے کے لئے

Reserve (محفوظ) رکھ لیا جاتا ہے، قیامت کے دن یہ بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوگا، اس وقت اس کو اس دعا کا اللہ اجر عطا فرمائیں گے، اور ہر دینے والا اپنی شان کے مطابق دیتا ہے، کہتے ہیں کہ حاتم طائی سے سائل نے پانچ دینار مانگے تھے، اس نے پانچ سو دینے کا حکم دیا، کسی نے کہا کہ مانگے تو پانچ ہیں؟ اس نے کہا کہ اس نے اپنی حیثیت سے مانگے تھے، مجھے اپنی حیثیت سے دینے ہیں، میں نے پانچ سو دینے کا حکم دیا، تو جب دنیا کا سخی پانچ مانگنے والے کو پانچ سو دیتا ہے تو اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اللہ رب العزت جب دینے والے ہوں گے جو زمین و آسمان کے خزانوں کے مالک ہیں تو وہ اپنی شان کے مطابق عطا فرمائیں گے۔ حدیث مبارک میں ہے کہ بندہ تمنا کرے گا کہ کاش دنیا میں میری کوئی دعا قبول نہ ہوتی اور میری ہر دعا کا بدلہ آج مجھے قیامت کے دن یہیں پر مل جاتا، تو مومن کے تو مزے ہیں، جیسے مانگا ویسے قبول تو بھی مزہ، اس کے بدلے بلاء و مصیبت ٹال دی گئی تو بھی مزہ، اور قیامت کے دن اگر اللہ عطا کریں گے تو اس سے بھی زیادہ مزہ، ہاں ایک صورت ہے جس صورت میں بندے کی دعا کو رد کر دیا جاتا ہے، پھٹے کپڑے کی طرح اس کے منہ پہ مار دی جاتی ہے، وہ یہ ہے کہ بندہ کہنا شروع کرتا ہے کہ اللہ ہماری تو سنتا نہیں، تو اس بات سے اللہ تعالیٰ کو بہت جلال آتا ہے۔ یاد رکھیں! ''اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَاء'' میرا پروردگار دعا کو سنتا ہے، مگر اللہ اللہ ہے، ایسا تو نہیں کہ ہم دعا مانگیں اور اسی وقت پوری ہو جائے، اس کی اپنی شان ہے، اپنی کی مرضی ہے، تو یہ الفاظ کبھی بھی زبان سے نہیں کہنے چاہئیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری تو سنتا نہیں۔ سنتا تو سب کی ہے، ہاں! اگر یہ امید رکھے کہ میں نے جو دعا مانگی ہے، مجھے تین میں سے کسی نہ کسی ایک صورت میں دعا کا بدلہ ملے گا تو اللہ رب العزت اس کی دعا کا بدلہ اس کو ضرور عطا فرماتے ہیں۔

قبولیتِ دعا میں دیر لگنے کی حکمت

بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ بندے کا مانگنا اللہ کو پسند آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس

کو مانگنے کا موقع دیتے ہیں، آپ نے نہیں دیکھا کہ کئی دفعہ بچہ روتا ہے تو باپ تھوڑا اس کو رونے دیتا ہے، اس کا رونا اس کو اچھا لگ رہا ہوتا ہے اور کئی باپ کو تو دیکھا کہ وہ بچے کو خود Tease (ستانا) کرتے ہیں کہ تھوڑا رونے والی شکل بنائے، اپنی اپنی طبیعتیں ہیں، بالکل اسی طرح حدیث مبارک میں فرمایا گیا، نبی ﷺ نے فرمایا کہ بندے کی دعا بسا اوقات اللہ رب العزت کے سامنے پیش ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اِنَّ الْعَبْدَ یَدْعُو اللّٰہَ سُبْحَانَہٗ وَھُوَ یُحِبُّہٗ فَیَقُوْل'' اللہ تعالیٰ بندے سے محبت کرتے ہیں، وہ بندہ اللہ سے محبت کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے جبرئیل! ''أَخِّرْ حَاجَةَ عَبْدِی'' میرے بندے کی حاجت کو ذرا مؤخر کر دو، Postponed (مؤخر) کر دو ''فَاِنِّیْ أُحِبُّ اَنْ أَسْمَعَ صَوْتَہٗ'' میں اس کی آواز کو سننا پسند کرتا ہوں۔ یحییٰ بن سعید القطان رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ گذرے ہیں، وہ فرماتے ہیں: ''اِنَّہٗ رَأَی الْحَقَّ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی فِی الْمَنَام'' ان کو خواب میں اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوا ''فَقَال'' انھوں نے عرض کیا ''اِلٰھِی! کَمْ أَدْعُوْکَ فَلَا تُجِیْبُنِیْ'' میں کب تک دعائیں مانگتا رہوں گا، آپ میری دعاؤں کو قبول نہیں فرماتے؟ ''فَقَال'' ارشاد فرمایا: ''یَا یَحْیٰی: لِاَنِّیْ أُحِبُّ أَنْ أَسْمَعَ صَوْتَکَ'' میں تیری آواز کو سننا پسند کرتا ہوں، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تو مجھ سے زیادہ سے زیادہ مانگتا رہے، تو کب دعا پوری ہوگی اس معاملہ کو اللہ پہ چھوڑ دیں، یہ کوئی معمولی بات ہے کہ توفیق مل گئی؟ کتنے لوگوں کو تو دعا کی توفیق ہی نہیں ہوتی۔

دعا و مناجات سے محرومی اللہ کے غصے کی نشانی

اس عاجز کے پاس ایک صاحب آئے، کہنے لگے: حضرت! پتہ نہیں کیا ہوا ہے کہ پچھلے آٹھ سالوں سے دعا مانگنے کا دل ہی نہیں کرتا، اب یہ کتنی بڑی محرومی ہے کہ دعا مانگنے کا دل ہی نہ کرے، یہ محرومی ہے کہ دعا میں انسان کو رونا ہی نہ آئے۔ کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے ایک عالم تھے وہ کہیں نفسانی تعلق میں پھنس گئے، علم تو تھا لیکن نفس غالب آگیا، وہ گناہ کے مرتکب بھی ہوتے اور ڈرتے بھی، کہ گناہ کی وجہ سے انسان محروم ہوتا ہے، کہیں میں کسی نعمت سے محروم نہ ہو جاؤں، کچھ عرصہ یہ سلسلہ چلتا رہا، کچھ عرصے کے بعد وہ حیران ہوئے کہ میں گناہ

کررہاہوں اور جونعمتیں اللہ نے دی ہوئی تھیں وہ نعمتیں بھی سلامت ہیں تو کہنے لگے: اللہ! تو کتنا حلیم ہے کہ میں گناہوں پہ گناہ کررہاہوں اور آپ نے اپنی نعمتیں سلامت رکھی ہوئی ہیں، اللہ رب العزت نے الہام فرمایا: میرے بندے! تو محروم ہورہاہے، تجھے پتہ نہیں چل رہا ہے، پوچھا: اللہ! میں کس نعمت سے محروم ہوا؟ فرمایا: جس دن سے تو کبیرہ کا مرتکب ہوا، ہم نے تجھے رات کے آخری پہر میں رونے کی لذت سے محروم کردیا، تب انہیں خیال آیا کہ افوہ! جب سے میں گناہ کا مرتکب ہوا مجھے کبھی تہجد میں رونا ہی نہیں آیا۔ پتہ چلا کہ گناہ کی وجہ سے انسان دعا سے محروم ہوجاتا ہے۔

اس دارالاسباب میں، دعا مومن کا بہترین سبب

اور اگر اللہ تعالیٰ دعا کا راستہ کھول دیں، دعا کی توفیق دیدیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہترین معاملہ ہوتا ہے۔ یادرکھیں انسان اپنے بچاؤ کے جتنے اسباب اختیار کرتا ہے، ان میں سب سے بہتر سبب دعا ہوتی ہے، دعا سے بہتر سبب اور کوئی نہیں ہوسکتا، لہٰذا ہر معاملہ میں دعا کرنی چاہئے۔ حدیث مبارک ہے کہ جو شخص چاہے کہ سختی میں میری دعا قبول ہو اس کو چاہئے کہ وہ خوشحالی میں دعا کرے، تاکہ اللہ تعالیٰ سختی کے عالم میں اس کی دعا کو قبول فرمالیں۔

دعا کی ایک نرالی شان

دعا کی ایک عجیب بات ہے کہ اگر خالص دنیا کے لئے مانگئے کہ اللہ دنیا کی یہ ضرورت پوری کردے تو بھی عبادت ہے، اس عمل کی یہ ایک امتیازی شان ہے، باقی اعمال دنیا کی نیت سے کریں تو اجر نہیں ملے گا، تو دعا ایک ایسا عمل ہے کہ خالصۃً دنیا کی ضرورت ہے اور دنیا مانگ رہا ہے کہ یا اللہ! مجھے کھانا دے دے، مجھے جوتے دے دے، کپڑے دے دے، خالص دنیا کی چیز مانگ رہا ہے، پھر بھی یہ دعا عبادت ہے۔ علماء نے اس کی وجہ بیان فرمائی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اصل میں دعا مانگنے میں انسان کو تواضع اختیار کرنی پڑتی ہے، مانگنے والا اگرچہ دنیا مانگ رہا ہے لیکن اس تواضع کی وجہ سے اللہ نے اس دنیا مانگنے کو بھی،

عبادت میں شامل فرمالیا۔

خالق سے مانگنے اور مخلوق سے مانگنے میں فرق

ایک ہوتا ہے خالق سے مانگنا، ایک ہوتا ہے مخلوق سے مانگنا، اس میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

پہلا فرق:

آپ نے دیکھا ہوگا کہ مخلوق اگر اس معیار پہ پہنچے جہاں وہ دے سکتے ہوں تو اپنوں کو نوازتے ہیں، حکومت مل گئی تو جو قریبی ہوتے ہیں ان کو نوازا، فیکٹری چل گئی تو جو قریبی ہوں گے ان کے لوگوں کو نوکریاں دیں، تو مخلوق کا یہ دستور ہے کہ وہ اپنوں کو نوازتے ہیں، مگر خالق کا معاملہ اور ہے، وہ پروردگار اس دنیا میں اپنوں کو بھی نوازتا ہے، غیروں کو بھی دیتا ہے، چنانچہ کفار کی بھی وہ مرادیں پوری کر دیتا ہے، ان کی تمنائیں بھی وہ پوری کرتا ہے، وہ پروردگار اس دنیا کے اندر رحمان کی صفت کا ظہور کرتا ہے، جہاں وفادار کو دیتا ہے وہاں غدار کو بھی دیتا ہے، بلکہ سمجھ لیں کہ وفاداروں کو تو دال روٹی پہ ہی خوش کر دیتا ہے، فرماتے ہیں کہ یہ سارے غدار ہوتے تو میں ان کی چھتوں کو سونے کا بنا کے رکھ دیتا، میں ان کو دنیا دے دیتا، اس لئے وہ پروردگار سب کو دنیا میں عطا فرماتا ہے۔ ہم نے دیکھا کہ مخلوق اگر کبھی دیتی بھی ہے تو غصے سے دیتی ہے، آپ گاڑی پہ سفر کر رہے ہیں، والدہ صاحبہ پیچھے بیٹھی ہیں، ایک Signal (ٹرافک لائٹ) کے اوپر گاڑی کھڑی ہوئی، کوئی مانگنے والا آ گیا، اس نے آ کے گاڑی کا شیشہ کھٹکھٹایا، آپ اشارہ کرتے ہیں کہ بھائی معاف کر دو، مگر وہ لوگ بھی بڑے صاحب استقامت ہوتے ہیں، وہ آپ کے اشارے کی پرواہ نہیں کرتے، کھٹکھٹاتے رہتے ہیں، اب آپ کو غصہ آنا شروع ہوا کہ جب اسے کہہ دیا کہ بھائی معاف کر دو، تو پھر کیوں کھٹکھٹا رہا ہے، اتنے میں پیچھے سے والدہ صاحبہ کہتی ہیں: بیٹا! اگر کچھ کھلے پیسے ہیں تو دے دو، اب آپ مجبور ہو گئے کہ والدہ

صاحبہ نے کہہ دیا تو آپ شیشہ کھول کے پیسہ تو دیتے ہیں لیکن غصے میں دیتے ہیں۔ تو بسا اوقات مخلوق دیتی بھی ہے تو غصے سے دیتی ہے، مگر اللہ تعالیٰ کا معاملہ اور ہے، وہ پروردگار غصے سے کبھی نہیں دیتا، جب بھی دیتا ہے، ہمیشہ پیار سے دیتا ہے، ہمیشہ پیار سے عطا فرماتا ہے۔

دوسرا فرق:

مخلوق کے اندر ایک بات اور دیکھی، کہ ایک دفعہ مانگے تو دے دیں گے، دوسری دفعہ مانگے تو ذرا بوجھ سمجھیں گے، تیسری دفعہ کترائیں گے، اور چوتھی مرتبہ تو جھنڈی دکھا دیں گے، دروازہ بند کر دیں گے، ملنا چھوڑ دیں گے، تعلق توڑ دیں گے، کہیں گے کہ یہ کیسا بندہ ہے، ہر وقت مانگتا ہی رہتا ہے، شرم نہیں آتی، قربان جائیں اس پروردگار پر کہ اللہ تعالیٰ سے ایک دفعہ مانگیں وہ دیتا ہے، دوسری دفعہ مانگیں وہ دیتا ہے، تیسری دفعہ مانگیں وہ دیتا ہے، بار بار مانگیں وہ بار بار دیتا ہے، بلکہ جو بندہ ہر چیز اللہ سے مانگے، ہر حال میں اللہ سے مانگے، اللہ اس بندے کو اپنے اولیاء میں شامل فرما دیتے ہیں کہ میرا یہ بندہ میرے علاوہ کسی سے مانگتا ہی نہیں، جب بھی مانگتا ہے مجھ سے مانگتا ہے۔

تیسرا فرق:

مخلوق کے دینے میں اور خالق کے دینے میں ایک فرق اور بھی دیکھا، بڑی حیثیت کا بندہ ہو اس سے تھوڑا مانگو تو وہ ناراض ہوگا، کوئی بڑا امیر آدمی ہو، آپ اس سے کہیں کہ مجھے ایک روپے کی ضرورت ہے، وہ کہے گا کہ تم نے مجلس میں مجھے ذلیل کیا، تو نے Public insult (بے عزتی) کر دی، ایک روپیہ مجھ سے مانگتے ہو، مجھے کیا سمجھا ہوا ہے؟ تو اگر بڑے سے تھوڑا مانگو تو وہ ناراض ہوتا ہے۔ اور کسی غریب کے پاس جائیں کہ مجھے ایک ملین ڈالر کی ضرورت ہے، وہ کہے گا مذاق کرتے ہو؟ تو غریب سے زیادہ مانگو تو وہ ناراض، امیر سے تھوڑا مانگو تو وہ ناراض، مگر پروردگار کا معاملہ کچھ اور ہے، اس پروردگار سے تھوڑا مانگیں تو بھی وہ دیتا ہے، زیادہ مانگیں تو بھی وہ دیتا ہے، حتیٰ کہ کتابوں میں لکھا ہے کہ اگر کوئی بندہ اپنے جوتے کا تو

ہوا تسمہ بھی اللہ سے مانگتا ہے اللہ بندے کو وہ تسمہ بھی خوش ہو کر عطا فرما دیتے ہیں۔

چوتھا فرق:

ہم نے ایک فرق اور بھی دیکھا، کسی کے پاس جائیں کہ مجھے ضرورت ہے، وہ کہے گا کہ میرا بڑا دل چاہ رہا ہے کہ آپ کو خالی نہ بھیجوں، کاروبار ہی نہیں چل رہا ہے، حالات بھی سازگار نہیں ہیں، مگر اللہ رب العزت کے یہاں تو معاملہ کچھ اور ہے، وہاں نہ بجٹ کی کمی، نہ خزانے کی کمی، جب بھی بندہ اللہ سے مانگتا ہے اللہ رب العزت اپنے بندے کو ہمیشہ عطا فرماتے ہیں، اور خوش ہو کر عطا فرماتے ہیں۔

پانچواں فرق:

ایک فرق ہم نے اور بھی دیکھا، مخلوق کا دروازہ دن میں کھلا ہوتا ہے، رات کو بند ہوتا ہے، دفتر دن میں کھلا ہوگا، دوکان دن میں کھلی ہوگی، آفس دن میں کھلا ہوگا، تو ملنے کے اوقات دن میں ہوتے ہیں، رات کو دروازے بند ہو جاتے ہیں، لیکن اس پروردگار کی شان کچھ اور ہے، اس سے بندہ دن میں مانگے تو دن میں بھی دروازہ کھلا ہوتا ہے، رات میں مانگے تو رات میں دروازہ کھلا ہوتا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''لَا تَأْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ'' اس پروردگار کو نہ اونگھ آتی ہے، نہ نیند آتی ہے، ایسا نہ ہو کہ میرا بندہ مجھ سے مانگے اور دینے والا اونگھ رہا ہو تو فرمایا کہ ہم نیند اور اونگھ سے بھی منزّہ اور مبرّیٰ ہیں، ہم ہر وقت جاگنے کی حالت میں ہیں، تاکہ میرا بندہ جب مانگے، اپنے دینے والے کو جاگتا پائے۔

چھٹا فرق:

ایک بات اور بھی دیکھی، مخلوق سے اگر ایک کام کروالیا تو پھر ان کی بھی توقعات ہو جاتی ہیں، چنانچہ دوسری دفعہ جائیں تو پوچھتے ہیں کہ کیا لائے ہو؟ کوئی Gift (تحفہ) لائے یا نہیں؟ تو مخلوق کے دروازے پہ جاؤ تو پوچھا جاتا ہے کیا لائے ہو؟ اللہ کا معاملہ کچھ اور ہے، کبھی

بھی اللہ کے دروازے پر جاؤ. اللہ تعالیٰ یہ نہیں پوچھتے کہ کیا لائے ہو، ہاں بندے سے اتنا پوچھتے ہیں: میرے بندے! تم مجھ سے کیا لینے کے لئے آئے ہو؟ بادشاہوں کے دروازے پہ جب کوئی جاتا ہے تو بادشاہ نہیں پوچھا کرتے کہ کیا لائے ہو؟ بادشاہ پوچھا کرتے ہیں کہ کیا لینے کے لئے آئے ہو؟ لہٰذا ہمیں چاہیئے کہ ہم اس پروردگار سے مانگیں، اگر ہمیں اللہ رب العزت سے مانگنا آ گیا تو مخلوق سے مانگنے کی ضرورت ہی ختم ہو جائے گی۔

دعا پڑھنے اور دعا مانگنے میں فرق

مشکل یہ ہے کہ آج کل ہم دعائیں پڑھتے ہیں، دعائیں کرتے نہیں ہیں، دعائیں پڑھنے سے دعائیں قبول نہیں ہوتیں، دعائیں مانگنے سے دعا قبول ہوتی ہے۔ پڑھنے سے یہ مراد ہے کہ زبان سے طوطے کی طرح الفاظ نکل رہے ہوں، دل غافل ہو، اس کو کہتے ہیں: دعا پڑھنا، دعا پڑھنے سے دعا قبول نہیں ہوتی، دعا مانگنے سے دعا قبول ہوتی ہے، دعا مانگنا اس کو کہتے ہیں کہ انسان کا دل اللہ کی طرف متوجہ ہو اور اس کے روئیں روئیں پہ اس کا اثر ہو اور اللہ سے ایک تار اس کی جڑی ہوئی ہو، تو اس کو دعا کا مانگنا کہتے ہیں۔ آپ غور کریں کہ اگر کوئی سائل آپ کے سامنے ہاتھ بڑھائے اور چہرہ دوسری طرف کر لے تو کیا آپ کا جی چاہے گا کہ اس کو کچھ دیں؟ الٹا آپ خفا ہوں گے کہ تم نے مجھے ذلیل کیا، یہ تو کوئی مانگنے کا طریقہ نہیں۔ ہمارا معاملہ اللہ رب العزت کے ساتھ ایسا ہی ہے، جب دل غیر کی طرف متوجہ ہے تو ہم نے ہاتھ تو اللہ کے سامنے پھیلائے اور دل کا چہرہ دوسری طرف کر لیا تو ایسی دعا تو الٹا غصہ کا سبب بن جاتی ہے۔ تو کس کیفیت سے دعا مانگنی ہے یہ بھی سیکھنا پڑتا ہے۔

مضطر کی دعا کی قبولیت کا ایک نمونہ

چنانچہ حجاج بن یوسف کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ وہ طواف کر رہا تھا، اس نے ایک اندھے کو دیکھا وہ بیٹھا ہوا دعا مانگ رہا تھا Routine میں (عادت کے انداز میں) اللہ! مجھے بینائی عطا کر دے، اللہ! میری آنکھیں ٹھیک کر دے، بصیرت دے دے، اللہ! مجھے آنکھیں

دے دے، حجاج بن یوسف کھڑا ہوگیا، اس نے اس اندھے کو ٹھوکر لگا کے پوچھا: اندھے! میں حجاج بن یوسف ہوں ــــــ اس کے بارے میں بڑا مشہور تھا کہ وہ بڑا سخت دل انسان ہے اور جو کہتا ہے بس وہ کر دیتا ہے ــــــ وہ اندھا بڑا گھبرا گیا کہ آج کیا مصیبت نازل ہوگئی، حجاج بن یوسف نے اس سے کہا کہ میں طواف کر رہا ہوں اور میرے ابھی اتنے چکر باقی ہیں، اگر میرے طواف مکمل ہونے تک تیری آنکھیں ٹھیک نہ ہوئیں تو میں تجھے قتل کروا دوں گا اور اپنے سپاہی کو کھڑا بھی کر دیا کہ یہ اندھا بھاگنے نہ پائے اور وہ طواف کرنے لگ گیا، اب اندھے کو جب پتہ چلا کہ وہ کہہ کے گیا ہے کہ میں تجھے قتل کروا دوں گا، اب تو اس کی حالت ہی بدل گئی، پہلے تو دعا پڑھ رہا تھا، اب کہتا ہے: یا اللہ! پہلے تو بینائی کا سوال تھا، اب تو زندگی کا سوال ہے، جو رویا اور جو مانگا اس نے، گڑگڑا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا، اب زندگی کا سوال تھا، کہتے ہیں کہ حجاج بن یوسف کے آنے سے پہلے اللہ نے اسے بینائی عطا فرما دی۔ حجاج بن یوسف نے اس سے کہا کہ جیسے تم دعا کر رہے تھے ساری عمر حرم میں بیٹھ کے کرتے رہتے تو تمہاری وہ دعا قبول نہ ہوتی، تم دعا پڑھ رہے تھے، جب تمہارے دل کو چوٹ لگی اور دل تڑپا، تو اب تم نے دعا مانگی اور اللہ کا وعدہ ہے: ''اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ''

دعائیں قبول نہ ہونے کی وجہ

آج کل ہم نے اکثر دیکھا ہے کہ لوگ دعائیں مانگتے نہیں، بلکہ ایسے دعا کرتے ہیں جیسے کام ذمہ میں لگا رہے ہیں جیسے کوئی افسر اپنے دفتر میں آتا ہے اور کہتا ہے: انجینئر صاحب! آپ یہ کر دیں، فورمین صاحب! آپ یہ کر دیں، اور سپروائزر صاحب! آپ یہ کر دیں اور الیکٹریشن صاحب! یہ کروا دینا، ٹیکنیشین صاحب آپ یہ کر دینا، ہم کبھی اپنی دعا کا محاسبہ کریں، ہماری دعا بھی اسی طرح کی ہے کہ اللہ! میرے بیٹے کا نکاح ہو جائے، بیٹی کو بیٹا مل جائے، چھوٹے بیٹے کو نوکری مل جائے، فلاں کو یہ ہو جائے، ہمارا انداز اس طرح کا ہوتا ہے کہ معاذ اللہ جیسے ہم کام اپنے پروردگار کے ذمہ لگا رہے ہیں، اس طرح دعا قبول نہیں ہوتی،

دعا مانگنا عبدیت ہے، یہ عاجزی چاہتا ہے۔

دوسروں سے دعا کی درخواست کرنا

ایک بات اور بھی سن لیجئے، دعا کروانا بھی بڑی اچھی عادت ہے، نبی ﷺ دعا کرتے بھی تھے، دعا کرواتے بھی تھے، حدیث پاک میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ عمرے کے لئے تشریف لے جانے لگے تو نبی ﷺ نے فرمایا: اے بھائی! ہمیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا، تو نبی ﷺ نے دعا کی بھی ہے، کروائی بھی ہے، امت کو تعلیم دی، لہٰذا ہم دعا کریں بھی کروائیں بھی تو یہ اچھی عادت ہے، استاذ سے دعا لینا، ماں باپ سے دعا لینا، بڑوں سے دعا کروانا، یہ بہت اچھی عادت ہے۔

دعائیں لینا، دعائیں کرانے سے زیادہ مفید ہے

لیکن اس سے بھی زیادہ اچھی ایک اور عادت ہے، وہ یہ ہے کہ دعائیں کروانے کے بجائے دعائیں لینے والے بنا کریں، دعا کروانا تو یہی ہو گیا کہ امی! دعا کردیں، استاذ جی دعا کردیں، حضرت! آپ دعا کردیں، یہ ہو گیا دعا کروانا، اور دعا لینا اس کو کہتے ہیں کہ انسان اتنا اچھا طالب علم بنے کہ استاذ دیکھے تو دل سے دعا نکلے، اتنا اچھا سالک بنے کہ شیخ دیکھے تو دل سے دعا نکلے، اتنا اچھا فرمانبردار بیٹا بنے کہ ماں دیکھے تو دل سے دعائیں نکلے، جو شخص دعائیں لینے والا بن جاتا ہے اس پر اللہ کی رحمتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں، نوجوان بچے دعائیں لینے والے بنیں، اس لئے کہ اللہ کے دروازے پر آنے میں دیر ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کے دروازے سے ملنے میں دیر نہیں ہوا کرتی۔ حدیث مبارک ہے: ''مَنْ سَئَلَ اللّٰہَ الشَّھَادَۃَ بِصِدْقٍ بَلَّغَہُ اللّٰہُ مَنَازِلَ الشُّھَدَاءِ وَاِنْ مَاتَ عَلٰی فِرَاشِہٖ'' حدیث مبارک ہے کہ جس شخص کے دل میں شہادت کی تمنا ہوگی اور وہ دعا مانگتا ہوگا تو اگرچہ اس کو بستر پر موت آئے اللہ اس کو قیامت کے دن شہید کا مقام عطا فرمادیں گے۔

اللہ سے مانگنے والے کو امید سے زیادہ ملتا ہے

اللہ رب العزت کے یہاں ایک دستور ہے کہ مانگنے والے کو اس کی توقع سے زیادہ

دیتے ہیں۔اس کی مثال قرآن عظیم الشان میں ہے، سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ۔۔۔ نگی: اے اللہ! میں نے اپنی اولاد کو آپ کے گھر کے قریب بسایا ''وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرَاتِ'' ان کو کھانے کے لئے پھل عطا کیجئے۔اب دستور کی بات تو یہی ہے کہ پھل عام طور سے درختوں کے اوپر ہوتے ہیں مگر جب رب کریم نے دعا کی قبولیت کا تذکرہ فرمایا تو ارشاد فرمایا: اے میرے ابراہیم! ''يُجْبَىٰ إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ'' اس جگہ ہر چیز کے پھل پہنچیں گے، ثمرات الاشجار نہیں کہا کہ درختوں کے پھل، حالانکہ Understanding (ظاہری فہم) یہی ہے، مگر اللہ تعالیٰ زیادہ دیتے ہیں، دیکھیں، درختوں کے پھل ان کے فروٹ ہیں، کھیتیوں کے پھل ان کی سبزیاں ہیں، کارخانوں کے پھل ان کے Products (پیداوار) ہیں، انسان کا پھل ان کی اولاد ہیں، تو اللہ کریم نے فرمایا کہ میرے ابراہیم! تو نے تو ثمر مانگا جو عام طور پہ درخت پر ہوتا ہے، میں اتنا بڑا دینے والا پروردگار ہوں کہ صرف درختوں کے پھل نہیں، پوری دنیا میں جو چیز جہاں کہیں بن رہی ہوگی میں اس بیت اللہ میں تیری دعا کی وجہ سے پہنچا دوں گا۔آج آپ دیکھئے کہ پوری دنیا میں جہاں کہیں بھی جو پھل ہوتا ہے وہ مکہ مکرمہ میں ملتا ہے، سبزی وہاں ملتی ہے، کپڑے وہاں ملتے ہیں، ہر سہولت کی چیز اللہ نے وہاں پہنچا دی، یہ ہے ''يُجْبَىٰ إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ''

عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ عمرے کے سفر سے واپس آرہے تھے، ایک میدان کے اندر رات کو سو گئے، تہجد کے لئے آنکھ کھلی تو چودہویں کا چاند چمک رہا تھا، آسمان کے چاند کو دیکھ کے ان کو مدینہ طیبہ کا چاند یاد آیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد آئی، اس وقت انھوں نے اللہ سے ایک دعا مانگی، دعا یہ تھی: ''اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِیْ شَهَادَةً فِیْ سَبِيْلِكَ'' اے اللہ! مجھے اپنے راستے میں شہادت عطا کیجئے ''وَاجْعَلْ قَبْرِیْ فِیْ بَلَدِ حَبِيْبِكَ'' اور میری قبر اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں بنا دیجئے، دعا قبول ہوگئی، چنانچہ اگر عمرؓ کو پہاڑ کی چوٹی پہ شہادت مل جاتی تو بھی دعا قبول، کہیں زمین کی پستی پہ مل جاتی تو بھی دعا قبول، مگر نہیں، اللہ تعالیٰ امید سے زیادہ دیتے ہیں۔عمرؓ کو شہادت ایسی جگہ ملی کہ مسجد نبوی ہے، باوضو ہیں مصلیٰ نبوی ہے، نماز کی حالت ہے،

قرآن کی تلاوت کررہے ہیں، اس حال میں ان پر وار ہوتا ہے جو ان کی شہادت کا سبب بن جاتا ہے، یہ تو انھوں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ اس کامل انابت الی اللہ کی شکل میں مجھے شہادت مل جائے گی۔ پھر اگر ان کو جنۃ البقیع میں دفن ہونے کی سعادت مل جاتی تو بھی ''وَاجْعَلْ قَبْرِیْ فِیْ بَلَدِ حَبِیْبِکَ'' والی دعا قبول ہے، مگر دینے والے کی شان بڑی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے محبوب کے پیارے! مجھ سے دعا مانگی کہ آقا کے شہر میں میری جگہ بنے میں، جنۃ البقیع میں نہیں بلکہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں روضۂ اطہر کے اندر تمہیں جگہ عطا فرمادیں گے تو مانگنے والے نے جب بھی مانگا دینے والے کی دین اس سے بڑی ہے، وہ پروردگار امیدوں سے بڑھ کر عطا فرماتا ہے۔

گناہوں کی وجہ سے دعا کرنے سے نہیں شرمانا چاہئے

بعض مرتبہ ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ ہم تو دعا کے قابل ہی نہیں ہیں، بڑے گنہگار ہیں، کبھی بھی اس وجہ سے دعا سے نہ رکیں کہ ہم گنہگار ہیں، اس لئے کہ وہ پروردگار صرف نیکوکاروں کی دعاؤں کو قبول نہیں کرتا، وہ گنہگاروں کی دعاؤں کو بھی قبول کرلیتا ہے۔ سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب بات کہی، فرماتے ہیں کہ ''لَا یَمْنَعَنَّ أَحَدًا الدُّعَاءَ مَا یَعْلَمُ فِیْ نَفْسِہٖ'' تم میں سے کسی بندے کو یہ بات دعا سے نہ روکے کہ وہ اپنے دل میں سوچے کہ میرے اندر تو بڑے گناہ ہیں ''فَإِنَّ اللّٰہَ قَدْ أَجَابَ دُعَاءَ شَرِّ خَلْقِہٖ وَھُوَ إِبْلِیْسُ حِیْنَ قَالَ: رَبِّ أَنْظِرْنِیْ إِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ'' اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ شریر شیطان کی بھی دعا کو قبول کرلیا، جب اس نے قیامت کے دن کہا تھا: اللہ! قیامت تک کے لئے مہلت دے دیجئے، پروردگار نے فرمایا: ''إِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ'' میں نے تمہیں مہلت دے دی، تو اگر اللہ تعالیٰ شیطان کی بھی دعا کو قبول فرما سکتا ہے تو پھر مانگنے والا تو کلمہ گو مسلمان ہوتا ہے، اس کو کیوں پریشان ہونے کی ضرورت ہے؟ یہ تو شیطان کا ایک ہتھیار ہے کہ دل میں یہ بات ڈالتا ہے کہ ہم تو بہت گنہگار ہیں، ہم کیا دعا مانگیں۔ جس طرح اگر اسی جھوٹی زبان سے کلمہ پڑھا تو

قبول ہوجاتا ہے، اسی طرح دعا مانگی تو وہ بھی قبول ہوجائے گی، اس لئے دعا مانگنے میں کبھی دیر نہیں کرنی چاہئے۔

قبولیتِ دعا کے لئے دل کی حضوری شرط ہے

انسان سے مانگوتو انسان ناراض ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ سے نہ مانگوتو اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں، ہاں اتنا ہے کہ اللہ سے مانگے تو دل متوجہ ہونا چاہئے، یہ نہیں کہ زبان پہ تو دعا ہو اور دل میں کسی اور کی طرف دھیان ہو۔ ذرا سنئے! ''قِيْلَ: مَرَّ مُوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَام'' ایک مرتبہ موسیٰ علیہ السلام گذرے ''بِرَجُلٍ يَدْعُوْ وَيَتَضَرَّعُ'' ایک بندے کے قریب سے جو دعا بھی مانگ رہا تھا اور ظاہر میں آنسو بھی بہہ رہے تھے ''فَقَالَ مُوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَام'' موسیٰ نے کہا کہ '' اِلٰهِیْ! لَوْ كَانَتْ حَاجَتُهٗ بِيَدِیْ قَضَيْتُهَا'' اے اللہ! اگر اس بندے کا مسئلہ میرے اختیار میں ہوتا تو میں اس کے مسئلہ کو حل کر دیتا کہ مانگ بھی رہا ہے رو بھی رہا ہے ''فَأَوْحَی اللّٰہُ تَعَالٰی اِلَيْهِ'' اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کی طرف وحی نازل کی: ''اَنَا أَرْحَمُ بِهٖ مِنْكَ'' اے میرے پیارے موسیٰ! میں آپ سے زیادہ اس بندے پر رحم کرنے والا ہوں ''وَلٰكِنَّهٗ يَدْعُوْنِیْ'' مگر یہ مجھ سے دعا کر رہا ہے ''وَلَهٗ غَنَمٌ وَقَلْبُهٗ عِنْدَ غَنَمِهٖ'' اور اس کا ریوڑ ہے اور اسکا دل بکریوں کے ریوڑ میں پھنسا ہوا ہے ''وَاِنِّیْ لَا أَسْتَجِيْبُ لِعَبْدٍ يَدْعُوْنِیْ وَقَلْبُهٗ عِنْدَ غَيْرِیْ'' اور میں ایسی دعا کو نہیں قبول کرتا کہ دعا مجھ سے مانگے اور دل کسی اور کے پاس ہو۔ اب اس غنم کا ترجمہ محدثین نے یہ بھی کیا کہ جانوروں میں دل پھنسا ہوا تھا اور بعض نے بکریوں سے عورت مراد لی کہ کہیں لڑکیوں میں پھنسا ہوا تھا، تو دعا اِدھر مانگ رہا ہے، دل اُدھر پھنسا ہوا ہے، دعا کیسے قبول ہوگی؟ ''فَذَكَرَ مُوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَام لِلرَّجُلِ ذٰلِكَ'' موسیٰ نے اس بندے کو یہ بات بتائی کہ تیرا دل پھنسا ہوا ہے، دعا قبول نہیں ہوگی جب تک دل کو خالی نہ کردیں ''وَانْقَطَعَ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی بِقَلْبِهٖ'' اس بندے نے اپنے دل کو ہر طرف سے ہٹالیا ''فَقُضِيَتْ حَاجَتُهٗ'' اللہ نے اسی وقت اس کی حاجت کو پورا فرمادیا۔ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ میرے بندے مجھ سے مانگ رہے ہوں تو دل بھی تو میرے پاس ہونا چاہئے۔

قبولیتِ دعا کی تین اہم صفات

ایک حدیث مبارک میں ہے: ''أَوْحَى اللهُ إِلَى عِيسَى'' اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی کہ ''هَبْ لِيْ مِنْ قَلْبِكَ الْخُشُوعَ'' اپنے دل سے مجھے خشوع دے دو ''وَمِنْ بَدَنِكَ الْخُضُوعَ'' اور بدن کی طرف سے خضوع دے۔ یعنی باادب، باوقار دعا مانگو ''وَمِنْ عَيْنِكَ الدُّمُوعَ'' اور اپنی آنکھ سے آنسو کا قطرہ دے دو ''ثُمَّ ادْعُنِيْ'' پھر دعا کرو ''أَسْتَجِبْ لَكَ'' میں دعا کو قبول کروں گا ''فَإِنِّيْ قَرِيْبٌ مُجِيْبٌ'' بیشک میں دعا کو قبول کرنے والا ہوں۔

دعا بار بار مانگنے سے قبول ہو جاتی ہے

بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ بندہ دعا مانگے تو فوری آثار ظاہر نہیں ہوتے، تو اس کی وجہ سے دعا مانگنا نہ چھوڑے، مانگتا رہے، مانگتا رہے۔ کئی ایسے بھی بزرگ تھے کہ ۲۵ سال بعد ان کی دعا قبول ہوئی، ۵۰ سال بعد ان کی دعا قبول ہوئی اور انھوں نے آنکھوں سے قبول ہوتے دیکھی، تو ٹائم لگتا ہے مگر اللہ قبول فرما لیتے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بچہ کہتا ہے: امی! مجھے آئس کریم دیدیں، ماں کہتی ہے: نہیں، تیرا گلا خراب ہے، نہیں لینا، وہ روتا ہے کہ دے دیں، وہ کہتی ہے: نہیں، وہ روتا ہے کہ دے دیں، وہ پھر کہتی ہے کہ نہیں، شروع میں نہیں کرتی رہتی ہے، وہ بچہ بھی روتا رہتا ہے، مانگتا رہتا ہے، بالآخر وہی ماں آئس کریم اٹھا کے دے دیتی ہے کہ اچھا کھالو۔ تو اللہ رب العزت کے یہاں بھی معاملہ ایسا ہی ہے، بندہ روتا ہے، مانگتا ہے، بالآخر اللہ تعالیٰ دروازے کو کھول دیتے ہیں۔

بڑی پیاری حدیث ہے ''قال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ'' قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے ''إِنَّ الْعَبْدَ لَيَدْعُو اللهَ تَعَالَى وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ'' بندہ اللہ سے دعا مانگتا ہے اور اللہ تعالیٰ بندے سے ناراض ہوتے ہیں

''وَیُعْرِضُ عَنْهُ'' اللہ اعراض فرماتے ہیں، اس کی دعا کو قبول نہیں کرتے ''ثُمَّ یَدْعُو'' وہ بندہ پھر دعا مانگتا ہے ''فَیُعْرِضُ عَنْهُ'' اللہ پھر اعراض فرماتے ہیں ''ثُمَّ یَدْعُو'' پھر وہ مانگتا ہے ''فَیُعْرِضُ عَنْهُ'' اللہ پھر اعراض کرتے ہیں ''ثُمَّ یَدْعُو'' جب چوتھی دفعہ مانگتا ہے ''فَیَقُولُ اللهُ تَعَالٰی لِلْمَلٰئِكَةِ'' اللہ ملائکہ سے فرماتے ہیں ''أَبیٰ عَبْدِیْ أَنْ یَدْعُوَ غَیْرِی'' لگتا ہے اس بندے نے طے کرلیا کہ میرے غیر سے نہیں مجھ سے ہی مانگتا رہے گا ''فَقَدِ اسْتَجَبْتُ لَهٗ'' چلو میں نے اسکی دعا کو قبول فرمالیا، تو بار بار مانگنے سے اللہ تعالیٰ بندے کی دعا کو قبول فرمالیتے ہیں، لہٰذا ہمیں بھی چاہئے کہ ہم اللہ رب العزت سے مانگیں تو بار بار مانگیں، صرف ایک بار مانگ لینا کافی نہ سمجھا کریں۔

دعا میں نیک اعمال کو وسیلہ بنانا

اب یہاں پر نکتہ کی بات اور لب لباب سن لیں کہ اللہ تعالیٰ کو دو چیزیں پسند ہیں، جن کی وجہ سے دعا قبول ہوتی ہے، ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے بندہ اپنے عمل کا وسیلہ پیش کرے۔ اس کی دلیل بخاری شریف کی حدیث مبارک ہے، کہ بنی اسرائیل کے تین بندے پھنس گئے تھے، غار کے دروازے پہ کوئی چٹان آگئی تھی، ان میں سے ایک نے اپنے ماں باپ کی خدمت کا عمل پیش کیا، چٹان ہٹ گئی، دوسرے نے پیش کیا کہ اللہ! میں تیرے ڈر کی وجہ سے زنا سے بچا، چٹان اور ہٹ گئی، تیسرے نے عمل پیش کیا کہ میں نے تیری خاطر ایک بندے کی امانت میں خیانت نہ کی، اللہ نے چٹان ہٹادی، ان کو نجات عطا فرمادی، اس سے پتہ چلا کہ بندہ اپنے عملوں کو پیش کرے۔

کہتے ہیں کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ تھا، دہلی میں ایک دفعہ بہت قحط پڑا، شہر کے علماء نے اعلان کیا کہ سارے لوگ میدان میں جمع ہوجائیں، اپنے بچوں کو بھی لائیں، جانوروں کو بھی لائیں اور سب دھوپ میں کھڑے ہو کے اللہ سے مانگیں، اللہ بارش عطا کردیں گے، اشراق کے وقت سے مانگنا شروع کیا، عصر کا وقت ہوگیا، آسمان پہ بادل کا نام د

نشان نہیں، لوگ حیران تھے، ہزاروں انسان رو رہے ہیں، عورتیں رو رہی ہیں، بچے رو رہے ہیں، جانور بھی پریشان ہو گئے، مگر اللہ کی رحمت متوجہ نہیں ہوئی، اتنے میں ایک نوجوان اونٹ کے اوپر کسی سواری کو لے کے جا رہا تھا، اس نے جب مجمع دیکھا تو سواری کو روکا اور جا کے پوچھا کہ لوگ کیوں جمع ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ اشراق کے وقت سے لے کے عصر کا وقت ہو گیا دعا مانگ رہے ہیں، دعا قبول ہی نہیں ہو رہی ہے، اس نے کہا اچھا! وہ سواری کے پاس واپس آیا اور وہاں کھڑے ہو کے اس نے کوئی دعا مانگی، اسی وقت آسمان کے اوپر سے بارش نازل ہونا شروع ہو گئی، تو علماء بڑے حیران ہوئے، وہ اس بچے کے پاس گئے اور پوچھا: اے نوجوان! تیرا کونسا عمل تھا کہ جس کے صدقے اللہ نے رحمت بھیج دی؟ اس نے کہا کہ اس اونٹ کے اوپر میری والدہ سوار ہیں اور مجھے ان کی زندگی کا پتہ ہے، تقیہ نقیہ پاک صاف عفیف زندگی گزارنے والی ہیں، میں آیا اور میں نے ان کی چادر کا ایک کونا پکڑ کے دعا مانگی: اے اللہ! میں اس ماں کا بیٹا ہوں جس نے پاکدامنی کی زندگی گذاری ہے، اللہ! تجھے اس کی پاکدامنی کا واسطہ، اپنے بندوں پر بارش برسا دے، رب کریم کو یہ بات اتنی پسند آئی کہ اسی وقت بارش عطا فرما دی۔ تو ایک طریقہ تو یہ کہ انسان، اپنے اچھے عمل پیش کرے

اعترافِ جرم اللہ کی نگاہ میں پسندیدہ عمل

مگر ہمارے لئے تو یہ ممکن ہی نہیں، ہمیں تو اپنی زندگی میں کوئی ایک عمل بھی نظر نہیں آتا جو اللہ کے سامنے پیش کرنے کے قابل ہو، ایک دن بھی ایسا نہیں جو گناہوں کے بغیر گذرا ہو، تو کون جرأت کر سکتا ہے کہ وہ اپنی عبادت کو اللہ کے حضور پیش کر سکے، لہٰذا آج ہم جیسے گنہگاروں کے لئے تو کوئی عمل پیش کرنے کے قابل نہیں، البتہ ایک اور بات ہے جس کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں، اس کو کہتے ہیں: اعترافِ جرم، اپنے گناہوں کا اعتراف کر لینا، جرم کا اعتراف کر لینا، اللہ کے سامنے اپنے گنہگار ہونے کا اعتراف کر لینا، معافی مانگ لینا، جو بندہ جرم کا اعتراف کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے اعتراف کو بھی پسند فرماتے ہیں، اس کی توبہ کو قبول

کر لیتے ہیں، اس کی دعا پوری کر دیتے ہیں۔

چنانچہ اس سلسلہ میں ایک واقعہ سن لیجئے، ۳۵۰ھ کا واقعہ ہے، اندلس میں ایک مرتبہ قحط پڑ گیا، بارش نہیں ہوتی تھی، علماء نے فیصلہ کیا کہ سارے لوگ ایک میدان میں جمع ہو جائیں اور اللہ سے دعا مانگیں، چنانچہ سارے لوگ آ گئے، سارا دن دعا مانگتے رہے اور دعا قبول نہ ہوئی، وہاں کے بادشاہ کا نام تھا عبدالرحمٰن نافع، کسی نے جا کے بادشاہ کو بتایا کہ جناب! ساری Public (عوام) کب سے دعا مانگ رہی ہے، مگر دعا قبول نہیں ہو رہی ہے، تو عبدالرحمٰن نافع سر سے تاج اٹھا کر بیٹھا ہوا تھا، ننگے پاؤں اور ننگے سر اپنے دربار سے نکلا اور اسی طرح دوڑتا ہوا آیا اور لوگوں میں گھل مل کے ہاتھ اٹھائے اور دعا مانگنے لگا: اللہ! بڑا مجرم تو میں ہوں اور میرے قصوروں کی وجہ سے اپنے بندوں کو تنگی میں نہ ڈال دیئے، میں معافی مانگتا ہوں مجھے معاف کر دیجئے، اور مجھے معاف فرما کر اپنے بندوں کو بارش کی نعمت عطا فرما۔ ابھی ہاتھ نیچے نہیں ہوئے تھے کہ اللہ نے اسی وقت بارش عطا فرما دی۔ تو اعترافِ جرم کو بھی اللہ پسند فرماتے ہیں، اب ہم جیسے لوگوں کے لئے یہ قابلِ عمل چیز ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے جرم کا اقرار کریں اور اپنے اللہ سے مانگیں کہ اے اللہ! ہم جیسے بھی ہیں، ہیں تو آپ کے۔ بس اسی نسبت کا سہارا ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک عورت سے خاوند ناراض ہوا اور ناراض ہو کے کہنے لگا کہ نہ تیرے پاس شکل ہے، نہ عقل ہے، نہ اونچے خاندان کی ہے، نہ مال ہے، تیرے پاس ہے کیا؟ تو جب خاوند خوب ناراض ہوا تو اس عورت کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، وہ کہنے لگی، اپنی علاقائی زبان میں اس نے شعر پڑھے، اس کا ترجمہ آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں، کہنے لگی:

میری کوئی اوقات نہیں ہے، جو آپ نے کہا بالکل ٹھیک کہا، میرے اندر کوئی وصف نہیں، کوئی خوبی نہیں، لیکن ایک بات تو پکی ہے کہ میں جیسی بھی ہوں، ہوں تو آپ ہی کی، آپ کے سوا تو کسی کی طرف نظر نہیں اٹھاتی۔

کہتے ہیں کہ اس عورت کی بات خاوند کے دل کو اتنی اچھی لگی کہ اس نے اس کی کوتاہیوں کو معاف کر دیا۔ ہم بھی آج اس بارگاہ میں اللہ کے سامنے یہی کہتے ہیں کہ اللہ! ہم گنہگار سہی، خطاکار سہی، ہمارے پاس نیکیاں نہیں، ہمارے پاس اچھے اخلاق نہیں، کوئی کمالات نہیں، گناہوں کے سوا ہماری جھولی میں کچھ بھی نہیں ہے، مگر اتنی بات تو ہے کہ جیسے بھی ہیں، ہیں تو آپ ہی کے، کلمہ آپ کا پڑھا، اکیلے آپ کو پروردگار مانتے ہیں، آپ کے سوا کبھی کسی غیر کی طرف نہیں جھکے، کبھی غیر کی طرف ہاتھ نہیں پھیلایا، میرے مولی! جب آپ ہی سے مانگ رہے ہیں تو آپ ہمیں اپنے در سے خالی نہ اٹھایئے۔

مانگنے کا طریقہ بنی اسرائیل کے گنہگار سے سیکھ لیجئے، اس نے مزے کی دعا مانگی، سبحان اللہ! امید ہے کہ آپ دل کے کانوں سے اس واقعہ کو سنیں گے اور اپنی زندگی میں اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔ وہب ابن منبہ رحمۃ اللہ علیہ اس کے راوی ہیں، فرماتے ہیں: ''كَانَ فِيْ زَمَنِ مُوسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ شَابٌ عَاتٍ مُسْرِفٌ عَلٰى نَفْسِهِ'' ایک نوجوان تھا جو بڑا سرکش تھا، اپنی جان پہ ظلم کرتا تھا، نفس کا پجاری تھا، نفسانی، شیطانی، شہوانی گناہوں میں لگا رہتا تھا، اتنا گناہ کرتا تھا کہ بستی کے لوگوں نے مل کر مشورہ کیا کہ اس کو منع کر دو، اگر یہ باز نہ آیا تو ہم دھکے دے کر اسے شہر سے نکال دیں گے، چنانچہ وہ اس دن تو بچا رہا، پھر اس نے گناہ کا ارتکاب کیا، اب تو بستی والوں نے خوب پٹائی بھی کی ''فَأَخْرَجُوْهُ مِنْ بَيْنِهِمْ لِسُوْءِ فِعْلِهٖ'' اور اس کے برے کام کی وجہ سے بستی والوں نے اس کو اپنی بستی سے نکال دیا، اب بستی سے باہر نکل کے ویرانے میں وہ رہ گیا، اللہ کی شان کہ چند دن وہاں رہا، نہ کھاتا تھا، نہ پیتا تھا، نہ کوئی اور چیز تھی، بیمار ہو گیا، کوئی دوائی دینے والا نہ تھا، کوئی پرسانِ حال نہیں تھا، ''فَحَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ فِيْ خَرِبَةٍ عَلٰى بَابِ الْبَلَدِ'' شہر کے دروازے کے سامنے ویرانے میں اس کی وفات ہو گئی ''فَأَوْحَى اللّٰهُ اِلٰى مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ'' اللہ نے موسی علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی: ''اِنَّ وَلِيًّا مِنْ اَوْلِيَائِيْ'' میرے اولیاء میں سے ایک ولی ''حَضَرَهُ الْمَوْتُ'' اس کو موت آ گئی ہے ''فَاحْضُرْهُ''

آپ جایئے ''وَغَسِلْهُ'' اس کو غسل دیجئے ''وَصَلِّ عَلَيْهِ'' اوراس کی نماز جنازہ پڑھئے ''وَقُلْ'' اور اعلان کر دیجئے ''لِمَنْ كَثُرَ عِصْيَانُهُ'' جس بندے کے گناہ بہت زیادہ ہوں ''يَحْضُرُ جَنَازَتَهُ'' اگر وہ اس کا جنازہ پڑھنے کے لئے حاضر ہو جائیں ''لَأَغْفِرُ لَهُم'' تو میں ان کے گناہوں کو بھی معاف کر دوں گا ''وَاحْمِلْهُ اِلَىَ لِأُكْرِمَ مَثْوَاهُ'' اس کو میرے پاس لایئے، دفن کر دیجئے، میں اپنے اس بندے کا اکرام کروں گا ''فَنَادَى مُوسَى فِي بَنِي اِسْرَائِيل'' موسیٰ نے بنی اسرائیل میں اعلان کروادیا ''فَكَثُرَ النَّاسُ'' بہت سارے لوگ جمع ہو گئے، ہر بندہ چاہتا تھا کہ جنازہ پڑھنے سے گناہ معاف ہو جائیں ——— میت دو طرح کی ہوتی ہے، بعض ایسے ہوتے ہیں کہ جنازہ پڑھنے والوں کی وجہ سے اللہ میت کی مغفرت فرما دیتا ہے، حدیث مبارک بھی ہے کہ اگر چالیس ایمان والے کسی کا جنازہ پڑھ لیں تو اللہ گنہگار مومن کی خطاؤں کو معاف فرما دیتے ہیں۔ اور کئی لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کا جنازہ پڑھ لینے سے پڑھنے والوں کی مغفرت ہو جاتی ہے، یہ ان میں سے تھے ——— چنانچہ بنی اسرائیل والے سب کے سب جنازہ پڑھنے کے لئے آ گئے ''فَلَمَّا حَضَرُوْهُ عَرَفُوْهُ'' جب بستی کے لوگ پہنچے اور انھوں نے دیکھا تو انھوں نے پہچان لیا ''فَقَال'' کہنے لگے ''يَانَبِيَّ اللهِ'' اے اللہ کے نبی ''هٰذَاهُوَ الْفَاسِقُ الَّذِي أَخْرَجْنَاه'' یہ تو وہی فاسق ہے جس کو ہم نے بستی سے نکال دیا تھا ''فَتَعَجَّبَ مُوسَى مِنْ ذٰلِكَ'' موسیٰ کو بھی بڑا تعجب ہوا ''فَأَوْحَى اللهُ اِلَيْهِ'' اللہ رب العزت نے وحی نازل فرمائی ''صَدَقُوْا وَهُمْ شُهَدَائِي اِلَّا اَنَّهُ لَمَّا حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ فِي هٰذَا الْخَرِبَةِ'' یہ لوگ ٹھیک کہتے ہیں، مگر بات یہ ہے کہ جب اس نوجوان کو اس ویرانے میں موت آنے لگی ''نَظَرَ يَمْنَةً وَيَسْرَةً'' اس نے اپنے دائیں دیکھا اور اپنے بائیں دیکھا ''فَلَمْ يَرَ حَمِيْمًا'' اس نے کوئی دوست نہ دیکھا ''وَلَا قَرِيْبًا'' نہ کوئی قریبی دیکھا، کوئی تھا ہی نہیں ''وَرَأَى نَفْسَهُ غَرِيْبَةً وَحِيْدَةً ذَلِيْلَةً'' اور اس نے اپنے آپ کو اکیلا پردیسی اور ذلیل دیکھا ''فَرَفَعَ بَصَرَهُ اِلَيَّ'' جب کوئی نظر نہ آیا تو اس وقت اس بندے نے آسمان کی طرف نظر

اٹھا کے دیکھا اور کہنے لگا: ''اِلٰهِیْ عَبْدٌمِنْ عِبادِکَ'' اللہ! تیرے بندوں میں سے میں بھی ایک بندہ ہوں ''غَرِیْبٌ فِیْ بِلادِکَ'' اپنے شہر سے دھکہ دے کے نکال دیا گیا ہوں ''لَوْ عَلِمْتُ'' اگر میں جان لیتا ''اَنَّ عَذابِیْ یَزِیْدُفِیْ مُلْکِکَ'' کہ عذاب دینے سے آپ کے ملک میں اور آپ کی شان میں اضافہ ہوجاتا ''وَعَفْوُکَ عَنِّیْ یَنْقُصُ مِنْ مُلْکِکَ'' اور مجھے معاف کردینے سے آپ کے خزانوں میں کوئی کمی آجاتی ''لَمَا سَأَلْتُکَ الْمَغْفِرَةَ'' میں آپ سے مغفرت نہ مانگتا ''وَلَیْسَ لِیْ مَلْجَأٌوَّلَارَجاءٌاِلَّا أَنْتَ'' اور اللہ! میرا تو لوئی ملجا اور ماوی تیرے سوا اب ہے نہیں ''فَقَدْسَمِعْتُ فِیْماأَنْزَلْتَ أَنَّکَ قُلْتَ'' اور میں نے یہ بھی سنا ہے کہ آپ نے یہ ارشاد فرمایا ہے ''اِنِّیْ أَنَاالْغَفُوْرُالرَّحِیْمُ'' کہ میں بڑا غفور اور رحیم ہوں ''فَلَاتُخَیِّبْ رَجائِیْ'' اللہ! مجھے ناامید نہ کرنا، ''یَامُوْسٰی'' اے موسیٰ! ''أَفَکَانَ یَحْسُنُ بِیْ أَنْ أَرُدَّہٗ'' کیا مجھے یہ بات اچھی لگتی کہ میں اس کی دعا کو رد کردیتا ''وھوغریبٌ عَلٰی ھٰذِہٖ الصِّفَةِ'' حالانکہ وہ پردیسی تھا اور اس کی یہ حالت تھی ''وَقَدْتَوَسَّلَ اِلَیَّ بِیْ'' اس نے میری رحمت کو وسیلہ بنایا ''وَتَضَرَّعَ بَیْنَ یَدَیَّ'' اور میرے سامنے رویا، گڑگڑایا ''وَعِزَّتِیْ'' مجھے اپنی عزت کی قسم ''لَوْسَأَلَنِیْ فِیْ الْمُذْنِبِیْنَ مِنْ أَھْلِ الْأَرْضِ جَمِیْعًا'' اگر وہ بندہ ساری دنیا کے گنہگاروں کے بارے میں مجھ سے سوال کرتا ''لَوَھَبْتُھُمْ'' میں ان تمام گنہگاروں کو معاف کردیتا ''لِغُرْبَتِہٖ'' اس کے پردیسی ہونے کی وجہ سے، ''یَامُوْسٰی أَنَا کَھْفُ الْغَرِیْبِ'' میں پردیسی کی پناہ گاہ ہوں ''وَحَبِیْبُہٗ'' جس کا کوئی نہیں ہوتا میں اس کا دوست ہوتا ہوں ''وَطَبِیْبُہٗ'' میں اس کا طبیب ہوتا ہوں ''وَرَاحِمُہٗ'' اور میں اس پر رحمت کرنے والا ہوتا ہوں۔

وہ کتنا پیارا پروردگار ہے کہ اگر ایک بندہ دیکھتا ہے کہ اب اس کا کوئی بھی قریبی نہیں، پھر وہ اللہ کو پکارتا ہے تو اس فاسق کو اللہ ولایت کا وہ درجہ دے دیتے ہیں کہ فرماتے ہیں کہ جو جنازہ پڑھے گا ہم اس کی بھی مغفرت کردیں گے، اس نے تو اپنی مغفرت مانگی، اگر دنیا

کے تمام گنہگاروں کی مغفرت مانگتا تو میں پروردگار رب کی مغفرت کر دیتا۔ معلوم ہوا کہ اگر گنہگار مانگے اور واقعی اللہ کے سامنے نادم ہو کر مانگے، گناہوں کا اعتراف کر کے مانگے تو اللہ رب العزت کی رحمت جوش میں آتی ہے۔ آج اسی معاملہ کو اللہ کے سامنے آزمایئے، اپنے گناہوں سے سچی توبہ کر کے اللہ کی رحمت کو طلب کیجئے، رب کریم ہمارے گناہوں کو معاف فرما دیجئے اور اللہ تعالیٰ! ہمیں اپنے دربار سے خالی نہ لوٹایئے، پروردگار عالم! ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہم نے ساری عمر کلمہ پڑھا، بال سفید کر بیٹھے۔

اِنَّ الْمُلُوْکَ اِذَاشَابَتْ عَبِیْدُھُمْ　　فِیْ رِقِّھِمْ أَعْتَقُوْھُمْ عِتْقَ أَحْرَارٖ

اللہ! جب خدمت کرنے والے غلام خدمت کرتے کرتے بوڑھے ہو جاتے ہیں تو پھر ان کے مالک ان کو آزاد کر دیا کرتے ہیں، اے اللہ! ہم نے بھی تو کلمہ پڑھتے پڑھتے بال سفید کر دئے، میرے مولیٰ ہمیں بھی آپ جہنم کی آگ سے بری فرما دیجئے، ہمارے پاس اچھا عمل کوئی نہیں جو آپ کے سامنے پیش کر سکیں، سفید بالوں کی لاج رکھ لیجئے، ہمارے ہاتھ خالی نہ لوٹا دیجئے، اللہ! ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ جو آپ کے دروازے سے خالی جاتا ہے وہی بد بخت ہوتا ہے، اے اللہ! ہمارے لئے کوئی دوسرا دروازہ نہیں، دنیا میں روٹی کا سوال کرنے والا ایک دروازے سے مانگے، نہ پائے تو وہ دوسرے دروازے پہ چلا جاتا ہے، نہ پائے تو تیسرے پہ چلا جاتا ہے، اس کو پرواہ نہیں ہوتی، اللہ! مسئلہ تو ہمارا ہے کہ آپ کے دروازے کے سوا کوئی دوسرا دروازہ نہیں، میرے مولیٰ! تم ہی سے مانگیں گے تم ہی دو گے، تمہارے در سے ہی لو لگی ہے، اے کریم! آپ ہی کے در سے لو لگا کر بیٹھے ہیں، ہم سے یہ نہ پوچھئے گا کہ میرے بندو! کیا لائے ہو، ہاں یہ ضرور پوچھ لیجئے گا کہ میرے بندو! کیا لینے کے لئے آئے ہو؟ اے اللہ! ہم آج کی اس محفل میں آپ کو منانے کے لئے آئے ہیں، آپ کو اپنا بنانے کے لئے آئے ہیں، آپ مردہ دلوں کو زندہ کروانے کے لئے آئے ہیں، اے کریم! اٹھے ہاتھوں کی لاج رکھ لیجئے، اللہ! آپ کی رحمت کی نظر بشر حافی کی طرف اٹھ جاتی ہے تو دنیا کے شراب

خانے سے نکال کے اس کو آپ اپنی محبت کی شراب پلا دیتے ہیں، آپ کی رحمت کی نظر فضیل بن عیاض پر پڑ جاتی ہے تو دنیا کے ڈاکوؤں کی سرداری سے نکال کے ولیوں کا سردار بنا دیتے ہیں، اے اللہ! ایسی رحمت کی ایک نظر ہم مسکینوں پر بھی تو ڈال دیجئے، مولی! آپ کی ایک نظر کے مستحق ہیں، اے کریم! ایک رحمت کی نظر ڈال دیجئے، آج کی اس محفل میں ہماری بگڑی بنا دیجئے، اللہ! ہماری دعاؤں کو قبول فرما لیجئے اور ہمارے اٹھنے سے پہلے جھولیوں کو بھر دیجئے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

❁❁❁

آئندہ صفحہ سے جو بیان آپ ملاحظہ فرمائیں گے، وہ بیان حیدرآباد کے خیرتا باد علاقہ میں جہاں حضرت کا قیام تھا، اُسی جگہ رات ۱ بجکر ۲۰ منٹ پر یہ بیان شروع ہوا، حاضرین مجلس میں مخصوص حضرات علماء کرام اور مقامی احباب تھے۔

تاریخ ۱۸/ اپریل ۲۰۱۱ء، اتوار اور دوشنبہ کی درمیانی شب۔

دل پر محنت کرنا ضروری ہے

الحمدللہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی۔ اما بعد

انسان جسم اور روح کا مجموعہ

انسان دو چیزوں کے مجموعے کا نام ہے، ایک جسم ہے اور دوسرا روح، جسم عالمِ خَلق سے تعلق رکھتا ہے، وہ چیزیں جن کو اللہ نے وقت کے ساتھ ایک ترتیب سے بنایا وہ عالمِ خَلق کہلاتے ہیں، جیسے دنیا کے بارے میں فرمایا: ''خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ'' اللہ نے زمین کو دو دن میں پیدا کیا اور پھر چار دن میں اس کے اندر انسانوں کے لئے خزانے رکھے، تو ٦ دن میں یہ زمین بننے کا Process (عمل) مکمل ہوا، تو وہ چیزیں جو تدریجاً پیدا ہوئیں ان کو عالمِ خَلق کی چیزیں کہتے ہیں۔ اور کچھ چیزیں ایسی ہیں جو آناً فاناً پیدا ہوئیں، وہ تمام کی تمام عالمِ امر کی چیزیں کہلاتی ہیں، ''اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ'' جیسے انسان کی روح، جنت، جہنم، میزان، عرش، کرسی، قلم، کتاب، یہ سب چیزیں لفظ کُن سے پیدا ہوئی ہیں، تو یہ دو عالم ہیں،: عالمِ خلق اور عالمِ أمر، اس لئے فرمایا: ''اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ'' اللہ ہی کے لئے ہے عالمِ امر اور اللہ ہی کے لئے عالمِ خلق، اور انسان کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ دونوں عالموں کا مجموعہ ہے، اس کا جسم عالمِ خلق سے تعلق رکھتا ہے، اور اس کی روح عالمِ امر سے تعلق رکھتی ہے، اس لئے فرمایا: ''یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ'' کہ یہ آپ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں ''قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ'' آپ فرما دیجئے

کہ وہ میرے رب کا امر ہے۔ تو انسان گویا عالم خلق اور عالم امر کا مجموعہ ہو گیا لیکن اس دنیا میں انسان چونکہ چیزوں کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اس وجہ سے اس کے اندر دنیا کی محبت آجاتی ہے، اس کی نورانیت کم ہو جاتی ہے، ضرورت پڑتی ہے کہ انسان کو روحانی طور پر کوئی خوراک ملے، تاکہ یہ روحانی طور پر مضبوط ہو جائے۔

ولایت کسبی چیز ہے

نبوت وہبی چیز ہے، ولایت کسبی چیز ہے، نبوت کے لئے تو اللہ نے جس کو چاہا چن لیا، یہ اللہ کی عطا تھی، مگر ولایت کسبی چیز ہے، کسبی سے یہ مراد ہے کہ اگر کوئی بندہ اخلاص کے ساتھ محنت کرے تو وہ اس کو حاصل کر سکتا ہے، یہ Achieve (حاصل) کی جاسکتی ہے، ولایت کا تصور عام بندوں کی نظر میں تو ہوتا ہے ہوا میں اڑنا، پانی میں چلنا، اور اس قسم کے خرقِ عادات کا ظہور ہونا، حالانکہ اس کا ولایت سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہ تو ہندو لوگ بھی کرتے پھرتے ہیں، ولایت کہتے ہیں: شریعت کے اوپر استقامت کے ساتھ عمل پیرا ہونا، جو شخص شریعت کے اوپر عمل پیرا ہونے لگ جائے وہ ولایت کے پہلے درجے میں آجاتا ہے۔

ولایت صغریٰ اور ولایت کبریٰ

ولایت کئی طرح کی ہے، ایک ہے ولایت صغریٰ اور ایک ہے ولایت کبریٰ، سمجھنے کے لئے آسان لفظوں میں اس کا فرق یہ ہے کہ اگر بندے کے اندر گناہ کی خواہش تو گذرے Temptation (تحریک) تو ہو، مگر بندہ اسے روک لے، اس پر قابو پالے اور تقاضے پر عمل نہ کرے، شریعت کا پابند رہے تو اس بندے کو ولایت کا پہلا مرتبہ حاصل ہو گیا، اس کو ولایت صغریٰ کہتے ہیں۔ بسا اوقات انسان کے دل کی کیفیت ایسی ہوتی ہے کہ طبیعت ہی اتنی سلیم الفطرت بن جاتی ہے کہ گناہ کا دل ہی نہیں چاہتا۔ مثال کے طور پر عام مسلمان آدمی کو اگر کوئی کہے کہ چلئے آپ کو سؤر کا گوشت کھلاتے ہیں، حالانکہ وہ بے نمازی ہے، ڈاڑھی منڈا ہے، لیکن ایک طبعی کراہت اس کے اندر ہوگی، وہ کہے گا کہ نہیں، مجھے نہیں چاہئے، اگر بتا دو کہ اس

ہوٹل پر سُوٗر کا گوشت پکتا ہے تو اس ہوٹل سے کوئی چیز لینا ہی بند کردے گا۔ تو جیسے ایک عام مومن کو سُوٗر سے طبعی کراہت اللہ نے دے دی ہے اور وہ نام آتے ہی دور ہو جاتا ہے، ایسے ہی جو اولیاء کاملین ہوتے ہیں، ان کو ہر گناہ سے اسی طرح طبعی بُعد ہو جاتا ہے، طبیعت ہی پسند نہیں کرتی۔ بہت سے لوگوں کو آپ نے دیکھا ہوگا کہ میوزک اتنی بری لگتی ہے کہ اگر مسجد میں کسی سیل فون پہ بجنے لگتی ہے تو کوفت ہوتی ہے، یہ نہیں کہ بندہ انجوائے کرتا ہو، دل خود کہتا ہے کہ اتنی بھی سمجھ نہیں ہے کہ مسجد کے اندر میوزک کی آواز؟ تو یہ کانوں کو بری لگ رہی ہوتی ہے، اسی طرح جب گناہ طبیعت کو برے لگنے لگ جائیں، بے ساختگی کے ساتھ شریعت پر انسان عمل کرنے والا بن جائے، گناہ کا تقاضا ہی دل میں نہ آئے نفس اتنا شریعت کے مطابق ڈھل جائے کہ مکروہات شرعیہ مکروہات طبعیہ بن جائیں تو اس کو کہتے ہیں ولایت کبریٰ۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں

چنانچہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ جب پڑھاتے تھے تو ایک دن انھوں نے سوچا کہ حضرت حاجی صاحب کی صحبت میں ہو کے آتا ہوں، چنانچہ گنگوہ سے تھانہ بھون آگئے، وہاں حضرت حاجی صاحب سے ملاقات ہوگئی، اب نیت تو کی تھی کہ ملاقات کرکے واپس آئیں گے، لیکن حاجی صاحب نے بیٹھالیا، انھوں نے کہا: حضرت! اجازت ہو جائے تو میں واپس جانا چاہتا ہوں، فرمایا رشید احمد! کچھ وقت ہمارے پاس بھی گذارلو، فرمایا کہ حضرت! میں پڑھانے والا استاذ آدمی ہوں، تعلیم میرا کام ہے، میں نہیں چاہتا کہ طلبہ کا نقصان ہو، فرمایا: اچھا رشید احمد! رات کو تو ٹھہر جاؤ، تو کہا کہ حضرت! میں رات اگر ٹھہر گیا تو آپ کی خانقاہ میں تو ساری رات ذکر ہوتا رہتا ہے، کوئی الا اللہ کی ضربیں لگاتا ہے، کوئی قرآن کی تلاوت کرتا ہے، یہ تو شب زندہ دار لوگ ہیں، مجھے تو نیند نہیں آئے گی اور اگر رات کو نیند نہ آئی تو کل میرا سبق کھوتا ہوگا، پھر طلبہ کی پڑھائی کا حرج ہوگا، حضرت نے فرمایا: میاں رشید احمد! تمہیں کوئی نہیں جگائے گا، تم سو جانا، تب کہا کہ حضرت! ٹھیک ہے پھر میں رات کو سو جاتا ہوں،

انھوں نے سونے کا ارادہ کرلیا، حضرت حاجی صاحب نے خادم کو کہا کہ میاں رشید احمد کی چارپائی ہماری چارپائی کے قریب لگا دینا —— اصل یہی ہوتا ہے کہ لوہا جب مقناطیس کے ساتھ ہوتا ہے تو نہ چاہتے ہوئے بھی خود بخود مقناطیسیت اس کے اندر آجاتی ہے، مقناطیسی سونڈ ایسا ہوتا ہے کہ مقناطیس لوہے کو بھی مقناطیس بنا دیتا ہے —— چنانچہ وہ سو گئے، فرماتے ہیں کہ رات کو میری آنکھ کھلی تو دیکھا کہ کوئی ذکر میں تھا، کوئی تہجد پڑھ رہا تھا، کوئی تلاوت کر رہا تھا، کوئی اللہ اللہ کی ضربیں لگا رہا تھا، میں نے سوچا کہ میں سو جاؤں، پھر میرے ذہن میں خیال آیا کہ رشید احمد! ورثۃ الانبیاء میں شامل ہونے کی تو بڑی تمنا تمھیں ہے، پر انبیاء علیہم السلام کا شعار تو یہ تھا کہ ارشاد ہے ''كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ۔ دوسری جگہ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْن ''اب یہ دونوں آیتیں یاد آنے لگ گئیں، حتی کہ تھوڑی دیر کے بعد بستر نے مجھے اچھال دیا —— کچھ اللہ کے ایسے بندے ہوتے ہیں کہ جب رات کا آخری وقت آتا ہے تو بستر ان کو اچھال دیتا ہے، کتنے تھکے ہوئے کیوں نہ ہوں، کتنی نیند غالب نہ ہو، اٹھ کے کھڑے ہو جاتے ہیں —— کہتے ہیں کہ میں اٹھ گیا، وضو کیا، تہجد پڑھی، ابھی فجر میں ٹائم تھا، میں نے بھی اللہ اللہ کی ضربیں لگانی شروع کردیں، لا الٰہ الا اللہ کا ذکر شروع کردیا، پھر فجر کی نماز پڑھ کے حاجی صاحب سے ملاقات ہوئی، حاجی صاحب نے فرمایا: میاں رشید احمد! وہ جو شخص یہاں بیٹھا لا الٰہ الا اللہ کا ذکر کر رہا تھا وہ کون تھا؟ کہا کہ حضرت وہ میں ہی تو تھا، فرمایا: اچھا آپ ذکر کر رہے تھے؟ کہا کہ جی حضرت! فرمایا: میاں رشید احمد! اگر ذکر کرنا ہی ہے تو سیکھ کے ذکر کرلو، میں نے کہا کہ حضرت! سکھا دیجئے، لیجئے حاجی صاحب نے قید کرلیا، حاجی صاحب نے بیعت کرلیا، فرماتے ہیں کہ بیعت کرتے ہی میرے دل کی حالت ایسی بدلی کہ میں نے کہا: میاں رشید احمد! اتنے سال تو ہم پڑھتے رہے اور پوری زندگی اب پڑھانا ہی ہے،

اگر ایک شیخ خود چاہتا ہے کہ میں اس کے پاس وقت گذاروں تو مجھے اس سے زیادہ شفقت اور محبت تو کبھی نہیں مل سکتی، لہٰذا میں چھٹی کر لیتا ہوں، کسی اور کے ذمہ لگا دیتا ہوں کہ وہ پڑھادے، میں نے ارادہ ظاہر کیا کہ حضرت! میں ایک مہینہ آپ کے پاس رہوں گا، حاجی صاحب خوش ہو گئے، ایک مہینہ حضرت حاجی صاحب نے اپنے پاس رکھا، توجہ دی، تربیت کی، ان کی اچھی نگرانی کی، ان کے دل پہ نظر کی، حتی کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو گئی، علم میں تو پہلے ہی سے بہت راسخ تھے، بس اس میں روح بھرنے والی بات تھی، وہ حاجی صاحب نے ایک نظر میں بھر دی، پھر حاجی صاحب نے امتحان لیا کہ نفس مرا ہے یا نہیں مرا۔ ہمارے بزرگ پہلے محنت کرواتے ہیں اور پھر ٹیسٹ لیتے ہیں کہ نفس مرا کہ نہیں مرا، تب اجازت دیتے ہیں ،چنانچہ ہوا یہ کہ حضرت مولانا فضلِ رحمان گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور حضرت حاجی صاحب اور وہ کسی جگہ کھانے پہ مدعو تھے، حضرت حاجی صاحب مولانا رشید احمد کو بھی ساتھ لے گئے، ابھی نوجوان لڑکے تھے، پڑھ کے فارغ ہوئے تھے، تھوڑا عرصہ ہوا تھا، جب وہاں گئے تو سبحان اللہ! پکانے والے نے دستر خوان پہ درجنوں ڈشیں رکھی ہوئی تھیں کہ پتہ نہیں مہمان کو کونسی پسند آئے، تو حضرت حاجی صاحب نے ایک پلیٹ لی اور اس کے اندر تھوڑی سی دال ڈالی اور دو چپاتیاں لیں اور میاں رشید احمد کے ہاتھ میں پکڑا کے کہا: میاں رشید احمد تم دستر خوان کے کونے پہ بیٹھ کے کھانا کھالو، لیجئے ان کو تو دال چپاتی اور خود کے لئے ماشاء اللہ مرغے! ہم جیسا کوئی مولوی ہوتا تو بیعت ہی توڑ دیتا کہ پیر صاحب کو مساوات نہیں آتی، مگر یہ تو حکیم لوگ تھے جو بندے کا علاج کرتے تھے، وہ سمجھتے تھے کہ جو شیخ کر رہے ہیں اس کے پیچھے حکمت ہے ''فعلُ الحکیم لَا یَخلو عن الحکمة''۔ اب جب میاں رشید احمد وہاں بیٹھ کے کھانا کھانے لگے تو حاجی صاحب نے کھاتے کھاتے ان پر وار کیا: رشید احمد! دل تو یہ چاہتا تھا کہ تمہیں دروازے کے پاس جوتے کے ساتھ بیٹھا دیتا، مگر میں نے سوچا کہ چلو دستر خوان کے کونے پہ بیٹھا دیتا ہوں، بس یہ بات کہہ کے حضرت حاجی صاحب نے ان کے چہرے کو

دیکھا کہ چہرے پہ ناگواری کے آثار تو نہیں ظاہر ہوئے، تو مولانا رشید احمدؒ نے بڑے مسکراتے چہرے کے ساتھ کہا: حضرت! آپ نے سچ فرمایا، میں تو آپ کے جوتوں میں بھی بیٹھنے کے قابل نہیں تھا اور آپ نے یہ جو دسترخوان کے کونے پہ بیٹھادیا، آپ نے مجھ پہ احسان فرمایا، حاجی صاحب نے فرمایا: الحمدللہ کہ نفس بھڑکا نہیں، مر چکا ہے، پھر حاجی صاحب نے اس کے بعد الوداع کیا اور اجازت وخلافت دی، جب خلافت دی تو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کہنے لگے: حضرت! میرے اندر تو کچھ نظر ہی نہیں آتا، فرمایا: میاں رشید احمد! یہ تمہیں نسبت کی بشارت اس لئے دی گئی ہے کہ تمہیں اپنے اندر کچھ نظر نہیں آتا، اگر نظر آتا تو تجھے کبھی نہ خوشخبری دی جاتی، خیر جب مولانا رشید احمد چلنے لگے تو کہا: حضرت دعا کیجئے اور رونا آجائے، حضرت گنگوہی کو زمانہ طالب علمی میں رونا کم آیا کرتا تھا، اب جب واپس آئے تو نسبت نے پر پُرزے نکالنے شروع کر دئے، طبیعت کے اندر ذوق آگیا، وجدان آگیا، اب تہجد میں اٹھتے ہیں تو بس رونا ہوتا، اتنا گڑگڑا کے روتے کہ گرجاتے اور سانس رکنے لگتی، پھندا سا لگنے لگتا، خط لکھنا پڑا کہ حضرت! اتنا رونا آتا ہے کہ پھندا سا لگنے لگ گیا، کیفیت یہ بن گئی، ایک دو سال کے بعد پھر ملاقات ہوئی، اس ملاقات کے موقع پہ حاجی صاحب نے ایک بڑا خوبصورت سوال پوچھا: میاں رشید احمد! بیعت کرنے سے پہلے اور بیعت کرنے کے بعد تمہیں اپنے اندر کیا فرق نظر آیا؟ حضرت تھوڑی دیر تو سوچتے رہے، فرمانے لگے کہ مجھے تین فرق نظر آرہے ہیں، پوچھا کہ کون کون سے؟ فرمایا کہ حضرت! ایک فرق تو یہ نظر آیا کہ بیعت ہونے سے پہلے بہت اشکالات وارد ہوتے تھے، ان کو حل کرنے کے لئے حاشیہ دیکھتے تھے، پھر کوئی شرح دیکھتے تھے، تو بڑی مشکل سے اشکال دور ہوتے تھے، جب سے بیعت ہوا ہوں کوئی اشکال ہی وارد نہیں ہوتا۔ پوچھا کہ اور؟ فرمایا: حضرت! دوسری بات یہ کہ جن چیزوں سے شریعت نے کراہت کی ہے طبیعت خود بھی کراہت کرنے لگ گئی ہے۔ پوچھا کہ اور؟ فرمایا: حضرت! تیسری بات یہ ہے کہ دین کی بات کرنی ہوتی ہے تو میں کسی کی مدح وذم کا خیال نہیں کرتا، حق

بات کر دیتا ہوں، حضرت نے فرمایا: میاں رشید احمد! علم کے درجے ہیں، پہلا درجہ یہ ہے کہ بندہ کو نصوص شرعیہ میں کہیں بھی تعارض نہ نظر آئے، یہ علم کا پہلا درجہ ہے۔ اور دوسرا یہ کہ مکروہات شرعیہ مکروہات طبعیہ بن جائیں۔ اور تیسرا ہے اخلاص، اور اخلاص کا کمال یہ ہے کہ دین کے معاملہ میں مدح وذم برابر ہو جائیں، میاں رشید احمد! تمہیں مبارک ہو، اللہ نے تمہیں علم میں بھی کمال دے دیا، اخلاص میں بھی کمال عطا فرما دیا، بیعت کی یہ برکت ہے کہ وہ انسان میاں رشید احمد سے بلند ہو کر حضرت گنگوہیؒ بن جاتا ہے۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا مقام

علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ میرے نزدیک حضرت گنگوہیؒ علامہ شامیؒ سے زیادہ فقیہ تھے، اب علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا یہ فرمانا اور لکھنا کہ میری نظر میں حضرت گنگوہیؒ علامہ شامیؒ سے زیادہ فقیہ تھے، یہ کوئی چھوٹی سی بات نہیں ہے، بہت بڑی بات ہے، اللہ نے یہ رتبہ ان کو کیسے دیا؟ اللہ نے ان پر علم کا رنگ چڑھا دیا۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جیسے عالم، حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کیوں بیعت ہوئے؟

اسی لئے کسی نے حضرت گنگوہیؒ سے پوچھا تھا کہ آپ تو جبال العلم میں سے ہیں، آپ کو حضرت حاجی صاحب سے بیعت ہونے کی کیا ضرورت تھی؟ تو انھوں نے بڑا پیارا جواب دیا، فرمایا کہ ہم نے مٹھائیوں کے نام تو دار العلوم میں رہ کے پڑھ لئے تھے، مٹھائیوں کے ذائقے کا پتہ نہیں تھا، ہم حاجی صاحب کے پاس آئے کہ ہمیں مٹھائیوں کے ذائقے کا پتہ چل جائے، زہد، انابت، توکل، تسلیم، رضا، صبر یہ مٹھائیاں ہیں، تو لفظ تو پڑھ لئے تھے، لیکن حقیقت کیا ہے، اس کا پتہ نہیں تھا، حقیقت پانے کے لئے حاجی صاحب کے پاس آئے، چنانچہ اللہ رب العزت نے ان کو پھر وہ مقام عطا فر دیا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خلیفہ

ہمارے علاقے میں ایک بزرگ گذرے ہیں حضرت مفتی حسن رحمۃ اللہ علیہ، یہ حضرت اقدس تھانویؒ کے اجل خلفاء میں سے تھے، امرتسر کے رہنے والے تھے، لاہور چلے گئے، وہاں انھوں نے جامعہ اشرفیہ کے نام سے ایک مدرسہ بنایا، بڑے مدارس میں سے ہے۔ وہ اپنی بیعت کا واقعہ خود سنایا کرتے تھے، کہتے ہیں کہ مجھے حضرت اقدس تھانویؒ سے عقیدت تو بہت تھی، میں نے کئی مرتبہ بیعت ہونے کا اظہار بھی کیا، لیکن حضرت فرماتے کہ مفتی صاحب! بیعت کا اصل مطلب تو ہوتا ہے محبت اور عقیدت کا ہونا، کہ مرید کی طرف سے عقیدت ہو اور شیخ کی طرف سے محبت ہو، تو مقصود موجود ہے، بیعت کی کیا ضرورت ہے؟ تو حضرت ٹرخا دیتے، میں چپ ہوجاتا، ایک مرتبہ مجھ پر اتنا غلبہ ہوا کہ میں نے فیصلہ کرلیا کہ آج جو مرضی ہو، مجھے بیعت ہو کے ہی واپس لوٹنا ہے، میں تھانہ بھون پہنچا، حضرت تصنیف وتالیف کا کام کر رہے تھے، سلام کیا، پوچھا: کیسے آئے؟ کہا: حضرت! بیعت ہونے کے لئے، فرمایا: مفتی صاحب! مقصود تو آپ کو حاصل ہے، میں نے کہا: حضرت! مقصود تو حاصل ہے، آج ظاہر میں بھی بیعت ہو کے جانا ہے، جب حضرت نے دیکھا کہ آج تو یہ پکا تیار ہو کے آیا ہے، تو حضرت نے اپنا قلم ایک طرف رکھ لیا اور مجھے بیٹھا لیا، فرمانے لگے کہ مفتی صاحب! میری بیعت کے لئے تین شرطیں ہیں، پوری کریں گے؟ میں نے کہا: کونسی؟ فرمایا: پہلی شرط یہ ہے کہ آپ امرتسر کے رہنے والے ہیں، پنجابی زبان بولتے ہیں اور پنجابی زبان بولنے والے جب قرآن مجید کی قراءت کرتے ہیں تو غنے بہت کرتے ہیں، پنجابی زبان میں غنے بہت ہوتے ہیں، تو آپ کسی اچھے مجرب قاری سے تجوید پڑھیں، اتنی تجوید پڑھیں کہ فجر کی نماز طوال مفصل کے ساتھ پڑھا سکیں، میں نے کہا: حضرت! میں حاضر ہوں، میں تجوید پڑھ لوں گا۔ فرمایا: دوسری شرط یہ ہے کہ آپ نے فلاں اور فلاں کتابیں فلاں عالم سے پڑھی ہیں اور وہ غیر مقلد تھا اور یہ جراثیم کبھی نہیں نکلتے، لہٰذا آپ ان کتابوں کو دار العلوم کے کسی استاذ سے پڑھیں، مگر شاگردوں

کے ساتھ بیٹھ کے پڑھیں، اس وقت مفتی حسن صاحب خود دارالعلوم میں ابتدائی اسباق پڑھاتے تھے، بڑے ہونہار تھے، مفتی بھی تھے، حضرت فرمارہے ہیں کہ آپ دارالعلوم کے طلبہ کے ساتھ بیٹھ کر استاذ سے ان کتابوں کو دوبارہ پڑھیں، فرمایا: حضرت میں اس کے لئے بھی تیار ہوں۔ اور تیسری شرط یہ ہے کہ مجھے اجازت دو اگر میں چاہوں تو میں پردے میں آپ کی اہلیہ کو قسم دے کر آپ کی نجی زندگی کے بارے میں سوال پوچھ سکوں، میں نے کہا: حضرت! اجازت ہے۔ یہ اخلاص تھا مرید کا اور یہ اخلاص تھا پیر کا، وہ حضرات ایسے مخلص تھے، چنانچہ حضرت نے بیعت فرمالیا اور بیعت فرمانے کے بس چند ہی دن کے بعد نسبت عطا فرمادی، جو سینے سے سینے میں منتقل ہوتی ہے، جس کے بارے میں نبی ﷺ نے بتلایا: ''مَاصَبَّ اللهُ فِيْ صَدْرِيْ اِلَّا وَقَدْ صَبَبْتُهٗ فِيْ صَدْرِ أَبِيْ بَكْرٍ'' اللہ نے جو میرے سینے میں ڈالا تھا میں نے اسے ابوبکر کے سینے میں ڈال دیا ہے، یہ ایک نور ہوتا ہے، معرفت ہوتی ہے، جو دلوں سے دل اخذ کر لیتے ہیں، یہ مقناطیسیت ہوتی ہے، چنانچہ جب یہ مقناطیسیت ان کے دل میں گھسی تو اللہ نے ان کو مفتی حسنؒ بنادیا۔

نسبت کی برکات

ہمارے اکابر نے اس نسبت کو سیکھا ہے، آپ اگر غور کریں تو امت میں جن سے اللہ نے کام لیا ہے وہ سارے کے سارے آپ کو صاحب نسبت نظر آئیں گے، آپ ایک بندہ بھی ایسا نہیں دیکھا سکتے جس میں نسبت نہ ہو اور پھر کوئی پائیدار کام کیا ہو، وقتی کام تو سبھی کرتے ہیں، وہ تو ڈھلتی چھاؤں ہے، اسے قبولیت نہیں ہوتی، جس کام کو اللہ نے قبولیت دی ہے وہ کام انھوں نے کیا ہوگا جو ظاہری علم کے ساتھ باطنی علم کے بھی جامع تھے، یعنی مرج البحرین تھے۔ آج کے دور میں بھی اصول تو وہی ہے کہ اگر ہم اپنے آپ کو سنواریں گے اور اپنے اندر اللہ کی محبت کو بھریں گے اور ''صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً'' اللہ کے رنگ میں رنگیں گے تو پھر ہم سے کام لیا جائے گا، ورنہ کام تو سب کر رہے ہیں، قبولیت پتہ نہیں

کس کے مقدر میں آئے گی، قبولیت نصیب ہونے کے لئے یہ نسبت کا نور ضروری ہوتا ہے، تب آگے کام بنتا ہے اور ہمارے بزرگوں کی یہ نسبت قیامت تک چلے گی، اللہ تعالیٰ اس کو آگے چلائیں گے، جو اس کو حاصل کرے گا اللہ اس کے کام میں برکتیں عطا فرمائیں گے، مگر اس کے لئے کوشش ہم میں سے ہر ایک کو کرنی پڑے گی، ورنہ ظاہر داری ہے ؎

تو عرب ہے یا عجم ہے تیرا لا الٰہ الا
لغت غریب جب تک تیرا دل نہ دے گواہی

جب تک دل گواہی نہ دے یہ لا الٰہ کا پڑھنا لغت غریب کے مانند ہے، اللہ کے یہاں قبولیت تب ہوتی ہے جب من کے اندر روشنی آتی ہے، اس کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ دنیا میں گناہوں سے جان چھوٹ جاتی ہے، معصیت کی ذلت سے بندہ نکل جاتا ہے۔

تصوف کا مقصد

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا تھا: حضرت! تصوف کا مقصود کیا ہے؟ تو حضرت نے فرمایا کہ تصوف کا مقصود یہ ہے کہ انسان کے رگ رگ اور ریشہ ریشہ سے گناہوں کا کھوٹ نکل جائے تو دو باتیں بڑی اہم ہیں، اس نسبت کو حاصل کئے بغیر گناہوں سے جان نہیں چھوٹتی، بھلے بال سفید ہو جائیں، بھلے انسان ہزاروں طلبہ کا استاذ بن جائے، سوچ گندی رہتی ہے، من پاپی رہتا ہے، اندر سے انسان دورنگا ہوتا ہے، دوغلا پن ہوتا ہے، نفاق ہوتا ہے۔ اور دوسری بات یہ کہ نسبت کی محنت کے بغیر مقام احسان والی نماز نصیب نہیں ہوتی، مجھے آج تک زندگی میں کوئی ایسا بندہ نہیں ملا کہ جس نے محنت نہ کی ہو اور اس کو ویسے ہی مقام احسان والی نماز مل گئی ہو، اِدھر کا خیال، اُدھر کا خیال، اِدھر توجہ، کبھی اُدھر توجہ، کھڑے کہیں ہیں، پہنچے ہوئے کہیں ہیں، اگر یہ دو علامتیں اپنے اندر نظر آرہی ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں اپنے من کو سنوارنے کی ضرورت ہے۔

دل کو بنانے کی ضرورت

ہر چیز کا ایک ٹیسٹ ہوتا ہے، ٹیسٹ سن لیجئے، اللہ فرماتے ہیں کہ اے میرے پیغمبر کی بیویو! اگر تمہیں پردے کے پیچھے سے بات کرنی پڑے تو تم ذرا سخت لہجے میں بات کرو "فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ" اگر تم نرم بات کروگی تو جس کے دل میں مرض ہے اس کو طمع ہوگی، تو غیر محرم کو دیکھ کر یا غیر محرم سے بات کر کے دل میں طمع آنا یہ فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ کی دلیل ہے، تو اگر ہم نماز پڑھ کے باہر گلی میں نکلتے ہیں تو غیر محرم پہ نظر پڑتی ہے اور دل بھی للچارہا ہے تو یہ علامت قرآن مجید کے حساب سے "فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ" کی ہے، اور اس مرض کا علاج ضروری ہے، ورنہ مرض کو لے کر سیدھے کے سیدھے جہنم میں جائیں گے، جسمانی طور پر قلب بیمار ہوتا ہے تو موت کے منہ میں ڈھکیل دیتا ہے اور جب روحانی طور پر یہ بیمار ہوتا ہے تو جہنم کے منہ میں ڈھکیل دیتا ہے، اور دل کا مریض ہمیشہ قابلِ رحم ہوتا ہے، جسمانی مریض ہو یا روحانی، اس لئے ہمیں اپنی موت سے پہلے پہلے اس دل پر محنت کرنی ہے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان چہروں کو نہیں دیکھیں گے، "إِنَّ اللهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُوَرِكُمْ وَلَا إِلَى أَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوْبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ" وہ تو دلوں کو دیکھیں گے۔ "يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ۝ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ۝ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ۝ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ" قلب سلیم اور قلب منیب تو لے کے جانا پڑے گا، اللہ تعالیٰ دلوں کے بیوپاری ہیں، بندوں سے دل مانگتے ہیں، اگر اس دل کے اندر غیر کی محبت ہو تو قبول نہیں کریں گے، "اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ" تمہارے دل میں دنیا بھری ہوئی ہے، ہم دنیا کو جہنم میں ڈال رہے ہیں، تم بھی جاؤ دنیا کے ساتھ، لہٰذا اس دل کو بنانا پڑے گا، تاکہ اللہ رب العزت کو پسند آجائے اور اس دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت بھر جائے۔

یہ ذکر وسلوک کی محنت اسی کام کے لئے ہے اور آج کے اس دور میں فتنوں سے بچنے کا یہ واحد ذریعہ ہے، آپ غور کریں کہ ہمارے اسلاف جس وقت میں پیدا ہوئے تھے وہ

اپنے تقویٰ وطہارت کے باوجود اِس دور میں پیدا ہونے سے اللہ کی پناہ مانگتے تھے،، ہم اپنی بے عملیوں کے باوجود اِس زمانے میں زندہ ہیں، آج کے دور میں وہ بزرگ جن کے دلوں میں احد پہاڑ کے برابر ایمان ہے، وہ بھی لرزاں اور ترساں ہیں کہ پتہ نہیں کیا بنے گا، اس لئے کہ یہ وہ زمانہ ہے فرمایا: ''يُصْبِحُ مُؤْمِنًا وَيُمْسِيْ كَافِرًا'' ایسے ایسے فتنے ہیں ایک شخص صبح اٹھے گا ایمان والا، شام کو سونے کے لئے بستر پہ جائے گا تو ایمان سے خالی ہوگا۔ اب اس فتنوں کے زمانے میں ہم جیسے بندے دل سے ہی غافل ہوں، پرواہ ہی نہ ہو کہ دل بنانا ہے کہ نہیں بنانا ہے، تو ہمارا کیا بنے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے آپ پر محنت کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہم کچھ تو اپنے دل کو بنالیں، اللہ کے سامنے پیش کرنے کے قابل بنانے کی کوشش کرلیں۔

دل اللہ کا گھر ہے

ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر دل اللہ کا گھر ہے تو اللہ اپنے گھر کو خود ہی صاف کرلے؟ مفسرین نے اس کا جواب لکھا، وہ فرماتے ہیں کہ جب گھر کرائے پہ ہوتا ہے تو پھر گھر کی صفائی کرائے دار کے ذمہ ہوتی ہے، جب دنیا میں یہ دل ہمارے پاس ہے تو صفائی کی ذمہ داری کس پہ ہوئی؟ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اس کو صاف کریں، مسئلہ ہے شریعت کا کہ جس گھر کے اندر مورتی ہو، تصویر ہو، کتا ہو، تو رحمت کا فرشتہ اس گھر میں نہیں آتا۔ تو جس گھر میں تصویر ہو اس میں رحمت کا فرشتہ نہیں آتا تو جس دل میں کسی بندے کی تصویر ہو اللہ کی رحمت کا اس کے اوپر نزول نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْ اَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُوْنَ'' کیا تم نے اپنے دل کو صنم خانہ بنالیا، بت خانہ بنالیا، کیا تم نے اپنے دل کو گردخانہ بنالیا، اس دل کو صاف کرنا پڑے گا، اس دل پہ محنت کرنی پڑے گی، تاکہ یہ دل صاف ہوجائے، اس کے اندر سے گناہوں کی ذلت ختم ہوجائے۔

اب ہم چاہتے ہیں کہ جیسا دل ہے ویسے ہی اللہ معرفت دے دیں، اللہ نور دے دیں تو غور کریں کہ اگر ایک بندہ آپ سے دودھ لینے کے لئے آئے اور اس کے برتن کے اوپر

پاخانہ لگا ہوا ہو تو آپ دودھ بھر دیں گے؟ آپ کہیں گے کہ صاف برتن لے کے آؤ، اگر ہم ایسے برتن کے اندر دودھ ڈالنا پسند نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ میلے آلودہ دلوں کے اندر علم و معرفت کو ڈالنا پسند نہیں کرتے۔ اس لئے ہمارے بزرگ ان دلوں کو چمکاتے تھے اور پھر چمکا کے دعائیں کرتے تھے

ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی　　　اب تو آجا اب تو خلوت ہوگئی

کوئی تو زندگی کا دن ہم بھی ایسا گذاریں کہ سارے دن میں ہم نے کوئی بھی گناہ نہ کیا ہو۔

ہمارے سلسلۂ عالیہ کے ایک بزرگ رحمۃ اللہ علیہ تھے، وہ فرمایا کرتے تھے جس شخص نے جو دن گناہوں کے بغیر گذارا وہ ایسا ہی ہے کہ وہ دن اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں گذارا، ہمارے دل میں بھی تمنا ہو کہ اللہ ہمیں بھی ایسا بنا دے۔ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس امت میں ایسی پاک باز ہستیاں گذری ہیں کہ گناہ لکھنے والے فرشتوں کو بیس بیس سال تک گناہ لکھنے کا موقع ہی نہیں ملتا تھا۔ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عورت کا واقعہ لکھا ہے جو ''المرأۃ المتکلمۃ بالقرآن'' قیامت کے دن ایسی بھی ہستیاں اللہ کے سامنے کھڑی ہوں گی، وہاں ہمیں اور آپ کو کتنی شرم آئے گی، اللہ! آپ نے وقت بھی دیا، نعمتیں بھی دیں، عزتیں بھی دیں، ہمارے اوپر پردے بھی ڈالے اور ہم تیرے کرم سے عزتوں کی زندگی بھی گذارتے رہے، مگر ہم نے تجھے اپنے دل میں لانے کے لئے کوشش بھی نہ کی، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے آپ پہ محنت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

❁❁❁

اگلے صفحہ پر آپ جو خطاب ملاحظہ فرمائیں گے، وہ میل و شارم کے "KH" گرلس اسکول میں ۱۹/اپریل ۲۰۱۱ء بروز سہ شنبہ، وقت: ساڑھے گیارہ بجے دِن میں ہوا تھا۔

محتاط تخمینہ کے مطابق مستورات کی تعداد ۸ سے ۱۰ ہزار بتائی گئی ہے۔

مستورات مجلس

محبت بھری زندگی کیلئے چھ ۶ باتوں سے بچیں

حمدللہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا

سبحان ربک رب العزة عما یصفون و سلام علی المرسلین والحمدللہ رب العالمین

اللھم صل علی سیدنا محمد و علی اٰل سیدنا محمد و بارک وسلم

اللھم صل علی سیدنا محمد و علی اٰل سیدنا محمد و بارک وسلم

اللھم صل علی سیدنا محمد و علی اٰل سیدنا محمد و بارک وسلم

دین اسلام دلوں کو جوڑنے کا ذریعہ

اللہ رب العزت نے اس کائنات میں دو چیزوں کو جوڑنے کے لئے کوئی نہ کوئی چیز بنائی ہے، دو اینٹوں کو جوڑنا ہو تو سیمنٹ استعمال کیجئے، وہ دو اینٹیں یکجان ہو جائیں گی، کاغذ کے دو ٹکڑوں کو جوڑنا ہو تو سیمنٹ کام نہیں آئے گا، گلو استعمال کریں تو وہ ٹکڑے یکجان بن جائیں گے، لکڑی کے دو ٹکڑوں کو جوڑنا ہو تو اس کے لئے اللہ نے کیل بنائی ہے، آپ کیل کے ذریعہ ان دو ٹکڑوں کو آپس میں جوڑیں تو وہ ایک بن جائیں گے، کپڑوں کے دو ٹکڑوں کو جوڑنا ہو تو نہ کیل کام آئے گی، نہ گلو کام آئے گی، نہ سیمنٹ کام آئے گی، اس کے لئے اللہ رب

العزت نے سوئی دھاگہ بنایا، اس کے ذریعہ دو ٹکڑے یکجان ہو جائیں گے، لوہے کے ٹکڑوں کو جوڑنے کے لئے سوئی دھاگا بھی کام نہیں آتا، اس کے لئے اللہ رب العزت نے ویلڈنگ کو بنایا، ویلڈنگ کے ذریعہ لوہے کے دو ٹکڑے یکجان ہو جاتے ہیں، پلاسٹک کے دو ٹکڑوں کو جوڑنا ہو تو اس کے کے لئے ایلفی استعمال کیجیے، دو ٹکڑے آپس میں جڑ جائیں گے۔ تو ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ دو چیزوں کو جوڑنے کے لئے جب کوئی نہ کوئی تیسری چیز ضروری ہوتی ہے تو دو دلوں کو جوڑنے والی چیز کونسی ہے؟ وہ کونسی چیز ہے جس کو استعمال کریں تو دو دل ایک دوسرے کے ساتھ محبت کے تعلق میں جڑ جائیں، اس چیز کا نام ہے دین و شریعت، اگر وہ دونوں بندے شریعت پر عمل کرنے والے بن جائیں، نیک ہو جائیں، تو ان کے دلوں میں اللہ محبت کو بھر دیں گے۔ چنانچہ قرآن مجید کی آیت ہے: ''اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا'' بیشک جو لوگ ایمان لائے، نیک اعمال کریں گے، رحمان ان کے لئے دلوں میں محبتیں ڈال دے گا۔ جو محبت دین کی نسبت سے ہوتی ہے وہ سب محبتوں سے زیادہ پکی ہوتی ہے، جو محبتیں دنیاوی اغراض کے لئے ہوتی ہیں وہ محبتیں نہیں کہلاتیں، وہ تو خواہشات کہلاتی ہیں، اِدھر خواہش پوری ہوئی اُدھر نشہ اتر گیا، اس لئے کہا جاتا ہے کہ دنیا مطلب کی ہوتی ہے، مطلب نکل جاتا ہے تو لوگ آنکھیں پھیر لیتے ہیں، مگر دین کی محبت تو سچی محبت ہوتی ہے، دائمی محبت ہوتی ہے، جب اللہ تعالیٰ دین کی نسبت سے ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیتے ہیں تو یہ زندگی بھر کی محبت ہوتی ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگیاں محبتوں کا نمونہ

اس کی مثال صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگیاں ہیں، ان میں آپس میں اتنی محبتیں تھیں کہ ایک کا غم دوسرے کا غم، ایک کی خوشی دوسرے کی خوشی تھی، ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح رہتے تھے کہ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں فرمایا: ''رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ'' وہ تو ایک دوسرے کے ساتھ بہت رحیم و کریم ہیں۔ اللہ رب العزت قرآن مجید میں فرماتے ہیں: اے

میرے پیارے حبیب! ''لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ آپ زمین کے سارے خزانے خرچ کر دیتے تو بھی آپ ان کے دلوں میں محبتیں نہیں ڈال سکتے تھے، ''وَلٰکِنَّ اللّٰہَ اَلَّفَ بَیْنَھُمْ'' ان کے دلوں میں تو اللہ نے محبتیں ڈالی ہیں۔

مخلوق سے محبت کرنے والے سے اللہ محبت کرتے ہیں

اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے خوش ہوتے ہیں جو محبت کے نمونے بن کر رہتے ہیں، وہ اللہ سے بھی محبت کرتے ہیں اور اس کی فرمانبرداری کرتے ہیں اور اللہ کے بندوں سے بھی اللہ کے لئے محبت کرتے ہیں۔ چنانچہ ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے، ایک رات آنکھ کھلی تو دیکھتے ہیں کہ کوئی فرشتہ ہے اور کمرے میں روشنی ہے اور وہ بیٹھا ہوا کچھ لکھ رہا ہے ،انھوں نے پوچھا: کیا لکھ رہے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ ان لوگوں کے نام لکھ رہا ہوں جو اللہ سے محبت کرتے ہیں، تو ابراہیم ادہمؒ نے کہا: بھائی! لسٹ میں دیکھو میرا نام ہے یا نہیں؟ اس نے کہا: تم بادشاہ ہو، تم دنیا دار بندے ہو، تمہارا اللہ کے چاہنے والوں میں کہاں سے نام آئے گا؟ چنانچہ پوری فہرست دیکھی تو ان کا نام نہیں تھا، تو ابراہیم ادہمؒ نے اس سے کہا کہ اچھا اگر اللہ کے چاہنے والوں میں میرا نام نہیں تو میرا نام اس فہرست میں لکھ دو جو اللہ کے بندوں سے محبت کرتے ہیں، چنانچہ اس نے وہ نام لکھ لیا، اللہ کی شان دیکھیں کہ کچھ عرصے کے بعد پھر خواب آیا، دیکھا کہ وہی بندہ کچھ لکھ رہا ہے، پوچھا: کیا لکھ رہے ہو؟ اس نے کہا کہ ان لوگوں کے نام لکھ رہا ہوں جن سے اللہ رب العزت محبت کرتے ہیں، پوچھا میرا نام ہے؟ تو اس نے دکھایا کہ سب سے اوپر ابراہیم ادہم کا نام لکھا ہوا تھا، تو جو بندہ اللہ کے بندوں سے دین کی نسبت سے محبت کرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس بندے سے محبت فرماتے ہیں۔

دوسروں کے دل خوش کرنا اللہ کی نگاہ میں

دین یہ چاہتا ہے کہ ہم مل جل کر زندگی گذاریں، ہم اچھے اخلاق سے زندگی گذاریں، ہمارے اندر ایثار ہو، ہمدردی ہو، عفو ودرگذر ہو، ایک دوسرے کے لئے محبتیں

ہوں۔ بہت سی مرتبہ جب دینداری نہیں ہوتی تو پھر طبیعتوں کے اندر نفرتیں، عداوتیں دشمنیاں، غصے وغیرہ یہ چیزیں آجاتی ہیں اور یہ چیزیں اللہ رب العزت کو ناپسند ہیں، لہٰذا ہمیں چاہئے کہ گھر کے اچھے فرد بن کر رہیں، معاشرے کے اچھے فرد بن کر رہیں، ایک اچھے مسلمان بن کر رہیں، اپنی طرف سے دوسروں کو راحت پہنچائیں، اپنی طرف سے اللہ کے بندوں کے لئے راحتِ جان بنیں، دوسروں کے ساتھ اتنے اچھے اخلاق کا برتاؤ کریں کہ ان کے دل سے دعائیں نکل رہی ہوں، دوسروں کے دل جیت لیں، اس لئے کہ کسی مسلمان کے دل کو خوش کرنا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ ایک شخص نے ان سے سات سو دینار مانگے، انھوں نے سات ہزار دینے کا حکم دیا تو پوچھنے والے نے پوچھا کہ اس نے تو سات سو مانگے تھے، آپ نے سات ہزار کا حکم دیا؟ فرمایا اس لئے کہ میں چاہتا تھا کہ اس کو سات ہزار ملے اور اس کے دل کو خوشی ملے جس کی وہ توقع نہیں کرتا تھا، اور یہ جو کسی مسلمان کے دل کو اچانک خوشی پہنچائی ہوتی ہے یہ اللہ تعالیٰ کو اتنی پسند ہے کہ اس عمل پر اللہ تعالیٰ بندے کی زندگی کے پچھلے سب گناہوں کو معاف کردیتے ہیں۔

اب ذرا سوچئے کہ کسی کے دل کو خوش کرنا جس کی اس کو توقع نہ ہو، اس پر اللہ تعالیٰ اتنے خوش ہوتے ہیں تو ہمیں چاہئے کہ اپنے گھروں میں رہتے ہوئے ہم دوسروں کے دل خوش کریں، عورتیں اپنے خاوند کا دل خوش کریں، والد کا دل خوش کریں، بھائی کا دل خوش کریں، بیٹے کا دل خوش کریں، بیٹیوں کا دل خوش کریں، ماحول کے اندر رہتے ہوئے اللہ کے بندوں اور بندیوں کے لئے خوشیوں کا سبب بن کر رہیں، اگر آپ اس طرح بن کر رہیں گی تو اللہ رب العزت آپ سے محبت فرمائیں گے، آپ خود گھر میں دیکھیں کہ آپ کے بچوں میں سے اگر کوئی بچہ سب کے ساتھ صلح صفائی سے رہتا ہو، سب کے ساتھ محبت پیار کرتا ہو، تو وہ بچہ آپ کی آنکھ کا تارا ہوتا ہے، کہ میرا تو یہ بچہ فرشتہ صفت ہے، میرا اتنا اچھا بچہ ہے، جھگڑا نہیں کرتا، فساد نہیں مچاتا، اودھم نہیں کرتا، دھمال نہیں ڈالتا، یہ تو بہت ہی پیارا بچہ ہے۔ بالکل اسی طرح جو انسان، مرد ہو یا عورت، گھر کے اندر، معاشرے کے اندر ایک اچھا انسان بن کر رہے، اخلاق

اچھے ہوں، کردار اچھا ہو، نیت اچھی ہو، تو اللہ تعالیٰ کو بھی اس بندے پہ پیار آتا ہے کہ یہ میرا کتنا پیارا بندہ ہے، کتنا اچھا بندہ ہے، جو دوسرے بندوں کے لئے راحتِ جان بن گیا ہے۔

اچھا انسان بننے کے لئے چھ ٦ چیزوں سے بچنا ضروری ہے

اب دل میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم ایسے اچھے انسان کیسے بنیں؟ اس کے لئے علماء نے چھ چیزیں بتائی ہیں کہ اگر انسان ان ٦ چیزوں سے بچے تو وہ اچھا انسان بن جاتا ہے اور یہ ٦ چیزیں وہ ہیں جو دلوں کے اندر نفرتیں پیدا ہونے کا سبب بنتی ہیں، جو ایک دوسرے کے دل کے دور ہونے کا سبب بنتی ہیں، وہ ٦ چیزیں انسانوں کے دلوں میں فاصلے ڈال دیتی ہیں، آج کی اس مجلس میں انہی ٦ چیزوں کا تذکرہ کرنا ہے۔ اور عجیب بات ہے کہ وہ سارے الفاظ ''غ'' حرف سے شروع ہوتے ہیں، تو ٦ غین آج آپ کو بتائے جائیں گے، آپ کو انھیں یاد کرنا ہے اور ان سے اپنے آپ کو بچانا ہے، پھر دیکھنا آپ کے اخلاق کتنے اچھے بنتے ہیں۔

پہلی چیز: غفلت

ان میں سے سب سے پہلی چیز ''غ'' سے غفلت ہے، یہ غفلت اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں، اس لئے فرمایا: ''وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغَافِلِيْنَ'' آپ غافلین میں سے نہ ہوں۔ غافل کہتے ہیں بھول جانا، یا کسی کو Ignore (نظر انداز) کر دینا، آج دیکھئے کہ یہی غفلت دوسرے کے ساتھ رنجش کا سبب بنتی ہے، لوگ کہتے ہیں کہ فلاں بندہ تو ہمیں اگنور کرتا ہے، بیوی کو میاں سے یہی شکوہ ہوتا ہے کہ سارے جہاں کی ان کو پرواہ ہے، ہماری تو پرواہ ہی نہیں، باہر دوستوں میں یہ بڑے خوش رہتے ہیں، ہم تو رات تک انتظار میں بیٹھتے ہیں، لیکن ہمارے ساتھ بات کرنے کے لئے کوئی ٹائم ہی نہیں ہوتا، بیوی ایک کام کہے اور خاوند بھول

جائے تو یقیناً وہ آپس میں تلخ کلامی کا ذریعہ بن جاتا ہے، آپ بیوی کو کام کہیں کہ کل مجھے صبح دفتر جانا ہے، کپڑے تیار رکھنا اور وہ غفلت کرے تو آپ کو غصہ آئے گا، تو معلوم ہوا کہ یہ غفلت غصے کا سبب بن جاتی ہے، اس کو لاپرواہی کہتے ہیں، یہ لاپرواہی نہیں ہونی چاہئے، پڑھنے والے بچے اگر پڑھنے میں غفلت کریں تو ماں باپ پریشان ہوتے ہیں، اگر بھائی بھائی کی پرواہ نہ کرے تو ماں باپ پریشان، اگر مزدور فیکٹری کے اندر اچھے کام نہ کرے یا کام میں غفلت برتے تو مالک پریشان، تو معلوم ہوا کہ نفرتیں بنیادی طور پہ غفلت ہی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں، اس طرح غفلت کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف نفرت آجاتی ہے، اللہ تعالیٰ کو بھی غفلت پسند نہیں، اس لئے فرمایا: ''وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا'' اس کی بات نہ مانو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا، تو غافل بندہ اللہ کو بھی ناپسند ہے، اس لئے کوشش کریں کہ ہر وقت دل میں اللہ کی یاد رہے، ''دست بکار، دل بیار'' ہاتھ کام کاج میں مشغول ہو اور دل اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہو۔

گو میں رہا رہین ستم ہائے روزگار　　لیکن تیرے خیال سے غافل نہیں رہا

دل میں ہر وقت اللہ کی یاد

اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ میرے بندے تم جتنا بھی دنیا کے کام میں رہو مگر تمہارے دل میں میری یاد ہو، یہی تو فرق ہے: ایک ہے مخلوق کی نفسانی، شیطانی، شہوانی محبت کہ اس میں انسان یہ چاہتا ہے کہ محبوب کا جسم میرے پاس ہو، چونکہ نفسانی محبتوں میں جسم کی ضرورت ہوتی ہے تو محب چاہتا ہے کہ جسم میرے پاس ہو، دل اس کا جہاں مرضی ہو، مگر اللہ رب العزت کی محبت کا معاملہ عجیب ہے، اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ میرے بندے! تیرا دل میرے پاس ہونا چاہئے، تیرا جسم جہاں بھی ہو مجھے اس کی پرواہ نہیں، تو ہم گھر میں ہیں، مسجد میں ہیں، نماز میں ہیں، یا گھر والوں کے ساتھ بیٹھے ہیں، جس حال میں بھی ہیں، اگر دل اللہ تعالیٰ کی

طرف متوجہ ہے تو اللہ تعالیٰ ہم سے خوش ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہیں۔

کتنے لوگ ایسے گذرے ہیں کہ بازار کے ماحول میں بیٹھتے تھے، لیکن ایک لمحہ بھی اللہ سے غافل نہیں ہوتے تھے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ میں ایک مرتبہ بازار سے گذر رہا تھا، ایک نوجوان بچے کے یہاں گاہکوں کا ہجوم تھا، میں نے اس کے دل کی طرف دیکھا تو اس کا دل ایک لمحہ بھی اللہ سے غافل نہیں ہو رہا تھا، تو گاہکوں کے جھرمٹ میں بیٹھ کر اللہ والے اللہ کو یاد کر لیتے ہیں اور اگر یاد کرنے کی محنت نہ کی جائے تو عورت گھر میں اکیلی ہوتی ہے، پھر بھی اللہ یاد نہیں آتا، تو یہ غفلت ہمارے لئے نقصان کا سبب بنتی ہے، دین کا نقصان ہو یا دنیا کا نقصان ہو، تو آپ دل میں یہ بات بیٹھالیں کہ کاموں میں بھی غفلت نہیں کرنی ہے، عبادت میں بھی نہیں کرنی، ذکر میں بھی غفلت نہیں کرنی، ''وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِينَ'' اللہ نے فرمادیا کہ تم غفلت کرنے والوں میں سے نہ بنو۔

دوسری چیز: غیبت

دوسری چیز جو نفرتوں کا سبب بنتی ہے اس کو ''غ'' سے غیبت کہتے ہیں، غیبت کہتے ہیں، کسی کی پیٹھ پیچھے اسکی کوئی ایسی بات کر دینا جو کہ اگر اس بندے کو معلوم ہو تو وہ اس کو بری لگے، اس کو شریعت نے کبیرہ گناہ قرار دیا، فرمایا: ''وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا'' تم میں سے کوئی دوسرے کی غیبت نہ کرے۔ حدیث مبارک میں ہے: ''اَلْغِيبَةُ أَشَدُّ مِنَ الزِّنَا'' کہ غیبت تو زنا سے بھی زیادہ بری ہوتی ہے۔ اکثر دیکھا ہے کہ جہاں دو چار بندے مل بیٹھتے ہیں وہ کسی تیسرے کی بات چھیڑ دیتے ہیں اور اکثر اوقات وہ بات غیبت ہوتی ہے، تو کرنے والا بھی کبیرہ کا مرتکب ہوا اور سننے والا بھی کبیرہ کا مرتکب۔ اور یہ غیبت زندوں کی بھی ہو سکتی ہے، اور جو فوت ہو چکے، ان کی بھی ہو سکتی ہے، یہ غیبت حاضر کی بھی ہو سکتی ہے اور یہ غیبت غائب کی بھی ہو سکتی ہے، یہ غیبت ایک فرد کی بھی ہو سکتی ہے، اور یہ غیبت ایک جماعت کی بھی ہو سکتی ہے، اس لئے غیبت سے اپنے آپ کو بچائیں، کسی کے بارے میں Comments (تبصرے) پاس کر دینا؛ آج یہ سب سے آسان کام نظر آتا ہے، لیکن کل قیامت کے دن

جب اللہ نے پوچھ لیا کہ بتا تو نے فلاں کو کمینہ کیوں کہا، فلاں کو تو نے بے ایمان کیوں کہا، تو اس دن پریشانی ہوگی کہ کاش! ہم نے سوچ سمجھ کر اپنی زبان سے الفاظ نکالے ہوتے۔

غیبت کو معاف کرانے کا طریقہ

شریعت نے کہا کہ اگر کسی کی غیبت کی ہو تو فقط توبہ کرنے سے یہ گناہ معاف نہیں ہوتا، بلکہ اس بندے سے معافی مانگنی پڑتی ہے، اب اس بندے کو اگر آپ بتائیں کہ میں نے آپ کے بارے میں یہ یہ باتیں کیں، تو جھگڑا اور بڑھ جائے گا، اس لئے شریعت نے اس کا حل بتایا کہ اگر آپ نے کسی کی غیبت کی ہے تو بس اس سے یوں کہیں کہ آپ کے میرے اوپر بہت حقوق ہیں، اور میں ان کو ادا نہیں کر سکی، آپ مجھے اللہ کے لئے معاف کر دیں، اگر اس بات کو سن کر اس نے کہہ دیا: میں نے معاف کر دیا تو بھی ٹھیک ہے، اور اگر وہ مسکرا پڑی تو بھی اس کی طرف سے اجازت مل گئی۔

آخرت میں غیبت کے گناہ کی سنگینی

دنیا میں معافی مانگنا آسان ہے، قیامت کے دن اس کا حساب دینا مشکل کام ہے۔ چونکہ حدیث مبارک میں ہے کہ جس بندے نے کسی کی غیبت کی ہوگی تو قیامت کے دن اس بندے کو اجازت دی جائے گی کہ تم اس غیبت کرنے والے کے نامۂ اعمال میں سے جتنی نیکیاں لے سکتے ہو لے لو، تو صاف ظاہر ہے کہ قیامت کے دن تو کوئی تھوڑے کے اوپر راضی نہیں ہوگا، حتی کہ ساری نیکیاں لے کر بھی وہ راضی نہ ہوا، تو حدیث پاک میں ہے کہ اِس کے گناہوں کو لے کر اُس بندے کے سر پر ڈال دیا جائے گا، تو سوچئے کتنی بڑی محرومی ہوگی، آئے تھے نیکیاں لے کر اور گئے یہاں سے سب گناہ اپنے سر پہ اٹھا کر۔

غیبت سے بچنے کا طریقہ

اس سے بچنے کا ایک طریقہ ہے کہ خود تو آپ کسی کی اس کے پیٹھ پیچھے بات کریں ہی نہ، اور اگر کوئی دوسرا بات کرنے لگے تو اول تو آپ کہہ دیں کہ یہ مناسب نہیں، اور اگر آپ

سمجھیں کہ میرے اندر اتنی ہمت نہیں کہ میں لوگوں کو روک سکوں، تو اس بندے کی کوئی نہ کوئی اچھائی بیان کر دیں۔ مثال کے طور پہ کسی عورت کی غیبت کی گئی، آپ کہیں کہ وہ ہے تو بڑی ذہین، ہے تو بڑی سمجھدار، باتیں تو بہت اچھی کرتی ہے، بڑی پڑھی لکھی ہے، اگر آپ نے اس کی خوبیاں بیان کر دیں تو گویا آپ غیبت کرنے والوں کے ساتھ خود شامل نہیں ہوئیں، تو یہ غیبت سے بچنے کا ایک آسان طریقہ ہے۔

تیسری چیز: غل

تیسری چیز کو''غ'' سے غل کہتے ہیں، غل کا مطلب ہوتا ہے دل کے اندر کینہ ہونا، کینہ کا مطلب یہ کہ کسی کے ساتھ رنجش ہو تو پھر دل کے اندر ایک دشمنی آجاتی ہے، بیر آجاتا ہے اور انسان چاہتا ہے کہ اس بندے کو زندہ زمین میں گاڑ دیا جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کینہ کو ناپسند فرماتے تھے۔ چنانچہ حدیث مبارک میں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب رات کا وقت آتا ہے، میں اپنے سینے کو کینہ سے خالی کر لیتا ہوں، یہ میری سنت ہے اور جو شخص میری سنت پر عمل کرے گا وہ قیامت کے دن جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

کینہ کی نحوست

علماء نے لکھا ہے کہ شب قدر میں اللہ تعالیٰ بڑے بڑے گنہگاروں کی مغفرت کر دیتے ہیں، لیکن جس بندے کے دل میں کسی کے بارے میں کینہ ہو، اللہ تعالیٰ شب قدر میں بھی اس کی مغفرت نہیں فرماتے۔ اب اگر شب قدر میں بھی مغفرت نہ ہوئی تو پھر کب ہوگی؟ لہٰذا ہم دل سے ایمان والوں کے بارے میں کوئی نفرت ہے، کوئی بات ہے، کوئی بھول ہے، سب ختم کر دیں اور اللہ کی رضا کے لئے کریں، اس لئے کہ یہ کینہ انسان کو چین سے بیٹھنے نہیں دیتا۔ اس کو سمجھانے کے لئے ایک کہانی کتابوں میں لکھی ہے کہ ایک بندہ تھا، وہ پہاڑ پر چلا گیا اور ایک غار میں رہ کر اس نے عبادت شروع کی، ایک سال عبادت کرنے کے بعد اسے الہام ہوا کہ میرے بندے! تیری عبادت ہم نے قبول کی، تو مانگ ہم سے کیا مانگتا

ہے؟اس نے دعا مانگی کہ اللہ! مجھے کھانے کو ہنڈیا مل جائے، روٹی مل جائے، میں تیرا دیا ہوا کھایا کروں گا اور تیرے گیت گایا کروں گا، دعا قبول ہوگئی اور اس بندے کو غیبی نظام سے ہر وقت کھانا مل جاتا تھا، یہ کچھ عرصہ وہاں رہا، پھر وہاں سے یہ اپنے گھر واپس آ گیا، اب ایک کا کھانا تین بندے بھی کھا بیٹھتے ہیں، اس کو جب کھانا ملتا تو گھر کے دوسرے لوگ بھی کھا لیتے، جب سب کو روزانہ کھانا ملنے لگا تو صحتیں اچھی ہوگئیں، چہروں پہ سرخی آ گئی، ان کا ایک رشتہ دار پڑوسی تھا، جو اندر سے بڑا حسد کرتا تھا، اس نے جب ان کی یہ حالت دیکھی تو وہ اس بزرگ کے پیچھے پڑ گیا کہ حضرت! مجھے بھی بتائیں وہ کونسا عمل ہے کہ جس کی وجہ سے اللہ نے آپ کو یہ نعمت عطا کرنی شروع کی؟ پہلے تو انھوں نے کوشش کی کہ نہ بتاؤں، مگر اُدھر سے اصرار رہا اور اِدھر سے انکار، بالآخر مجبور ہو کر انھوں نے بتا دیا کہ بھائی! میں تو اس طرح گیا تھا اور اللہ کے یہاں عبادت قبول ہوئی اور اس طرح یہ ہنڈیا مجھے روز ملنے لگی، یہ سن کر اس بندہ نے بھی بستر اٹھایا اور اسی جگہ پہ جا کر بیٹھ گیا اور وہاں اس نے بھی تسبیح پھیرنی شروع کر دی، ذکر کرتے کرتے ایک سال اس کو بھی گذر گیا، تو ایک سال کے بعد اس کے دل میں الہام ہوا کہ میرے بندے! تیری عبادت قبول ہوئی، مانگ تو کیا مانگتا ہے، اب اس نے جو مانگنے کے لئے ہاتھ اٹھائے تو اپنے لئے ہنڈیا نہیں مانگی، بلکہ یہ دعا کی کہ اللہ وہ جو میرے پڑوسی کو ہنڈیا ملتی ہے وہ بند ہو جائے، اس کو کینہ کہتے ہیں، کہ انسان کو کسی دوسرے کا اچھا نہیں لگتا، کسی کی بیٹی کا اچھا رشتہ ہو جائے، کسی کے بیٹے کا کاروبار، دوکان اچھی چلنے لگ جائے، تو جس کے دل میں کینہ ہو اس کو یہ اچھا نہیں لگتا۔ اس سے بھی ہم اللہ کی پناہ مانگیں۔

سینہ بے کینہ کا انعام

چنانچہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ آ رہے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دور سے دیکھا، اور فرمایا دیکھو! جنتی شخص آ رہا ہے، ایک دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ جو محفل میں پہلے سے بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے یہ سنا، تو ان کے دل میں شوق پیدا ہوا کہ میں اِس آنے والے صحابیؓ کی زندگی قریب سے

تو دیکھوں؛ کون سی نیکی یہ کرتے ہیں کہ جس کی وجہ سے اللہ کے حبیب ﷺ نے ان کے بارے میں یہ بشارت فرمائی، چنانچہ جب مجلس برخاست ہونے لگی، تو یہ صحابیؓ ان سے کہنے لگے: بھائی اجازت ہوتو میں ۳ دن آپ کے گھر مہمان بن کے رہنا چاہتا ہوں، انہوں نے جی بالکل بسم اللہ، چنانچہ یہ صحابیؓ ان کے گھر آ کر مہمان بنے، اور دِن رات انکے اعمال کا جائزہ لیتے رہے، لیکن یہ اس نتیجے پر پہونچے کہ اس صحابیؓ کے معمولات وہی ہیں جو باقیوں کے ہیں، کوئی انوکھا عمل مجھے نظر تو نہیں آیا، تو انہوں صاحب خانہ سے پوچھ ہی لیا: کہ جی آپ کے بارے میں نبی ﷺ نے یہ بات فرمائی تھی، کہ یہ جنتی ہے، تو مجھے شوق ہوا، کہ معلوم تو کروں کہ کون سا عمل کرتے ہیں، تین دن رات آپ کے گھر مہمان رہنے کے باوجود مجھے آپ کا کوئی خاص عمل نظر تو نہیں آیا، آپ ہی بتادیں، جب انہوں نے پوچھا تب اُس شخص نے بتایا کہ دیکھیں میری عادت ہے کہ کہ رات کو جب میں بستر پہ لیٹنے کے لئے تیار ہوتا ہوں تو اس وقت میرے دل میں جتنا بھی لوگوں کے خلاف دل میں بات ہوتی ہے میں سب مٹا دیتا ہوں، بھلا دیتا ہوں اور میں سینہ بے کینہ لے کر سوتا ہوں، شاید اس عمل کی وجہ سے نبی ﷺ نے جنت کی بشارت عطا فرمائی تو آپ بھی یہ عادت بنالیں، ساس کے بارے میں رنجش ہے، بہو کے بارے میں ہے، بیوی کے بارے میں ہے، خاوند کے بارے میں، بہن کے بارے میں، نند کے بارے میں ہے، کسی کے بارے میں بھی ہے، اللہ کے لئے معاف کردیا کریں، جب آپ اللہ کے لئے معاف کریں گی تو دیکھیں گی کہ آپ کے سینے کے اندر ایک لذت محسوس ہوگی، ایمان کی حلاوت اور ایمان کی مٹھاس نصیب ہوگی، ورنہ تو جس کے دل میں دشمنی ہو وہ تو جیسے بھی ہو سکے اس کا برا ہی چاہتا ہے۔

کینہ میں انسان کو اپنے نقصان کی بھی پرواہ نہیں رہتی

کہتے ہیں کہ ایک آدمی کو دوسرے سے کینہ تھا، اس کو ایک بندہ ملا، اس نے کہا کہ جو میں تمہارے ساتھ کروں گا میں ڈبل اس دوسرے کے ساتھ کروں گا تم بتاؤ، تو یہ شخص کہنے لگا کہ ٹھیک پھر تم میری ایک آنکھ پھوڑ دو، اس نے کہا کیوں، تمہیں آنکھ پیاری نہیں ہے؟

کہتا ہے پیاری تو بہت ہے لیکن تم میری ایک آنکھ پھوڑو گے تو پھر دوسرے بندے کی تمہیں دونوں آنکھیں پھوڑنی پڑیں گی، تو کینہ ایسی چیز ہے کہ انسان اپنا بھی نقصان کرنے کو تیار ہوجاتا ہے، اس سے اللہ کی پناہ مانگیں اور اللہ سے دعا بھی مانگا کریں کہ اللہ ہمیں سینہ بے کینہ عطا فرمائے۔

چوتھی چیز: غلو

چوتھی چیز "غ" سے غلو ہے، غلو کا معنی یہ ہوتا ہے کہ کسی چیز کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دے دینا، عام طور پر دیکھا ہے کہ آپس کی رشتہ داریوں میں غلو کا مظاہرہ ہوتا ہے، مثلاً عورت ہے تو وہ اپنے میکے کے بارے میں ایک لفظ بھی برداشت نہیں کرے گی، پھر Husband (شوہر) اپنے رشتہ داروں کے بارے میں کوئی بات برداشت نہیں کرے گا، ان کی صریح غلطی کو بھی غلطی تسلیم نہیں کرے گا، تو یہ جو غلو ہے یہ انسانوں کے درمیان نفرتیں پیدا ہونے کا سبب بنتا ہے، اس غلو سے بچنے کی ضرورت ہے، تاکہ دلوں میں ایک دوسرے سے جدائی نہ آئے۔

پانچویں چیز: غرور

پانچویں چیز جو دلوں کو ایک دوسرے سے دور کر دیتی ہے اس کا نام "غ" سے "غرور" ہے، غرور کا مطلب تکبر یا عُجب، اگر بندہ کو اپنے حسن پہ غرور ہو، مال و دولت پہ غرور ہو، تعلیم پہ غرور ہو، تو وہ بندہ اپنے اعمال اسی دنیا میں ضائع کر بیٹھتا ہے، چونکہ حدیث پاک میں ہے: "لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ" وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوسکتا کہ جس کے دل میں ذرہ کے برابر بھی تکبر ہوگا۔ اپنے کو دوسروں سے اونچا سمجھنا، بڑا سمجھنا، یہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے، اس تکبر سے بھی بچیں۔ شیطان کو اللہ تعالیٰ نے جو اپنے دربار سے دھتکارا تو اس کی وجہ یہی تکبر تھی، فرعون کو اللہ رب العزت نے پانی میں ڈبویا، اس کی وجہ فرعون کے اندر تکبر تھا۔ جو بندہ اللہ کے لئے عاجزی اختیار کرتا ہے اللہ

تعالیٰ اس کی شان کو بلند فرماتے ہیں، ارشاد فرمایا: "مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہ" جو اللہ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ اس کو بڑا بنا دیتے ہیں، تو اس تکبر سے، "میں" سے، بچنے کی ضرورت ہے، مال پہ غرور کرنا، حسن و جمال پہ غرور کرنا، یہ ڈھلتی چھاؤں پہ غرور کرنے کے مانند ہے، اس لئے انسان اپنے آپ کو تکبر سے بچائے۔ شریعت نے کہا کہ جس بندے کے اندر عجب ہو، یہ عجب اس کو جہنم میں لیجانے کا سبب بنے گا۔ نبی ﷺ کا امیر صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی تعلق تھا، فقیر صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی، ان کے درمیان گھل مل کے بیٹھتے تھے، بلال رضی اللہ عنہ کی حالت دیکھئے، غلام تھے، آزاد ہوئے تو دیکھئے! اللہ کے حبیب ﷺ کے دربار میں کیا محبتیں ملیں۔ زاہر رضی اللہ عنہ ایک دیہاتی تھے، اللہ کے حبیب ﷺ ان سے بھی محبت فرماتے تھے، تو معلوم ہوا کہ انسان کے اندر عاجزی ہونی چاہئے، تکبر نہیں ہونا چاہئے، یہ تکبر انسان کے لئے برباد ہونے کا سبب بنتا ہے۔ متکبر بندے کو اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی سزا دیتے ہیں۔

دو گناہ جن کی سزا دنیا میں بھی ملتی ہے

دو گناہ ایسے ہیں کہ جن کی آخرت میں تو سزا ملے گی ہی، حدیث پاک میں آتا ہے کہ دنیا میں مرنے سے پہلے بھی سزا ملتی ہے، ایک تکبر، جتنا تکبر کرے گا اتنا زیادہ اللہ تعالیٰ دنیا میں اس کو ذلیل کریں گے، کوئی نہ کوئی بات ایسی ہو جائے گی کہ اس کی سب کے درمیان ذلت ہوگی۔ اور دوسری چیز کہ جو بندہ اپنے ماں باپ کی نافرمانی کرتا ہے حدیث پاک میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ موت سے پہلے اسی دنیا میں اس نافرمانی کی سزا اس کو دیتے ہیں۔ چنانچہ ایک ڈاکٹر نے ایک عجیب قصہ سنایا، کہتے ہیں کہ ایک دیہاتی لڑکا میرے پاس آیا، بیمار تھا، دیکھنے میں بڑا صحت مند تھا اور بیماری یہ تھی کہ وہ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد چیختا تھا اور کہتا تھا کہ مجھے لگتا ہے کوئی میرا گلا دبا رہا ہے، اب اس کی اس بیقراری اور تکلیف کو دیکھ کر مجھے اس سے ہمدردی ہوئی اور میں نے اس کا علاج معالجہ شروع کیا، دوسرے دن اس لڑکے کا والد آیا اور مجھے کہنے لگا کہ ڈاکٹر صاحب! زیادہ پریشان نہ ہوں، اس لڑکے کو اپنے کئے کی سزا مل رہی

ہے، تو میں نے پوچھا کہ کیا ہوا؟ کہنے لگا کہ اس لڑکے نے من پسند کی لڑکی سے شادی کی، ماں اس کو سمجھانے کے لئے کوئی لفظ بولتی تھی تو یہ اپنی امی کو کہتا تھا: خبردار! تو نے زبان کھولی تو میں تیرا گلا دبا دوں گا، یہ اپنی ماں کو یہ الفاظ کہتا تھا، اللہ نے اسی دنیا میں اس کی پکڑ کی اور اس کو ایسی بیماری لگی کہ یہ چیختا ہے کہ کوئی اس کا گلا دبا رہا ہے اور واقعی اس کا گلا گھٹ رہا ہوتا تھا، تو ماں باپ کی نافرمانی کی سزا دنیا میں بھی انسان کو ملتی ہے، اسی طرح تکبر کی سزا آخرت میں تو ملے گی ہی، مگر اللہ تبارک تعالیٰ دنیا میں بھی سزا دیکے دکھا دیتے ہیں، تو انسان کو چاہئے کہ اپنے اندر Humbleness (نرمی) پیدا کرے، عاجزی پیدا کرے اور تکبر سے بچے۔

چھٹی چیز: غصہ

چھٹی چیز ہے ''غ'' سے غصہ، یہ غصہ انسان کے لئے بہت نقصان دہ ہوتا ہے، اکثر انسان کا نقصان غصہ کے سبب ہوتا ہے، غصہ کی وجہ سے لوگ انسان سے نفرت کرنے لگ جاتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے میرے حبیب! آپ رحیم وکریم ہیں اور آپ کے صحابہ آپ پہ جان قربان کرنے کو تیار ہیں، '' وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ '' اگر آپ سخت گیر ہوتے اور تیز مزاج کے ہوتے تو یہ آپ کے گرد سے سارے بھاگ جاتے تو غصہ زیادہ نہیں کرنا چاہئے۔ اس لئے حدیث پاک میں ہے کہ نبی ﷺ نے پوچھا کہ پہلوان کون ہے؟ تو بتلایا گیا کہ جس میں طاقت زیادہ ہو، تو نبی ﷺ نے فرمایا: نہیں بلکہ جو بندہ اپنے غصے پہ قابو پالے وہ پہلوان ہوتا ہے، آپ ذرا غور کیجئے کہ غصہ عام طور پر کمزوری کی علامت ہوتا ہے، لہٰذا صحت مند کے بجائے بیمار کو غصہ جلدی آتا ہے، مرد کی نسبت عورت کو غصہ جلدی آجاتا ہے، تو غصہ کمزوری کی علامت ہے، بوڑھوں کو جوانوں کی نسبت غصہ زیادہ آتا ہے۔ ہم نے تو بعض بوڑھوں کو دیکھا کہ ہوا کو گالیاں دے رہے ہوتے ہیں، تو معلوم ہوا کہ غصہ کمزوری کی علامت ہے۔

گھر کے جھگڑوں میں غصے کا کردار

اسی لئے غصہ میں انسان بڑا نقصان کر بیٹھتا ہے۔ ایک نوجوان آیا، کہنے لگا: حضرت! غلطی ہوئی، غصہ میں میں نے بیوی کو طلاق دے دی، میں نے کہا کہ مجھے ایک مثال بتاؤ کہ خوش ہو کر کسی نے اپنی بیوی کو طلاق دیا ہو، طلاق دیتے تو غصہ میں ہی ہیں، تو تم غصے میں آئے ہی کیوں؟ اس لئے بہترین انسان وہ ہے کہ جس کو غصہ کم آئے اور آئے بھی تو جلدی رخصت ہو جائے۔ آج غصے کی وجہ سے چھوٹی چھوٹی باتوں کا بتنگڑ بن جاتا ہے، گھروں کے اندر پریشانیاں، میاں بیوی کے مسئلے، یہ سارے کے سارے غصے کی وجہ سے ہوتے ہیں، غصے میں خاوند مہینہ مہینہ بیوی سے نہیں بولتا، کہیں بیوی ایک ایک مہینہ خاوند سے سیدھے منہ بات نہیں کرتی۔ اور غصہ دونوں طرف سے برا ہے، چاہے خاوند کی طرف سے ہو، چاہے بیوی کی طرف سے ہو، کوشش یہ کرنی چاہئے کہ اگر دوسرے کی غلطی بھی ہو تو اس کو معاف کر دیں۔

غصہ برداشت کر لینے کے فائدے

حدیث مبارک میں ہے کہ جو شخص دنیا میں دوسروں کی غلطی کو جلدی معاف کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی غلطیوں کو جلدی معاف فرما دیں گے۔ اور غصہ انسان نکال بھی لے تو وقتی طور پہ تو انسان کو اچھا لگتا ہے، لیکن ساری عمر وہ انسان کو پچھتاوا رہتا ہے۔

چنانچہ ایک صاحب آفیسر تھے، وہ اپنا واقعہ لکھتے ہیں، کہتے ہیں کہ مجھے ایک شہر سے دوسرے شہر ٹرین میں جانا تھا، میں نے ایک قلی کو سامان دیا اور کہا کہ مجھے ٹرین کے فلاں ڈبے میں پہنچا دو، Rush (ہجوم، بھیڑ) کافی تھا، جب ٹرین آئی تو رکنے کا ٹائم تھوڑا تھا، میں تو اپنی جگہ پر پہنچ گیا، لیکن وہ قلی سامان لے کر نہیں پہنچا، حتی کہ ٹرین کی سیٹی بھی بج گئی، دروازے بھی بند ہو گئے، جب دروازہ بند ہونے لگا تو میں اتر گیا کہ میرا تو سامان ابھی نہیں آیا، اب میرے سامنے ٹرین جا رہی ہے، میرا ٹکٹ بھی ضائع ہو گیا، میری ٹرین بھی چھوٹ گئی، مجھے غصہ تو بہت آیا مگر میں نے سوچا کہ دیکھو پلیٹ فارم پہ اتنا Rush ہے کہ ایک بندے کو پیدل چلنے کا راستہ نہیں مل رہا ہے، اور قلی نے تو سر پہ میرا بیگ اٹھایا ہوا تھا، تو لوگوں

نے راستہ نہیں دیا ہوگا، تھوڑی دیر کے بعد جب Rush (بھیڑ) تھوڑا کم ہوا تو وہ قلی مجھے نظر آیا، پسینے چھوٹے ہوئے تھے، پریشان تھا، مجھے دیکھتے ہی کہنے لگا کہ صاحب! میری غلطی نہیں، بھیڑ اتنی تھی کہ مجھے کسی نے آگے بڑھنے ہی نہیں دیا، میں چیختا رہا کہ مجھے راستہ دو راستہ دو، کسی نے راستہ نہیں دیا، میں نے اس سے کہا کوئی بات نہیں، میں کل اسی وقت اس ٹرین سے پھر چلا جاؤں گا، اس کا دل پرسکون ہوگیا، مجھے کہنے لگا کہ میں آپ کا سامان آپ کی گاڑی تک پہنچا دیتا ہوں، چنانچہ میں واپس آ گیا اور میں نے ایک اور دن وہیں رہنے کا پروگرام بنالیا، اگلا دن جب ہوا تو میں وقت سے پہلے پہنچا کہ پھر دیر نہ ہو، وہ کہتے ہیں کہ ٹرین کے ٹائم میں ابھی گھنٹہ تھا، جب میں وہاں گیا تو میں نے دیکھا کہ وہی کل والا قلی میرے انتظار میں کھڑا ہوا تھا، مجھے دیکھا تو اس نے سامان میرے ہاتھوں سے لے لیا اور سامان اٹھا کر اس نے پلیٹ فارم تک پہنچایا اور پھر میں نے اسے پیسے دینے چاہے تو اس نے پیسے بھی نہیں لئے کہ نہیں صاحب! میری وجہ سے کل ٹرین Miss (چھوٹ جانا) ہوگئی، مجھے پیسے نہیں چاہئے، بس آپ کا دل میری طرف سے خوش ہوجائے، وہ افسر کہتے ہیں کہ اس کے بعد جب ٹرین کے چلنے کا وقت آیا تو میں نے اس کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں آنسو تھے، میں نے اپنی زندگی میں اتنی محبت سے کسی رشتہ دار کو بھی الوداع کرتے نہیں دیکھا جس محبت سے مجھے اس قلی نے الوداع کیا، کیوں کہ وہ قلی سمجھتا تھا کہ اگر کل یہ غصہ کرتے تو جائز تھا، میں نے غصے کو برداشت کیا، وہ غصے کی تکلیف تو ختم ہوگئی لیکن آج بھی جب اس قلی کا چہرہ سامنے آتا ہے، اس کی آنکھوں کے آنسو سے مجھے راحت ہوتی ہے کہ اس نے مجھے کتنی محبت سے رخصت کیا۔

گھروں کے اندر میاں بیوی کو چاہئے کہ غصے سے کام نہ لیا کریں۔ کئی دفعہ ماں بچوں پہ بے جا غصہ کرتی ہے، کئی دفعہ خاوند بیوی پہ بے جا غصہ کرتا ہے، کئی جگہ ساس صاحبہ غصہ کرتی ہیں، ہمارے اکابر نے کہا کہ جس کا غصہ کنٹرول میں نہ ہوتا ہو وہ اس بات کو سوچے کہ قیامت کے دن ایک پروردگار ہوگا، جو جس پر چاہے گا خوشی کا اظہار کرے گا اور جس پر چاہے گا غصہ کا اظہار کرے گا، اگر میں نے دنیا میں لوگوں پر غصہ کیا تو مجھے اس کا حساب دینا ہوگا تو

پروردگار میرے ساتھ ویسا ہی معاملہ فرمائے گا۔ چنانچہ حدیث پاک میں فرمایا کہ جو بندہ کسی بندے پر غصہ کرسکتا ہو، مگر وہ اللہ کے لئے معاف کردے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس بندے کو معاف کردیں گے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے واقعہ لکھا ہے کہ ایک شخص نے غلطی پر اپنی بیوی کو معاف کیا تھا، جب فوت ہوا تو اللہ کے حضور پیشی ہوئی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو نے اپنی بیوی کو میری بندی سمجھ کے معاف کیا تھا، آج میں بھی تمہیں اپنا بندہ سمجھ کے معاف کرتا ہوں۔ تو اس غصے کو قابو کرنے کی ضرورت ہے۔

کئی دفعہ یہ بھی دیکھا کہ کوئی بندہ غلطی کر بیٹھا، اب وہ معافی مانگ رہا ہے تو لوگ معاف ہی نہیں کرتے۔ سنئے حدیث مبارک اور دل کے کانوں سے سنیے! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کسی مسلمان سے غلطی ہوجائے اور وہ معافی مانگنے کے لئے آئے اور وہ بندہ کہے کہ میں تجھے معاف نہیں کرتا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ جو دوسرے مسلمان کو کہہ رہا ہے کہ میں تجھے معاف نہیں کرتا، اس کو چاہیے کہ قیامت کے دن حوض کوثر پر مجھے اپنی شکل نہ دکھائے، یہ میرے امتی کو معاف نہیں کرتا، میں قیامت کے دن اس کی شکل بھی دیکھنا پسند نہیں کرتا، لہٰذا اگر کوئی معافی مانگے تو جلدی معاف کردیا کریں، یہ سوچتے ہوئے کہ میں جلدی معاف کروں گی تو اس کے بدلے اللہ مجھے جلدی معاف کردیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے اچھے اخلاق عطا فرمائے۔

بزرگوں کے درمیان اختلاف کی نوعیت

ہمارے بزرگوں کے درمیان اگر کبھی ایک دوسرے کے ساتھ رنجش بھی ہوتی تھی تو وہ دنیا کے لئے نہیں ہوتی تھی، وہ دین کے لئے ہوتی تھی، وہ اللہ کے لئے ہوتی تھی، جیسے مولانا یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بچہ جو سبق بالکل نہیں یاد کرتا تھا اسے دو جوتیاں لگائیں، وہ کہنے لگا: اللہ کے لئے معاف کردیں، تو حضرت نے فرمایا: میں اللہ ہی کے لئے تو مار رہا ہوں، یعنی ان کا غصہ کرنا بھی اللہ کے لئے ہوتا تھا، اپنے لئے نہیں ہوتا تھا، تو غصہ کو انسان قابو کرے

تو یہ انسان اللہ کی نظر میں پہلوان ہے۔

ہمارے بزرگوں کے اختلاف کی نوعیت کیا ہوتی تھی، اس سلسلہ میں ایک واقعہ سن لیجئے، ایک بزرگ تھے، خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ، ان کے پاس ذکر واذکار کرنے والے اور حال احوال والے سالکین ہوتے تھے، ان کے یہاں ایک نعت کی محفل ہوتی تھی جس کو محفل سماع کہا جاتا تھا، جس میں شعر پڑھے جاتے تھے تو بعض لوگ گرتے تھے، اچھلتے تھے، اللہ اللہ کہتے تھے، عجیب کیفیت ہوتی تھی، اس زمانے میں ایک حکومت کے محاسب تھے جن کا نام تھا قاضی ضیاء الدین سنامی رحمۃ اللہ علیہ، ان کے ذمہ تھا کہ اگر وہ کہیں کوئی ایسا خلافِ شرع کام دیکھیں تو اس کو بند کروادیں، چنانچہ ان کی محفل لگی ہوتی تھی، قاضی ضیاء الدین آتے تھے اور مجلس برخاست کروادیتے تھے، خواجہ نظام الدین اولیاءؒ تو خاموش رہتے تھے، لیکن مریدوں کو غصہ زیادہ آتا تھا کہ یہ کون ہے جو ہمارے شیخ کی مجلس کو ختم کروادیتا ہے، اللہ کی شان دیکھیں کہ قاضی ضیاء الدینؒ بیمار ہوگئے، جب پتہ چلا کہ آخری وقت ہے تو خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے فرمایا کہ مسلمان کے مسلمان پہ پانچ حق ہوتے ہیں، ان میں ایک ہے عیادت کرنا، لہٰذا میں ان کی عیادت کے لئے جاؤں گا، کوئی ہم جیسا ہوتا تو کہتا: دیکھا! ہمارے حضرت کی مجلسوں کو برخاست کرواتا تھا تو اللہ نے کیسا پکڑا، مگر ان لوگوں کے دلوں میں سچائی ہوتی تھی، خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے سوچا کہ میں ان کی عیادت کے لئے ان کے گھر جاتا ہوں، چنانچہ خواجہ صاحب آئے، دروازہ کھٹکھٹایا، قاضی ضیاء الدین سنامیؒ پر آخری آخری لمحات تھے، جب دروازہ کھٹکھٹایا گیا تو ان کا شاگرد بھاگا ہوا آیا، اس نے دیکھا کہ وہاں پر نظام الدین اولیاء کھڑے ہیں تو اس نے واپس جاکے بتایا کہ حضرت! وہ تو نظام الدین صاحب آئے ہیں تو حضرت نے فرمایا کہ دیکھو! یہ میرا آخری وقت ہے، مجھے ان سے کچھ باتوں میں علمی اختلاف ہے، میں نہیں چاہتا کہ وہ آئیں اور میری طبیعت پہ بوجھ پڑے، میں یکسوئی کے ساتھ اللہ کے حوالے ہونا چاہتا ہوں، چنانچہ شاگرد آیا اور اس نے آکے

معذرت کر دی کہ حضرت فرماتے ہیں کہ آپ کچھ عمل ایسے کرتے ہیں جو میرے نزدیک بدعت ہیں، للہذا میں اس موقع پہ آپ سے نہیں ملنا چاہتا۔ تو اس پر خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے پیغام بھیجا کہ جا کر قاضی صاحب سے کہو کہ میں ان بدعتوں سے توبہ کرنے کی نیت سے آیا ہوں، جب شاگرد نے آکر یہ بتایا تو قاضی ضیاء الدینؒ لیٹے ہوئے تھے، اٹھ کے بیٹھ گئے اور اپنے سر سے عمامہ اتار کر شاگرد سے کہا کہ میرے بستر سے لے کے دروازے تک میری پگڑی کو پھیلا دو اور خواجہ صاحب سے کہو کہ جوتوں کے ساتھ اس کے اوپر چل کے میرے پاس آئیں کہ مجھے ان سے جو اختلاف تھا تو وہ شریعت کے مسئلہ میں تھا۔ سبحان اللہ! یہ کیسی قدسی روحیں ہوتی تھیں کہ ان کا آپس میں اگر اختلاف ہوتا تھا تو وہ بھی شریعت کے لئے ہوتا تھا، اگر محبت ہوتی تھی تو وہ بھی شریعت کے لئے۔ انسان کو ایسا ہی بننا چاہئے کہ لیٹے بیٹھے چلتے پھرتے ہر وقت دل میں اللہ کا دھیان ہو، اللہ تعالیٰ ہمیں ان چھ بیماریوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے، اور معاشرے کا اچھا فرد بن کر رہنے کی توفیق دے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

❁ ❁ ❁

اگلے صفحہ پر آپ جو خطاب ملاحظہ فرمائیں گے، وہ میل وشارم کے مدرسہ "مفتاح العلوم"، میں ۱۹/اپریل ۲۰۱۱ء بروز سہ شنبہ، بعد نمازِ مغرب ہوا تھا، محتاط تخمینہ کے مطابق مجمع کی تعداد ۶۰ سے ۷۰ ہزار بتائی گئی ہے۔

تقویٰ اختیار کیجئے

الحمدللہ و کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ۔

وَقَالَ اللّٰہ تعالٰی فِی مقامٍ آخر: وَاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ۔ وقالَ اللّٰہ تعالٰی فِی مقامٍ آخر: فَاتَّقُوْنِ يَا اُولِي الْاَلْبَابِ

سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمدللہ رب العالمین

اللھم صل علی سیدنا محمد و علی اٰل سیدنا محمد و بارک وسلم

اللھم صل علی سیدنا محمد و علی اٰل سیدنا محمد و بارک وسلم

اللھم صل علی سیدنا محمد و علی اٰل سیدنا محمد و بارک وسلم

آج کے دور میں تین سنگین تبدیلیاں

آج کے Most modern scientific (سائنسی ترقی یافتہ) دور میں تین باتیں کھلی آنکھوں سے نظر آسکتی ہیں، ایک تو یہ کہ آج کا انسان اللہ رب العزت کی معرفت کو حاصل کرنے کے بجائے اپنا سارا وقت مادے کو پانے میں لگائے ہوئے ہے، مادی ریسرچ کے اوپر اتنا وقت صرف ہو رہا ہے کہ جتنا وقت ہمیں اللہ رب العزت کی معرفت کو حاصل کرنے پہ لگانا چاہئے تھا، دوسری تبدیلی یہ کہ انسان اپنی دنیا کو بنانے میں اس قدر مگن

ہے کہ آخرت کو بنانے سے غافل ہوگیا ہے، جس بندے کی زندگی کو دیکھو وہ اپنی جنت سجانے میں لگا ہوا ہے، میرا گھر ایسا ہو، گاڑی ایسی ہو، بیوی ایسی ہو، بچے ایسے ہوں، ہر چیز میں Ideal (مثالی چیز) ڈھونڈتا ہے اور Perfection (درجۂ کمال) ڈھونڈتا ہے، حالانکہ یہ چیزیں تو آخرت میں ملنی تھیں تو گویا آج کا انسان دنیا میں ہی اپنی جنت بسانے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔ تیسری تبدیلی کہ اپنے باطن سے غافل ہو کر فقط ظاہر کو سجانے میں یہ انسان لگ گیا ہے، ظاہر میں کپڑے ایسے ہوں، جوتے ایسے ہوں، میرے گلاس ایسے ہوں، ظاہر میں میرا چہرہ ایسا ہو، اس کی فکر زیادہ ہے اور یہ فکر نہیں کہ میرے من کا چہرہ کیسا ہے، میرے اندر کا کیا حال ہے، نتیجہ یہ نکلا کہ باہر کے Pollution control (آلودگی پر قابو پانا) کے لئے وزارتیں بن گئیں اور اندر کے Pollution control (دِل کی آلودگی) کی کسی کو فکر ہی نہیں ہے، اس طرف دھیان ہی نہیں جاتا کہ غیر محرم پر نظر اٹھائی تو دل کا حال کیا برا ہوا، دل پر کتنی ظلمت آئی، جھوٹ بولا تو دل کتنا سیاہ ہوا، اس طرف دھیان ہی نہیں جاتا، اگر ظاہری ذلت نہ ہو تو جھوٹ بولنا تو مشغلہ بن گیا ہے، تو انسان اپنے من کی دنیا سے غافل ہو کر فقط تن کی دنیا کی کامیابی حاصل کرنے کے پیچھے لگ چکا ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ انسان کا دل گناہوں کی کثرت کی وجہ سے سیاہ ہو چکا ہے، آج کے انسان کا دل عمومی طور پر سل بن چکا ہے، پتھر بن چکا ہے ''اَوْاَشَدُّ قَسْوَةً'' بلکہ پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہو چکا ہے، اس لئے کہ پتھر تو پھر بھی اللہ کے خوف سے کانپ اٹھتے ہیں اور انسان کو اللہ کا خوف دلایا بھی جائے تو کانوں پہ جوں نہیں رینگتی، تو معلوم ہوا کہ یہ دل پتھروں سے بھی پرے پار ہو گئے ہیں۔

دل کے منوّر اور سیاہ ہونے کی علامت

ہمارے بزرگوں نے فرمایا: ''اَلْقَلْبُ الْمُنَوَّرُ يَظْهَرُ عَلَى الْجَوَارِحِ آثَارُهُ وَهِيَ الْمُوَافَقَةُ'' کہ جب دل منور ہوتا ہے تو اس کی بدن پر علامت یہ ہوتی ہیں کہ سب بدن کے اعضاء شریعت کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ ''وَالْقَلْبُ الْمُظْلِمُ يَظْهَرُ عَلَى الْجَوَارِحِ آثَارُهُ

وھی المخالفۃ'' اور جب دل سیاہ ہوتا ہے تو اس کے بھی بدن پر آثار ہوتے ہیں اور وہ یہ کہ اعضاء گناہوں کے اندر ملوث ہوتے ہیں۔ بندے کا اللہ رب العزت کے ساتھ فقط بندگی کا رشتہ ہے''اِنَّ اللہَ عَزَّ وَجَلَّ لَیْسَ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ أحَدٍ سَبَبٌ اِلَّا طَاعَتَہٗ'' بندے اور اللہ کے درمیان بندگی کے سوا اور کوئی دوسرا رشتہ نہیں ہے۔ چنانچہ جو نیک ہے وہ اللہ کا بندہ ہے اور جو نیک نہیں ہے وہ نفس اور شیطان کا بندہ ہے۔

اللہ کے یہاں مقبولیت تقوے کی بنیاد پر ہے

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو فرمایا:''عَلَیْکَ بِتَقْوَی اللہِ'' کہ آپ پر تقویٰ کا اختیار کرنا لازم ہے''وَاِنَّ اللہَ لَا یَمْحُو السَّیِّئَ بِالسَّیِّئِ وَلٰکِنَّہٗ یَمْحُو السَّیِّئَ بِالْحَسَنَاتِ'' اللہ تعالیٰ برائی کے ذریعہ برائی کو نہیں ختم کرتے، برائی کو اچھائی کے ذریعہ سے ختم کرتے ہیں۔''وَلَا یَغُرَّنَّکَ أَنَّکَ یُقَالُ صَاحِبُ رَسُولِ اللہِ وَخَالُ رَسُولِ اللہِ'' اور یہ چیز دھوکے میں نہ ڈال دے کہ لوگ آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ماموں کہتے ہیں ——— سعد بن ابی وقاصؓ بنی زہرہ قبیلے سے تھے اور بی بی آمنہ بھی اسی قبیلے سے تھیں، تو اس نسبت سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں کہلائے ——— تو عمرؓ نے فرمایا کہ آپ کو یہ چیز دھوکے میں نہ ڈال دے کہ لوگ آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ماموں کہتے ہیں، آپ برائی کو ہمیشہ اچھائی سے ڈھکیلیں۔ اب ہم سوچیں کہ ہم کس کھیت کی گاجر مولی ہیں کہ ہم ذہنوں میں یہ لئے بیٹھے ہیں کہ ہم جو مرضی گناہ کرتے پھریں، ہم اللہ تعالیٰ کے پیارے ہیں، ایسی بات ہرگز نہیں، جو نیکوکار ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہوگا، اور جو گنہگار ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہوگا، یہ واضح فرق ہے، اس تقسیم میں کوئی شک نہیں ہے۔

آپ غور کیجئے! سیدنا بلال رضی اللہ عنہ ایک غلام ہیں، رنگ کالا ہے، ہونٹ موٹے ہیں، شکل انوکھی ہے، مگر اللہ رب العزت کے فرمانبردار بندے بنے، نیکی تقویٰ کی زندگی اپنائی، اللہ کے یہاں وہ مقام ملا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات جب جنت کی سیر کرنے گئے تو پاؤں

کے جوتے کی آواز آئی، تو پوچھا: جبرئیل! یہ کس کی آواز ہے؟ عرض کیا: اللہ کے حبیب ﷺ! آپ کا غلام بلال فرش پر چلتا ہے، اس کے قدموں کی آہٹ عرش پر سنائی دیتی ہے۔ اس کے بالمقابل دیکھیے! ایک نوجوان ہے، نام ولید ہے اور وہ اپنے آپ کو وحید الزماں سمجھتا ہے، عرب کے قریش گھرانے سے اس کا تعلق ہے، ایک درجن کے قریب بیٹے ہیں، مال دولت ہے، رنگ گورا اور شکل خوبصورت ہے، وہ سمجھتا ہے کہ میرے جیسا اسوقت دنیا میں کوئی نہیں، مگر اس نے نبی ﷺ کی مخالفت کی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا" ذرا چھوڑئے مجھے اور اس کو جو اپنے آپ کو وحید الزماں سمجھتا ہے، میں ذرا اس کے ساتھ نمٹ لوں، تو دیکھئے وہ قریش کا سردار، مال و دولت، اولاد، سب کچھ ہونے کے باوجود اللہ کی نگاہ سے گر گیا، اور یہ بلال رضی اللہ عنہ حبشہ کے رہنے والے شکل وصورت کیسی ہے، مگر اللہ رب العزت کو یہ پسند آ گئے، تو معلوم ہوا کہ بندے کا اللہ رب العزت سے تعلق فقط بندگی کا ہے، جو نیکوکار ہوگا وہ اللہ رب العزت کو پسند ہوگا اور جو انسان گناہوں کا ارتکاب کرے گا وہ اللہ رب العزت کی نگاہوں سے گر جائے گا۔

اس کی ایک سادہ سی مثال سمجھئے "اَلْعَبْدُ يَتَّقِي عَذَابَ سَيِّدِهٖ بِطَاعَتِهٖ" غلام اپنے مالک کے عذاب سے بچتا ہے اس کی اطاعت کے ذریعہ، جس نوکر کو جو کہا جائے وہ کرے اور جس سے منع کیا جائے وہ مان جائے، تو مالک اس سے خوش ہوتا ہے اور جو مالک کی مرضی کے خلاف کرے یا تو مالک سزا دیتا ہے یا پھر اس کی چھٹی کروا دیتا ہے۔ اللہ رب العزت کے یہاں بھی معاملہ ایسا ہی ہے، جو گناہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو تنبیہ فرماتے ہیں، اگر سمجھ جائے تو فبہا نہیں تو پھر اپنے مقبول بندوں کی فہرست سے اس کا نام نکال دیتے ہیں، وہ بندہ اللہ رب العزت کی نگاہوں سے گر جاتا ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہم نیک اعمال کو اپنائیں اور گناہوں سے سو فیصد بچ کر زندگی گذاریں۔

تقوے کے فائدے

ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: "فَمَنْ أَرَادَ أَنْ يَفْتَحَ اللهُ عَلَيْهِ بَرَكَاتٍ مِنَ

اَلسَّمَاءِ وَالْاَرْضِ ‘‘ جو یہ چاہے کہ اللہ تعالیٰ میرے اوپر زمین اور آسمان سے برکتوں کے دروازے کھول دے ’’وَیَجْعَلَ لَہٗ مَخْرَجًا ‘‘ اور اللہ اس کے لئے مخرج بنادے ’’وَیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ ‘‘ اور اللہ ایسی طرف سے رزق دے جہاں سے گمان بھی نہ ہو ’’وَیُکَفِّرْ عَنْہُ سَیِّئَاتِہٖ ‘‘ اور اللہ اس کے گناہوں کو مٹادے ’’وَیُعْظِمْ لَہٗ أَجْرًا ‘‘ اور اللہ اس کو نیک اعمال پہ بہت اجر عطا فرمائے ’’وَیَجْعَلْ لَہٗ مِنْ اَمْرِہٖ یُسْرًا ‘‘ اللہ اس کے کاموں میں آسانیاں کردے ’’وَ یَکُوْنَ مَعَہٗ ‘‘ اللہ اس کے ساتھ ہوجائے ’’وَیُحِبَّہٗ ‘‘ اللہ اس سے محبت کرے ’’وَیُنْجِیَہٗ ‘‘ اور اللہ اس کو ہر مشکل مصیبت سے نجات عطا فرمائے ’’وَیَکُوْنَ مِنَ الْفَائِزِیْنَ ‘‘ اور وہ کامیابی حاصل کرنے والوں میں سے ہوجائے ’’فَلْیَتَّقِ اللّٰہَ ‘‘ اس کو چاہئے کہ وہ تقویٰ کو اختیار کرلے۔ یہ تمام انعامات اس شخص کو مل جاتے ہیں جو متقی بن جاتا ہے۔

متقی کس کو کہتے ہیں؟ ’’اَلتَّقْوٰی ھِیَ اِتِّقَاءُ عَذَابِ اللّٰہِ بِاِمْتِثَالِ أَوَامِرِہٖ وَاجْتِنَابِ نَوَاھِیْہِ ‘‘ جن چیزوں کا اللہ نے حکم دیا ان کو کرے اور جن سے منع کیا اس سے رک جائے، اس شخص کو متقی کہتے ہیں۔ یہ بندہ اللہ رب العزت کے پسندیدہ بندوں میں ہے، اللہ ایسے بندے کو اپنا ولی بناتے ہیں، اس لئے فرمایا: ’’اِن اولیائہ اِلّا المتقون ‘‘ کہ اس کے ولی وہ ہوتے ہیں جو متقی لوگ ہوتے ہیں۔

تقوی کے بغیر انسان کو ولایت کا درجہ حاصل نہیں ہوسکتا، معرفت کا نور ہی تقوی سے ملتا ہے، چنانچہ قرآن مجید کی یہ آیت: ’’وَلَوْ اَنَّ اَھْلَ الْقُرٰی اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا ‘‘ کہ اگر یہ بستی والے ایمان لاتے اور تقوی اختیار کرتے، ایک بزرگ فرماتے ہیں: مَعْنَاہُ: لَوْ اَنَّھُمْ صَدَقُوْا وَعْدِیْ ‘‘ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ میرے وعدوں کو سچا کردیتے ’’وَاتَّقَوْا مَخَالَفَتِیْ ‘‘ اور میری مخالفت سے بچ جاتے ’’لَنَوَّرْتُ قُلُوْبَھُم بِمُشَاھَدَتِیْ ‘‘ تو میں ان کے دلوں کو اپنے مشاہدے کے نور سے منور فرمادیتا ہے تو جو انسان اللہ کی مخالفت کو چھوڑ دیتا ہے اسی کو اللہ کا مشاہدہ نصیب ہوتا ہے۔

تقوے کی بنیاد پر آئندہ نسلوں کے ایمان کی حفاظت

بلکہ اللہ تعالیٰ اس بندے سے اتنا خوش ہوتے ہیں کہ اس کی آنے والی نسلوں کا بھی لحاظ فرما لیتے ہیں، ایک حدیث پاک میں ہے "اِنَّ اللّٰہَ یَحْفَظُ الرَّجُلَ الصَّالِحَ فِی اَھْلِہٖ وَوَلَدِہٖ" کہ اللہ تعالیٰ نیک بندے کے اہل خانہ اور اولاد کے بھی ایمان کی حفاظت فرماتے ہیں۔ بعض احادیث میں ہے کہ جب کوئی بندہ اللہ کو پسند آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی آنے والی ۲۱ پشتوں کے ایمان کی حفاظت کا وعدہ فرما لیتے ہیں۔ اور ایک حدیث پاک میں ہے "اِنَّ اللّٰہَ یَحْفَظُ الرَّجُلَ الصَّالِحَ وَلَدَہٗ وَوَلَدَ وَلَدِہٖ" کہ اللہ رب العزت نیک بندے کی اولاد کو اور جو اس کی آگے اولاد ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ان کے بھی ایمان کی حفاظت فرما دیتے ہیں۔ چنانچہ سورۂ کہف کے اندر ایک واقعہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام نے ایک دیوار بنائی تو موسیٰ نے پوچھا کہ یہ دیوار کیوں بنائی؟ تو انھوں نے کہا کہ اس شہر میں دو یتیم بچے تھے "وَکَانَ تَحْتَہٗ کَنْزٌ لَّھُمَا" اور اس دیوار کے نیچے ان دونوں کا خزانہ تھا "وَکَانَ اَبُوْھُمَا صَالِحًا" اور ان کے والد نیک تھے۔ تو مفسرین نے لکھا کہ ان کے والد اتنے نیک نہیں تھے، بلکہ ان کے والد کے ساتویں پشت میں جو ان کے دادا تھے وہ نیک تھے، ان کی برکت سے اللہ نے ساتویں پشت کے مال کی اگر حفاظت فرمادی تو اللہ ان کے ایمان کی کتنی حفاظت فرماتے ہیں؟ یہ تقویٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے کہ اس کے صدقے اللہ تعالیٰ بندے کی بھی حفاظت فرماتے ہیں، آنے والی نسلوں کی بھی حفاظت فرماتے ہیں۔

تقوے والے کا انجام بخیر ہوتا ہے

اور ایک خاص بات کہ جو بندہ نیک ہوتا ہے، متقی ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا انجام بخیر فرماتے ہیں۔ حدیث مبارک ہے: "اِذا أراد اللّٰہ بعبد خیرًا استعملہ" اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتے ہیں تو اسے استعمال کر لیتے ہیں، اس کو نیکی کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں، "فقیل" پوچھنے والوں نے پوچھا "کیف یستعملہ یا رسول اللّٰہ؟"

اے اللہ کے حبیب ﷺ! اس کو کیسے اللہ تعالی استعمال فرماتے ہیں؟'' قَالَ یُوَفِّقُہٗ لِعَمَلٍ صَالِحٍ قَبْلَ الْمَوْتِ '' اللہ تعالی اس کو موت سے پہلے نیک اعمال کی توفیق عطا فرمادیتے ہیں۔ اس کی صورتیں دیکھئے کہ جو شخص مسواک کی پابندی کرتا ہے تو اس سنت کے فوائد میں سے ایک یہ ہے کہ جب اس کی موت کا وقت آتا ہے تو ملک الموت آتے ہیں اور اس بندے کو بتادیتے ہیں کہ تیری موت کا وقت قریب ہے، شیطان کو دور بھگادیتے ہیں اور اس بندے کو کلمہ پڑھنا یاددلادیتے ہیں۔ اب سوچئے یہ کتنا بڑا انعام ہے کہ ملک الموت شیطان بد بخت کو دور بھگادیں اور بندے کو کلمہ یاددلادیں۔ تو جو بندہ اللہ کو پسند ہوتا ہے اللہ تعالی اس کا انجام اچھا کردیتے ہیں، اس کو نیک اعمال کی توفیق دے دیتے ہیں۔

انجام بخیر ہونے کے قابل رشک واقعات

چنانچہ ایک بزرگ تھے، ہمارے ایک قریبی دوست کے وہ Father in law تھے، سسر تھے، اس وجہ سے اس عاجز کو ان سے ایک تعلق تھا، بس ان کی ایک چاہت تھی کہ ہر سال حج کرنا اور رمضان المبارک میں مسجد نبوی کے اندر اعتکاف کرنا، یہ دو باتیں ان کی زندگی کی خاص تمنا تھی اور الحمد للہ انھوں نے اپنی زندگی میں ۵۳ حج کیے، اور اتنی ہی دفعہ شاید مسجد نبوی میں اعتکاف بھی کیا ہوگا، ان کی چاہت ہی یہی تھی، جیسے ہوتا ہے کہ ہر بندے کی ایک تمنا ہوتی ہے، ان کی بس تمنا ہی یہی تھی، دعا مانگتے تھے کہ اللہ آخری وقت میں مجھے جنۃ البقیع میں دفن ہونے کی سعادت عطا فرما۔ اللہ نے ان کی دعا ایسے قبول کی کہ حیران ہوتے ہیں، رمضان المبارک کا مہینہ، آخری عشرہ، اعتکاف کی حالت میں، ریاض الجنۃ کے اندر باوضو ہیں، عصر کی نماز کی نیت باندھی ہے، جب دوسری رکعت کے سجدے میں گئے تو روح پرواز کرگئی، اب بتائیں کہ کتنی سعادتیں اللہ نے ایک ساتھ اکٹھی فرمادیں، باوضو موت آنا ایک سعادت، پھر مسجد نبوی میں، پھر رمضان المبارک، پھر آخری عشرہ، اعتکاف کی حالت میں، پھر ریاض الجنۃ کے اندر، پھر نماز کی کیفیت اور پھر سجدے کی حالت میں جب جاتے ہیں

تو سجدے میں روح قبض ہوتی ہے، سجدے سے اٹھتے نہیں، وہیں ان کی وفات ہو جاتی ہے، جنازہ ہوا، جنۃ البقیع کے اندر دفن ہوئے۔تو جو بندہ اللہ کو پسند ہوتا ہے اللہ اس کا انجام اچھا کر دیتا ہے۔

ہمارے شہر کے ایک صاحب تھے جو دنیا دار تھے، بہت بڑے بزنس مین تھے، لوگ ان کی امیری کی مثالیں دیتے تھے، اللہ کی شان دیکھیں کہ ان کی والدہ کی وفات ہوئی تو انھوں نے اس عاجز کو بلایا کہ رشتہ دار جمع ہیں، آپ کچھ آ کر نصیحت کر دیں تا کہ بچوں کی توجہ نیکی کی طرف ہو جائے، ہم نے موقع کو غنیمت سمجھا اور ہم نے وہاں پر ماں کے مقام پر بات کی، تا کہ اس کو محسوس ہو کہ اس کے سر سے سایہ چلا گیا، چنانچہ اللہ نے اس کے دل کو نرم کر دیا، بعد میں وہ مجھے ملے تو کہنے لگے: حضرت! آج میں نے دو تین نیتیں کر لی ہیں، پوچھا کیا؟ کہا کہ ایک تو نیت کر لی ہے کہ چہرے پہ سنت سجاؤں گا، اور دوسری نیت کر لی ہے کہ میں حافظِ قرآن بنوں گا اور تیسری نیت کر لی ہے کہ میں پابندی سے نماز پڑھوں گا، ہم نے دعا دی کہ بہت اچھا۔اور واقعی اس نے اپنے الفاظ کو پورا کر دکھایا، اس کے بعد اس کی زندگی کی ترتیب ہی بدل گئی، پہلے کا انسان کوئی اور تھا، اتنا نماز کا اس نے اہتمام کیا کہ ایک عالم کو اس نے اپنی کمپنی میں Job (ملازمت) دی کہ آپ کا کام ہے کہ میں سفر حضر جہاں بھی رہوں وقت پہ مجھے نماز پڑھائیں چنانچہ وہ عالم جماعت کرواتے اور یہ پیچھے نماز پڑھتے تھے، چند مہینے اس طرح گذرے، ایک دن عصر کی نماز پڑھنی تھی تو یہ وضو کر کے آئے اور صف میں کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ میں اقامت کہتا ہوں، اقامت کہتے کہتے جب انھوں نے کہا: ''أشهد أنَّ محمدًا رسولُ الله'' اتنے الفاظ کہے اور وہیں پر گرے اور موت آ گئی۔دیکھئے! زندگی کیسی گذری، مگر سچی توبہ اللہ کو پسند آ گئی، اللہ نے موت کیسی دی کہ نماز کی اقامت کہتے ہوئے کلمہ پڑھ رہے ہیں اور اس دنیا سے جا رہے ہیں۔تو اللہ رب العزت جب کسی بندے سے خوش ہوتے ہیں تو اس کو موت کے قریب اچھی باتوں کی توفیق اور پھر ایسی اچھی موت

عطا فرما دیتے ہیں۔

بری موت کے چند عبرتناک واقعات

اور جب کسی بندے سے ناراض ہوتے ہیں تو پھر اللہ تعالی اس کو بری موت دیتے ہیں، چنانچہ ایک مرتبہ ایک علاقے میں جانا ہوا، وہاں ایک وکیل صاحب سے ملاقات ہوئی، وہ وکیل صاحب دہریے تھے، ملے تو کہنے لگے کہ میں تو اللہ کو نہیں مانتا، ہم نے اسے سمجھانے کی کوشش کی، مگر وہ سمجھنے پر آمادہ ہی نہیں تھے، کہنے لگے کہ جتنا آپ اللہ سے ڈرتے ہیں میں نہیں ڈرتا، جب اس نے یہ الفاظ کہے تو یہ عاجز سمجھ گیا کہ یہ ضد پہ ہے، اس وقت یہ بات نہیں مانے گا، تو اس سے کہا کہ اچھا آپ اگر نہیں ڈرتے تو پھر آپ تیار رہیں، اللہ کے عذاب کا کوڑا تو آئے گا، کہتے ہیں کہ دیکھا جائے گا، اللہ کی شان دیکھیں ٦ مہینے نہیں گذرے تھے کہ اس وکیل صاحب کو ایک ایسی بیماری لگی کہ ابکائی آتی تھی، اور اس کے منہ سے جو نکلتا تھا اس میں پاخانے کی بو آتی تھی۔ اللہ نے دنیا میں دکھادیا کہ جس زبان سے تم اپنے مالک کی شان میں گستاخی کرتے ہو، ہم اسی منہ سے اگر نعمتیں کھلا سکتے ہیں تو ہم اسی منہ سے پاخانہ بھی نکال سکتے ہیں۔ میں نے ایک ڈاکٹر کو بتلایا تو اس نے بیماری کا نام مجھے بتایا کہ حضرت! اس بیماری کا یہ نام ہے، اس میں انسان کا سسٹم اس طرح ہوتا ہے کہ منہ سے جو نکلتا ہے اس میں پاخانے کی بو ہوتی ہے۔ تو اگر انسان برے اعمال کرے تو پھر اللہ تعالی اس کو بری موت دے دیتے ہیں۔

ہم لوگ شاید تیسری کلاس میں پڑھتے تھے، ایک دن اپنے اسکول سے گھر آرہے تھے تو میرے ساتھ والا بچہ مجھے کہنے لگا کہ ہمارا ہمسایہ ہے اور اس کو رسیوں سے باندھا ہوا ہے، آپ کو دیکھنا ہے؟ تو میں نے کہا: ہاں! ہم دونوں چھوٹے چھوٹے تھے، یہ وہ زمانہ تھا کہ ہمارے پاس Multiple Visas اس وقت پورے محلے کے کسی بھی گھر کا ویزا تھا، جب چاہتے، جس گھر میں داخل ہوجاتے ہر گھر میں عورتیں پیار کرتیں، مرد پیار کرتے، جو دیکھتا وہ

سینے سے لگاتا، تو عمر چھوٹی سی تھی ، اس کے ساتھ گئے، تو اس نے مجھے کھڑکی سے دکھایا تو میں نے ایک بندے کو دیکھا کہ واقعی اس کو رسیوں سے باندھا ہوا ہے، بال بکھرے ہوئے ہیں، اور وہ تھوڑی دیر کے بعد کتے کی آواز نکالتا ہے، کتے کی طرح بھونکتا ہے، اگر باہر سے ہم آواز سنتے تو یہی سمجھتے کہ کتا بھونک رہا ہے، لیکن آنکھوں سے چونکہ دیکھا کہ انسان تھا تو اس کو دیکھ کے حیران ہوئے، اور اپنے اوپر ایک خوف سا طاری ہوا، خیر! میں گھر گیا، جا کے والدہ کو بتایا امی! آج اسکول سے آتے ہوئے راستہ میں یہ واقعہ پیش آیا، پہلے تو امی نے ڈانٹا کہ تم گئے کیوں؟ میں نے کہا کہ دوست نے کہا تو میں نے سوچا کہ دیکھ آتا ہوں، تو امی نے کہا بیٹا! وہ ساری عمر بھونکتا رہا، اب اس کو بھونکتے ہوئے موت آئے گی، میں اس بات کو نہیں سمجھ سکا، دو تین دن کے بعد اس بندے کی وفات ہوئی، جب وفات ہوئی تب والدہ نے کہا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم پر تبرّا کیا کرتا تھا، اس کی سزا یہ ملی کہ اللہ نے موت سے پہلے کتے کی طرح بھونکتے ہوئے موت عطا فرمائی، کہ تم ساری زندگی میرے محبوب کے اصحاب کی شان میں گستاخیاں کرتے رہے، اب تمہیں بھونکتے ہوئے دنیا سے جانا ہے، تو نیک اعمال کا یہ نتیجہ کہ اچھی موت آتی ہے، اور برے اعمال کا یہ نتیجہ کہ انسان کو آخر میں برے حال میں موت آتی ہے۔

گناہوں کی وجہ سے زندگی میں مصیبتیں

اور پھر زندگی میں بھی ان گناہوں کی وجہ سے مصیبتیں آتی ہیں۔ اصول یہ ہے کہ

علی قدرِ تقوی اللّٰہ تَاتِی المواھبُ
وتَاتِی علی قدرِ الذُّنوبِ المصائبُ

کہ جتنا انسان نیکی کرے اتنا اللہ رب العزت کی طرف سے رحمتیں آتی ہیں اور جتنا انسان گناہ کرے اللہ کی طرف سے اس پر اتنی مصیبتیں آتی ہیں۔ وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ''رأیتُ فِی بعضِ الکُتبِ الْمنزَّلۃ: یَاعبدی! أطِعْنِی فِیمَا أمرْتُک'' اے میرے

بندے! میری اطاعت کر، جو میں نے تجھے حکم دیا ''وَلاتُعلِّمْنِی بمایصلحک'' مجھے مت بتا کہ تیرے لئے بہتر کیا ہے ''اِنی عَالِمٌ بخَلقِی'' میں نے اپنی مخلوق کو پیدا کیا، میں ان کو جانتا ہوں ''اِنماأُکرِمُ مَنْ أکرَمَنِی'' میں اس کا اکرام کروں گا جو میرے حکم کا اکرام کرے گا ''وأُھِینُ مَن أھان أمرِی'' اور میں اس بندے کو ذلیل کروں گا جو میرے حکم کو ہلکا سمجھے گا ''ولستُ بناظرٍ فی حَقِّ عَبدِی'' اور میں بندے کے حق میں اس وقت تک نہیں دیکھوں گا ''حَتّٰی یَنظُرَ عَبدِی فِی حَقِّی'' جب تک کہ بندہ میرے حق کو نہیں دیکھے گا۔ تو معلوم ہوا کہ ہم اللہ کے احکام کو پورا کریں گے تو اللہ ہمیں عزتوں سے نوازیں گے، اگر ہم اللہ کے احکام کو توڑیں گے اللہ ہمیں دنیا میں رسوا فرمادیں گے۔

گناہ کی نحوست

گناہوں کے آثار میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ''أبی اللہُ اِلّاأن یُذِلَّ مَنْ عَصَاہُ فِی الدُّنیَاوَ الآخِرَۃ'' اللہ تعالی نے اس بات کا فیصلہ کر دیا کہ جو اللہ رب العزت کی نافرمانی کرے گا اللہ اس کو دنیا و آخرت میں ذلیل فرمائے گا ''وماأذنبَ عبدفِی اللَّیلِ'' اور بندہ رات کو گناہ نہیں کرتا ''اِلّاأصبَحَ ومذلّتہُ عَلیٰ وَجہِہٖ'' مگر وہ اس حال میں صبح کرتا ہے کہ گناہ کی ذلت اس کے چہرے کے اوپر نظر آرہی ہوتی ہے۔ تو انسان رات کو گناہ کرتا ہے صبح کے وقت چہرے پر پھٹکار پڑی ہوتی ہے۔ ابن سماک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ''لَوْلَمْ یَکُنْ فِی الْمَعْصِیَۃِ اِلَّاالنَکَارَۃُ فِی الْوَجوِوَ ظُلْمَۃُ فِی الْقَلْبِ لکَانَ فِی ذٰلِکَ کِفَایَۃٌ'' کہ اگر گناہ کا بدلہ اتناہی ہوتا کہ دل سیاہ ہوتا اور چہرہ کے اوپر ذلت آتی تو گناہ کی یہی سزا کافی تھی۔ چہ جائے کہ اس کے علاوہ بھی اللہ تعالی دنیا و آخرت میں اس کی سزا عطا فرمائیں گے۔ تو انسان اپنے چہرے پہ گناہوں کی ظلمت کو سجالیتا ہے۔

نیکی کا نور

اور انسان کتنا چھپ کر اللہ کی عبادت کیوں نہ کرے، اللہ اس عبادت کے نور کو اس

کے چہرے او پر سجا دیتے ہیں، اور انسان کا چہرہ بتا دیتا ہے، آپ کو کبھی تقابل کرنا ہو تو اہل اللہ کے چہرے کو بھی دیکھ لیجئے اور یہ جو پاپ اسٹار ہوتے ہیں، ذرا ان کے چہروں کو بھی دیکھ لیں، کیا بکھرے بال، ان کے چہرے ایسے جیسے سکون اور طمانینت کا نام ونشان ہی نہیں ہوتا، ہوائیاں اڑی ہوئی ہوتی ہیں، اور اہل اللہ کے چہرے کو دیکھو تو دل کو سکون ہوتا ہے، ''الذین اذا رُؤا ذُکِرَ اللّٰہ'' یہ وہ بندے ہیں جن کو دیکھو تو دیکھنے سے اللہ یاد آجاتا ہے۔

گناہ کی تاثیر روزی کی تنگی میں

ہمارے بزرگوں نے فرمایا کہ گناہوں کی تین تاثیر تو پکی ہے ''قلۃ الرزق'' اللہ تعالیٰ رزق کو تنگ کردیتے ہیں، چنانچہ آپ دیکھیں کہ فیکٹریوں والے بھی اگر گناہوں کی لائن پہ لگ جائیں تو ان کو بھی رزق کی تنگی، وہ اس طرح کہ دو کنٹینر ادھر پھنس گئے، اسکی ادائیگی Payment رُک گئی، ادھر سے مال تیار نہیں ہوا، Cash in hand (ہاتھ میں روپیہ) ہوتا نہیں، پریشان بیٹھے ہوتے ہیں کہ کام کیسے چلائیں، اب ویسے کروڑ پتی ہیں مگر پریشان ہیں کہ بنے گا کیا، تو اللہ تعالیٰ دے کر بھی بندے پر Tight (تنگی) کردیتے ہیں اور کبھی کبھی رزق کے حصول میں اللہ مشکل کردیتے ہیں، کہتے ہیں: حضرت! پتہ نہیں کیوں Deal (سَودا) ہوتے ہوتے رہ جاتی ہے، یہ جو ہوتے ہوتے رہ جاتی ہے، یہ اِسی کی وجہ سے ہے، مگر عاملین کے پاس جاؤ؛ تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ کسی نے کچھ کردیا، اللہ ان عاملین سے بچائے، ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ عامل نہ بننا، کامل بننا، ان عاملوں کو تو پتہ ہی ہوتا ہے کہ ہم اس لائن پہ لگادیں گے؛ تو ان کے ذہن میں اسٹوری تو پہلے سے ہوتی ہے کہ ہاں پھوپھی نے کچھ کردیا، میری نند نے کچھ کردیا، چچا نے کچھ کردیا، الٹا ایمان خراب ہوتا ہے۔ لوگ قطع رحمی کے مرتکب ہوجاتے ہیں، حالانکہ کسی نے کچھ نہیں کیا، ہمارے اپنے گناہوں کی وجہ سے اللہ نے ہمارے رزق کو تنگ کیا ہوا ہے۔ کہتے ہیں کہ اجی! لگتا ہے کہ کسی نے کاروبار باندھ دیا ہے، کسی کو چھوٹا خدا کیوں مانتے ہو؟ کاروبار اللہ کو چلاتا ہے اور کاروبار اللہ کو روکنا

ہے، اللہ دینا چاہیں تو ساری مخلوق اکٹھی ہو جائے تو بھی روک نہیں سکتی، اللہ نہ دینا چاہیں ساری مخلوق اکٹھی ہو جائے کچھ دے نہیں سکتی۔ تو اللہ کو اللہ سمجھئے، یہ کیا بات کہ فلاں نے کاروبار باندھ دیا، فلاں نے رشتہ باندھ دیا، کوئی کچھ نہیں باندھ سکتا، ہاں ہم نے اپنے گناہوں کے سبب ان چیزوں کو باندھا ہوا ہوتا ہے، لیکن ہماری توجہ ادھر نہیں جاتی، ہم سچی توبہ کر کے دیکھیں کہ راستے کھلتے ہیں کہ نہیں کھلتے۔ ان عاملین کا Confirmatory Test (پول کھولنے والا پیمانہ) اور ان کے جھوٹے ہونے کی علامت یہ ہے کہ یہ بتا تو دیتے ہیں کہ کسی نے کچھ کر دیا، لیکن حل نہیں کر سکتے، کہتے ہیں کہ میں کر تو رہا ہوں لیکن کسی نے بڑا زبردست کیا ہوا ہے، بھائی! جب تم اس کا حل کر ہی نہیں سکتے تو تمہاری بات کیوں مانیں۔ ہاں ہم اس کا حل بتاتے ہیں، حل یہ ہے کہ تنہائی کے اندر وضو کر کے دو رکعت نفل پڑھ لیں اور اپنے اللہ سے صلح کر لیں کہ میرے مولی! آج تک جتنے گناہ کئے میں سچی توبہ کرتا ہوں، میں آج کے بعد نافرمانی نہیں کروں گا، آپ اپنے اللہ سے صلح کریں گے، اللہ آپ کے لئے بند دروازوں کو کھولتے چلے جائیں گے، آنکھوں سے آپ اس کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔

یہ گناہ ہمارے لئے دنیا میں جینا عذاب بنا دیتے ہیں، اس لئے ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ کو جس بندے کو جنت میں بھیجنا ہوتا ہے دنیا میں اس کا نمونہ دکھا دیتے ہیں، وہ اس طرح کہ اس کا دل بڑا پرسکون ہوتا ہے، وہ اپنے اللہ سے بڑا خوش ہوتا ہے، بڑا راضی ہوتا ہے، جب بھی پوچھو کیا حال ہے؟ وہ کہے گا میں اپنے اللہ سے بہت راضی ہوں، بہت خوش ہوں۔ اور جسے اللہ کو جہنم بھیجنا ہوتا ہے؛ فرمایا کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ اس کے دل کو اتنا پریشان کر دیتے ہیں کہ وہ بندہ کہتا ہے کہ پتہ نہیں میں اس مصیبت سے کب چھٹوں گا، دنیا میں اللہ نمونہ دکھا دیتے ہیں کہ دیکھو آج تم اس طرح آگ میں جل رہے ہو، کل تمہیں جہنم کی آگ میں اسی طرح جلنا پڑے گا۔ لہٰذا بجائے اس کے کہ ہم اپنے دلوں میں ظلمت کو لے کر اللہ سے دوری کی زندگی گذاریں، ہمیں چاہئے کہ ہم نیکی، تقویٰ کے ذریعہ اللہ کے قرب کی زندگی گذاریں۔

گناہ کی وجہ سے ظالم کا مسلط ہو جانا

اور عام طور پر ایک اور بھی اس کی تاثیر ہے "مَنْ ارْتَکَبَ مَعْصِیَۃً سَلَّطَ اللّٰہُ عَلَیْہِ ظَالِمًا" جو بندہ گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے اللہ اس کے اوپر کسی ظالم کو مسلط کر دیتے ہیں۔ اپنی زندگیوں کو ہم دیکھیں کہیں پر پڑوسی مسلط ہو جاتا ہے؛ جو جینا تنگ کر دیتا ہے۔ کہیں پہ کاروبار میں شریک بندہ ایسا مسلط ہے کہ جینا حرام ہو جاتا ہے، اور کہیں پر ہم نے دیکھا کہ بیوی ہی مسلط ہو جاتی ہے، بیچارہ خاوند پریشان کہ ایسی بیوی ملی، اور کہیں بیوی پہ خاوند مسلط ہوتا ہے کہ نیک بھی ہے، اچھی بھی ہے، مگر سو فیصد گناہوں سے نہیں بچتی، نتیجہ یہ کہ خاوند اس کو Tough time (پریشان کرنا) دیتا ہے، اس کا جینا حرام کر دیتا ہے، کہیں تہ کہیں کوئی نہ کوئی ظالم کوئی حاسد کھڑا ہو جاتا ہے، علم کی لائن میں ہے تو علم کی لائن کے حاسد، دنیا کے کام میں ہے تو Professional (دنیاوی لائن کے) حاسد، کوئی نہ کوئی ایسا بندہ اللہ کھڑا کر دیتے ہیں کہ بندے! تو میری نافرمانی کرتا ہے، میں بھی ایک بندے کو کھڑا کرتا ہوں جو تیرا جینا حرام کر دے گا، ان حاسدوں سے جان نہیں چھوٹتی۔ اس کا پھر ایک ہی طریقہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے اللہ کے سامنے Surrender کردے (ہتھیار ڈال دے) کہ اے اللہ! آج کے بعد میں آپ کے حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا۔

"قال حذیفۃ بن الیمان" حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "ما استخفَّ قوم بحق اللہ سُبْحَانَہٗ" کوئی قوم اللہ کے حق میں کوتاہی نہیں کرتی "اِلَّا بَعَثَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ" اللہ ایسے بندے مبعوث کر دیتا ہے "مَنْ یَسْتَخِفُّ بِھِمْ وَبِحَقِّھِم" کہ وہ ان کے اور ان کے حقوق کے اندر کوتاہی کرتا ہے۔ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب بھی مجھ سے اللہ کا حکم ماننے میں کوتاہی ہوئی میں نے دیکھا کہ اس دن یا تو بیوی نے حکم ماننے میں کوتاہی کی، یا اولاد نے حکم ماننے میں کوتاہی کی، یا میرے ماتحتوں نے حکم ماننے میں کوتاہی کی، یا کم از کم میرے سواری کے جانور نے میرا حکم ماننے میں میری کوتاہی کی، گویا اللہ رب العزت کی نافرمانی انسان کی

زندگی میں Reflect (واپس) ہوتی ہے، جیسا ہم کریں گے ویسا ہی ہوگا، اسی لئے کتنے لوگ آ کے کہتے ہیں کہ حضرت! اولاد بگڑ گئی، کیوں نہیں بگڑے گی؟ جب ہم اللہ تعالیٰ کی بات نہیں سنتے، اولاد ہماری نہیں سنتی، کہتے ہیں: اجی! بچے افلاطون بن گئے، بچے افلاطون تو بنے مگر ہم کیا بنے پھرتے ہیں، یہ بھی تو دیکھیں، تو انسان زندگی میں جیسا تعلق اللہ سے جوڑے گا ماتحتوں کے ساتھ اللہ ویسا تعلق بنا دیں گے، اگر اللہ تعالیٰ سے محبت کا تعلق اور فرمانبرداری کا تعلق جوڑے گا تو اللہ تعالیٰ بیوی محبت کرنے والی، بچے محبت کرنے والے، رشتہ دار محبت کرنے والے عطا کر دیں گے، ''ثُمَّ یُوْضَعُ لَهُ الْقَبُوْلُ فِی الْاَرْضِ '' ایسے بندے کے لئے زمین کے اندر قبولیت رکھ دیا کرتے ہیں۔

کامیابی کا واحد راستہ: گناہوں سے توبہ

ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بات بتائی فرمایا: ''اِذَا ثَقُلَ الذِّکْرُ عَلٰی لِسَانِکَ'' جب تیری زبان پہ ذکر کرنا بوجھ نظر آئے ''وَ کَثُرَ اللَّغْوُ فِی مَقَالِکَ'' اور تیری باتوں میں لغو کلام زیادہ ہو جائے ''وَ انْبَسَطَتِ الْجَوَارِحُ فِی شَهَوَاتِکَ'' اور تیرے اعضاء اور جوارح شہوات کے اندر ڈوب جائیں ''وَ انْسَدَّ بَابُ الْفِکْرَةِ فِی مَصَالِحِکَ'' اور تیرے اچھے کاموں میں تیری فکر کے راستے بند ہو جائیں ''فَلَیْسَ لَکَ طَرِیْقٌ اِلَّا التَّوْبَةُ'' اب تیرے لئے توبہ کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہم اپنی زندگی کے گناہوں سے سچی توبہ کریں۔

آج کل کی Problem (مشکل) یہ ہے کہ جتنے بھی ہم دین پہ چلنے والے لوگ ہیں، اگر شریعت میں سو گناہ ہیں تو کسی نے ۹۰ چھوڑ دیئے، کسی نے ۹۲، کسی نے ۹۵، کسی نے ۹۶، سو فیصد گناہوں کو چھوڑنے والے بہت تھوڑے ہیں، جو دین کے شعبوں میں کام کرنے والے، علم میں، دعوت میں، ذکر میں، ان شعبوں میں لگے ہوئے لوگ ہیں، وہ بھی ''اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً'' کا مصداق نہیں بنتے، کہیں نہ کہیں کانٹا پیچ میں رہتا ہے، جس کی وجہ سے

رحمت کے دروازے کھلنے میں دیر لگتی ہے۔

آپ دیکھیں Computer interface ہوتا ہے تو اس میں ۳۲ تاریں ہوتی ہیں تو ۳۲ تاروں کا Compatible (صحیح طریقہ سے کام کرنا) ہونا ضروری ہے، اگر ایک بھی ان میں سے کام نہ کر رہی ہو تو ۳۱ کے ٹھیک ہونے کے باوجود Communication (رابطہ) نہیں ہوتی۔ ہمارا معاملہ ایسا ہی ہے کہ ہم نے اتنا کچھ چھوڑ دیا لیکن کسی کو بدنظری کا چسکا، کسی کو زبان سے غیبت کا چسکا، یا کسی کو مالی بداحتیاطی کا چسکا، ایک، دو یا تین گناہ ہی ہوتے ہیں جنھوں نے بندوں کو اللہ سے واصل ہونے سے روکا ہوا ہوتا ہے

حسرت ہے اس مسافرِ مضطر کے حال پر
جو تھک کے رہ گیا ہو منزل کے سامنے

منزل بھی سامنے نظر آ رہی ہے، ۱۰۰ میں سے ۹۵ / ۹۶ قدم چل بھی گئے، ایک دو قدم باقی ہیں اور ان گناہوں کو نہ چھوڑنے کی وجہ سے اللہ سے دور زندگی گذار رہے ہیں۔ لہٰذا آج کی مجلس میں یہ عہد کرنا ہے کہ اللہ! آج ہم سو فیصد گناہوں سے توبہ کریں گے۔ آپ کو کوئی بندہ آکر بتائے کہ یہ 24 کیرٹ Gold (سونا) ہے؛ تو آپ خوشی سے قبول کریں گے اور اگر کہدے کہ 18 کیرٹ Gold (سونا) ہے یعنی ملاوٹ والا ہے تو اتنی توجہ ہی نہیں دھریں گے، کوئی کہے کہ 5 کیرٹ ہے تو آپ اٹھا کے پھینک دیں گے کہ یہ لے جاؤ، کیوں کہ جتنے کیرٹ حساب سے کم ہوتا گیا اس میں خالص کم ہے، ملاوٹ زیادہ، تو آپ ملاوٹ والا سونا پسند ہی نہیں کرتے، اسی طرح انسان اگر نیکیاں بھی کرتا ہے تو وہ نیکیاں 24 کیرٹ کی طرح خالص ہیں، پھر اللہ تعالیٰ اس پر ریٹ کچھ اور لگا دیتے ہیں اور اگر 22 کیرٹ اور 18 کیرٹ گناہوں کی اس میں شامل ہوتی گئیں تو پھر اللہ کے یہاں ان کو وہ رتبہ اور مقام نہیں ہوتا۔

متقی کا مقام غیر متقی کے مقابلے میں

ابو درداء رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: "مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ بِرٍّ مَعَ تَقْوٰى أَفْضَلُ وَأَعْظَمُ

وَ أزْجَحُ مِنْ أمْثَالِ الْجِبَالِ مِنْ عِبَادَةِ الْمُغْتَرِّينَ '' کہ دھوکہ کھانے والوں کی پہاڑوں برابر عبادت سے اس بندے کی عبادت جو تقوی کے ساتھ کرتا ہے ایک ذرہ اس کی کی ہوئی عبادت اس کی پہاڑوں برابر عبادت سے زیادہ بہتر ہوتی ہے۔ ایک حدیث پاک میں ہے کہ متقی آدمی کی دو رکعت غیر متقی بندے کی ہزار رکعت سے یادہ اللہ کے یہاں محبوب ہوتی ہے، دو رکعت پہ اتنا ثواب ملتا ہے، لہٰذا ہمیں گناہوں سے سچی توبہ کرکے اللہ کے فرمانبردار بندوں میں شامل ہونے کی ضرورت ہے۔

تقویٰ کی وجہ سے حکمت کا ملنا

مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے ''اِتَّقِ اللّٰہَ فِی خَلَوَاتِکَ وَ حَافِظْ عَلٰی اَوْقَاتِ صَلَوَاتِکَ وَغُضَّ طَرْفَکَ مِنْ لَحظَاتِکَ، تَکُنْ عِنْدَاللّٰہِ مَقْبُوْلاً فِی حَالَاتِکَ'' ۔ بعض عارفین نے کہا: ''اِذَا اجْتَمَعَتِ النُّفُوْسُ عَلٰی تَرْکِ الْمَعَاصِیْ'' اگر نفوس معاصی کو چھوڑنے پر مجتمع ہو جائیں ''جَالَتْ فِی الْمَلَکُوْتِ'' تو ان کو عالم ملکوت میں پرواز نصیب ہوگی ''وَعَادَتْ بِطَرَائِفِ الْحِکْمَۃِ'' اور وہاں سے ان کو حکمت بھری باتیں نصیب ہوں گی جو لے کر وہ واپس ہوں گے۔ چنانچہ جتنے متقی لوگ ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو حکمت عطا کرتا ہے ''وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا'' ۔ آپ اپنے بزرگوں کو دیکھیں کہ ان کی زندگیوں میں کتنی علمی موشگافیاں ہوتی تھیں، علمی نکات ہوتے تھے، معارف ہوتے تھے، انھوں نے بھی تو وہی کتابیں پڑھی ہوتی تھیں جو کتابیں آج طلبہ پڑھ رہے ہیں، حدیث پاک کی یہی بخاری شریف حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھی، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھی، حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھی، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھی، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھی، مگر انھیں کتابوں کو پڑھ کر ہمیں عشر عشیر بھی وہ کیفیت حاصل نہیں ہوتی؛ جو ہمارے اکابر کو اللہ نے عطا فرمائی تھی، اس کی وجہ یہی تھی کہ کتابوں میں فرق نہیں ہے، تقوی میں فرق ہے، ان کی زندگی میں تقوی تھا، وہ گناہوں سے بچتے تھے، لہٰذا ان کے دل منور ہو گئے تھے، آج گناہوں

کی وجہ سے ہمارے اوپر وہ اثرات مرتب نہیں ہو پاتے، چنانچہ انھیں کتابوں کے پڑھنے کے بعد علمی استعداد پیدا نہیں ہوتی۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مبارک زندگی کو دیکھیں، ان کی باتیں پڑھ کے اور سن کے انسان تیران ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ امام اعظم ابوحنیفہؒ بیٹھے ہوئے تھے، ایک بندہ آیا اور اس نے آ کے کہا کہ میری بیوی کو ہنڈیا چاٹنے کی عادت تھی اور یہ مجھے بری لگی تھی، تو میں نے اس کو منع کر دیا، غصہ میں کہہ دیا کہ اگر تو نے ہنڈیا چاٹی تو تجھے تین طلاق، وہ کچھ دن تو رکی رہی، پھر ایک دن اس نے ہنڈیا چاٹ لی تو اب میں نے جس سے بھی پوچھا اس نے کہا کہ تیری بیوی کو طلاق ہو گئی، میں تو بڑا پریشان ہوں، مجھے آپ بتائیں کہ طلاق ہوئی یا نہیں؟ حضرت نے فرمایا کہ بیوی کو بلاؤ میں اس سے کچھ پوچھوں گا، اس نے بیوی کو بلایا تو حضرت نے اس سے پوچھا کہ تو نے ہنڈیا چاٹی؟ کہا کہ جی، پوچھا کیسے چاٹی تھی؟ کہا کہ اس میں سالن جو بچا ہوا تھا اسے اس طرح لیا اور اس کو منہ میں ڈال دیا، حضرت نے فرمایا: جاؤ تمہاری بیوی کو طلاق نہیں ہوئی، اس نے ہنڈیا نہیں چاٹی، اس نے انگلی چاٹی تھی۔ اب یہ نکتے ان کو کیسے ملتے تھے؟ اس وجہ سے کہ ان کے اندر تقویٰ ہوا کرتا تھا۔

ایک مرتبہ علماء میں مسئلہ چلا کہ جب بندہ چار رکعت کی نیت باندھ لے اور دو رکعت کے بعد التحیات میں عبدہ ورسولہ کے بعد کھڑا ہونا اگر بھول جائے تو کسی نے کہا کہ **اللّٰھم** پڑھ لے اور پھر کھڑا ہو جائے تو بھی کوئی حرج نہیں، **اللّٰھم صلِّ** پڑھ لے تو بھی کوئی بات نہیں، **اللّٰھم صلِّ علٰی** پڑھ کے کھڑا ہو جائے پھر بھی کوئی حرج نہیں، امام اعظم ابوحنیفہؒ نے فتویٰ دیا کہ اگر اس نے پڑھ لیا **اللّٰھم صل علی محمد**، اب سجدہ سہو ضروری ہو گیا۔ اب یہ فقہ کا مسئلہ تھا اور امام صاحب نے فتوی دے دیا، تو کہتے ہیں کہ امام اعظمؒ کو خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نصیب ہوا، اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نعمان! تم نے میرا نام پڑھنے والے پر سجدۂ سہو کا حکم لگایا ہے؟ تو فوراً عرض کیا: اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! نہیں بلکہ میں نے یہ کہا

ہے کہ جو بھول کر غفلت سے آپ کا نام پڑھے اس بندے کو سجدۂ سہو کرنا ضروری ہے، تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت خوش ہوئے کہ تو نے بہت اچھا فتویٰ دیا، تو یہ نکتے کیسے ملتے تھے؟ یہ اللہ کی طرف سے ان کے تقویٰ کی وجہ سے ملتے تھے۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ بیٹھے ہوئے ہیں، ایک بڑے میاں آئے اور آکر پوچھتے ہیں واو اوواوین؟ امام صاحب نے فرمایا: واوین، جاتے ہوئے کہنے لگا: ''لاو لا'' بڑے بڑے علماء بیٹھے ہوئے تھے، کسی کو کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ بڑے میاں نے کیا اشارے کئے، امام صاحب نے جواب کیا دئے، سارا دن سوچتے رہے، زور آزمائی کرتے رہے، شام کو کہنے لگے کہ حضرت! آپ ہی بتا دیجئے کہ اس بوڑھے نے آپ کو کیا کہا؟ امام صاحب نے فرمایا کہ اس نے مجھ سے مسئلہ پوچھا کہ التحیات ایک واو سے پڑھنی چاہئے یا دوواو کے ساتھ، ہم حنفی لوگ دوواو سے پڑھتے ہیں التحیات للہ و الصلوات و الطیبات، اس نے مجھ سے پوچھا کہ ایک سے پڑھوں یا دو سے؟ میں نے کہا دوواو سے پڑھو۔ اچھا یہ تو بات سمجھ میں آگئی، مگر وہ جاتے ہوئے لاو لا کیا کہہ گیا؟ فرمایا کہ وہ مجھے دعا دے گیا ہے، پوچھا حضرت! لاو لا کیا دعا ہوئی؟ فرمایا قرآن مجید کی آیت کی طرف اشارہ کر گیا ہے کہ اللہ! ابو حنیفہ کے علم کو ایسا شجرۂ طیبہ بنادے کہ ''لَا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ'' تو اللہ تعالیٰ اس تقوی کی وجہ سے بندے کو ایسی نکتہ آفرینی عطا فرما دیتے ہیں، امام اعظم ابو حنیفہؒ کے بارے میں سیکڑوں مثالیں دی جاسکتی ہیں۔

قریب کے زمانے ہمارے شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کو دیکھیں، سبحان اللہ حضرت شاہ صاحب ایک دفعہ بیٹھے ہوئے تھے، ان کے پاس ایک فرنگی آیا، کہنے لگا آپ اپنے لوگوں کو مدرسوں میں بس عربی پڑھاتے ہیں، اور تنگ ذہن بنا دیتے ہیں اور یہ کنویں کے مینڈھک بن جاتے ہیں، باہر کی دنیا کا کچھ پتہ نہیں ہوتا اور ہم تو اپنے بچوں کو سائنس پڑھاتے ہیں، جغرافیہ پڑھاتے ہیں، ہمارے بچے بڑے Open mind (کھلے ذہن) ہوتے ہیں، بڑی وسیع Thinking (سوچ) ہوتی ہے، دیکھو یہ میرا بیٹا ہے، میں اس کو

سائنس پڑھ رہا ہوں، آپ اس سے بات کریں، آپ کو پتہ چلے گا کہ اس کی کتنی وسیع سوچ ہے، حضرت نے اُس بچے کو بلا کر پوچھا کہ یہ وضو کرنے کا جو تالاب ہے بتاؤ کہ اس تالاب میں کتنے پیالے پانی ہوں گے؟ اب تالاب میں تو ہزاروں لیٹر پانی ہوتا ہے،— اب اس میں کتنے پیالے پانی ہے؟؟ یہ کیسے معلوم ہوگا؟— اس نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا کہ مجھے تو پتہ نہیں، تو حضرت نے اس کے ہم عمر ایک طالب علم کو بلایا وہ منطق پڑھنے والا تھا، اس طالب علم سے کہا کہ بتاؤ کہ اس تالاب میں کتنے پیالے پانی ہیں؟ اس نے کہا حضرت! اگر اس تالاب کے مقابلے آدھے سائز کا پیالا ہو؛ تو دو ۲ پیالے پانی اور اگر اس تالاب کے برابر سائز کا پیالہ ہو تو ایک ۱ پیالہ پانی۔۔ یہ چیزیں حکمت کی بات کہلاتی ہیں، یہ تقویٰ کی وجہ سے انسان کو ملتی ہیں۔

گنبد خضراء علماء دیوبند کی عظمت کی نشانی

ایک عجیب وغریب واقعہ سنئے، ہمارے ایک تعلق رکھنے والے تھے جنھوں نے دارالعلوم دیوبند سے دورۂ حدیث کیا تھا اور انھوں نے زندگی کے کوئی تیس سال مسلم شریف پڑھائی تھی، فرمانے لگے کہ حضرت! میں آپ کو ایک واقعہ سناؤں جو دارالعلوم دیوبند میں پیش آیا، ہم نے کہا سنائیں، کہنے لگے کہ ایک مرتبہ جب سعودی عرب کے علماء نے سعودی عرب میں جتنے ترکوں کے زمانے کے بنے ہوئے مقبرے وغیرہ تھے سب ہٹا دیجئے، ان پر بلڈوزر چلا دیئے تو ان علماء میں بحث چلی کہ بخاری شریف کی ایک حدیث ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بناء علی القبور کی اجازت نہیں، یعنی قبر بنائیں تو کھلے آسمان کے نیچے، اس کے اوپر قبہ بنا دینا، عمارت بنا دینا شرعاً اس کی اجازت نہیں ہے، تو جب انھوں نے جنۃ البقیع میں جو ترکوں نے قبے بنا دئے تھے سب ہٹا دئے، تو انھوں نے کہا کہ گنبد خضراء کے بارے میں کیا کریں، تو جو حاکم تھے وہ سمجھدار تھے، انھوں نے کہا کہ دیکھو یہ ذرا Touchy (حساس) معاملہ ہے، امت اس معاملہ میں بہت حساس ہے، تم پہلے ملکوں میں جاؤ اور وہاں کے علماء سے بات

چیت کر کے ان کو ہمنوا بناؤ، اگر علماء تمہارے ساتھ ہو گئے تو پھر ہم یہ بات سوچیں گے، لہٰذا انھوں نے ایک وفد دارالعلوم دیو بند میں بھیجا، وہ لوگ آئے، انھوں نے آ کے مہتمم صاحب سے بات کی کہ ہم اس حدیث مبارک کے بارے میں آپ سے بات کرنے آئے ہیں، اگر اس پر کوئی اعتراض ہے تو ہمیں بتا دیں، اگر اعتراض بھی نہیں ہے، حدیث متصل ہے، صحیح ہے، تو پھر اس پر عمل کرنا چاہئے، تو جو مہتمم تھے انھوں نے کہا کہ آپ تین دن ہمارے پاس قیام کریں، اتنے میں ہم اپنے علماء کو اطلاع دے دیتے ہیں تاکہ وہ آجائیں اور ہم ان سے مشورہ کے بعد جواب دے سکیں، انھوں نے کہا کہ ٹھیک ہے، وہ دارالعلوم کے ہی کے مہمان خانے میں تین دن رہے، آخری دن جو رات تھی وہ دارالعلوم دیو بند میں عجیب تھی، ۵۰۰ کے قریب بڑے بڑے اکابرین مشاہیر علماء دارالعلوم میں جمع ہو گئے اور سب اس مسئلہ کے بارے میں سوچ رہے تھے کہ ہمیں صحیح جواب کیا دینا ہے، اب مسئلہ بڑا نازک تھا، وہ کہتے ہیں کہ رات کے وقت کوئی نفلیں پڑھ رہا تھا، کوئی تلاوت کر رہا تھا، کوئی آپس میں تکرار کر رہے تھے، کوئی کتابیں دیکھ رہے تھے، کوئی دعا مانگ رہے تھے کہ اللہ! جو صحیح جواب ہے وہ سجھا دیجئے، دل میں ڈال دیجئے، اگلے دن عصر کے بعد ۵۰۰ علماء مسجد میں اکٹھے ہوئے، تو وفد کے جو عرب عالم تھے وہ کھڑے ہوئے اور انھوں نے کھڑے ہو کر یہ بیان کیا کہ بخاری شریف کی اس حدیث پاک سے پتہ چلتا ہے کہ بناء علی القبور کی اجازت نہیں، ہماری نظر میں کوئی راوی ایسا نہیں کہ جو ضعیف ہو، یا جس پر جرح کی گئی ہو، سند بھی متصل ہے، تو متن اور سند ٹھیک ہونے کی وجہ سے اس کا درجہ بڑا رفیع ہو گیا، اب اس حدیث پاک کے اوپر عمل کرنا نص کے اوپر عمل کرنا ہے، جب اس نے بیان کر لیا تو اس کے بعد تھوڑی دیر پورے مجمع پہ خاموشی رہی، کہیں کہیں سسکیوں کی آوازیں آ رہی تھیں، کچھ علماء تھے جن کی آنکھوں میں آنسو تھے، اب وہ اللہ کے سامنے گڑگڑا رہے تھے کہ اللہ! اتنی بڑی ذمہ داری ہے، ایسے موقع پہ صحیح جواب دل میں ڈال دیجئے، مگر سب حیران تھے کہ جواب کیا دیا جائے گا، حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

بھی تھے، وہ کھڑے ہوئے اور کھڑے ہو کر فرمایا: الحمد للہ! اللہ نے اس مسئلہ میں میرا شرح صدر فرمادیا ہے، تو عرب علماء نے پوچھا کہ کیا شرح صدر ہوا؟ تو حضرت نے فرمایا کہ شرح صدر یہ ہے کہ جو حدیث مبارک آپ لوگوں نے بتائی وہ سند کے اعتبار سے بھی ٹھیک، متن کے حساب سے بھی ٹھیک، واقعی اس کا مضمون سو فیصد ٹھیک ہے، تو وہ کہنے لگا کہ اس کا مطلب یہ کہ پھر ہم گنبد خضراء کو گرا سکتے ہیں؟ حضرت نے فرمایا کہ نہیں، یہی تو اللہ نے میرا شرح صدر کردیا، حدیث بھی ٹھیک ہے، مگر آپ لوگ گنبد خضراء کو بھی نہیں گرا سکتے ، انھوں نے کہا کیوں؟ فرمایا: اس لئے کہ حدیث پاک میں بناء علی القبور سے منع کیا گیا ہے، مگر گنبد خضراء کا معاملہ الگ ہے، یہ حجرۂ عائشہ پہلے سے تھا، قبر مبارک بعد میں بنائی گئی، اس لئے یہ بناء علی القبور میں داخل نہیں، کوئی گنبد خضراء کو نہیں ہٹا سکتا، آج بھی گنبد خضراء اپنی جگہ پر موجود ہے، علماء دیوبند کی علمی عظمت کی دلیل بنا ہوا ہے۔ ہمارے اکابر کو اللہ رب العزت نے یہ علم کی گہرائی ان کے تقوی کی وجہ سے دی تھی، ہم بھی اگر گناہوں کو چھوڑیں اور نیکوکاری کی زندگی اختیار کریں تو اللہ رب العزت ہمیں بھی علم میں پختگی اور عمق عطا فرما سکتے ہیں۔

ابوتراب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''اِذَا أَجْمَعَ الرَّجُلُ عَلٰی تَرْکِ الذُّنُوْبِ'' کہ اگر انسان اس بات پہ متفق ہوجائے کہ مجھ کو گناہ نہیں کرنا ''أَتتهُ الأَوْرَادُ مِنَ اللهِ مِن کلِّ جانب'' تو گناہ چھوڑنے والے بندے کو ہر طرف سے اللہ تعالی علم کے معارف عطا فرما دیتے ہیں۔ بعض عارفین نے کہا: ''اِذَا تَرَکَ الْعَبْدُ لِلّٰهِ مَعْصِيَةً'' جب انسان اللہ کی رضا کے لئے معصیت کو چھوڑ دیتا ہے ''عَوَّضَهُ اللهُ مِنْهَا طَاعَةً'' اللہ اس کے بدلے طاعت کی توفیق دے دیتا ہے ''ثُمَّ يُصِيْبُهُ عَلٰی تِلْکَ الطَّاعَةِ طَاعَةً أُخْرٰی'' ایک نیکی کرنے پر اللہ دوسری نیکی کی توفیق دیتے ہیں، اس کو کہتے ہیں: '' ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ''۔ یحیی بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے ''عَلٰی قَدْرِ الْخُرُوْجِ مِنَ الذُّنُوْبِ تَكُوْنَ الْإِفَاقَةُ لِلْقُلُوْبِ'' کہ جتنا گناہوں سے خروج ہوتا جائے گا اتنا ہی دل کے امرض میں انسان کو افاقہ ہوتا چلا جائے

گا۔ حدیث پاک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''یاداؤ ذانقطِعْ لی اَنقُص لک رؤس الملوک وألبس وجهک المهابة'' جو بندہ اللہ کی فرمانبرادی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے چہرے پہ ایسا نور دے دیتا ہے کہ لوگوں کے دل پہ اس کا رعب ہو جاتا ہے۔

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ حضرت! تصوف کا مقصود کیا ہے؟ تو فرمایا کہ انسان کے رگ رگ اور ریشے ریشے سے گناہوں کا کھوٹ نکل جائے، یہ تصوف کا مقصود ہے، تو ذکر و سلوک کی برکت سے انسان کے اندر گناہوں سے نفرت آ جاتی ہے اور اللہ رب العزت کی محبت بڑھ جاتی ہے اور انسان کامل اللہ کا فرمانبرادر بندہ بن جاتا ہے۔ اسی لئے ہمارے سلسلہ کے ایک بزرگ تھے خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ، ایک عجیب بات انھوں نے کہی: سونے کی سیاہی سے لکھنے کے قابل ہے، فرماتے تھے: جس شخص نے جو دن گناہوں کے بغیر گذارا وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اس نے وہ دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں گذارا، تو ہم آج کی اس مجلس میں یہ عہد کریں کہ ہم بھی اب گناہوں سے بچ کر سچی توبہ کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں دن گذاریں گے، اللہ رب العزت ہمیں سچی توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔

یہ بات نہیں ہے کہ ہمارے دنیا کے کام بڑے ہیں، ہم گناہوں سے کیسے بچیں؟ ایسے بندے دنیا میں گذرے ہیں کہ جو مال و دولت کے بھی بڑے خزانے والے تھے مگر اللہ کی یہاں بھی بڑے درجے والے تھے، ایک واقعہ سن لیجئے، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ فوت ہوئے تو آپ کا جنازہ ایک بڑے میدان میں لایا گیا، جہاں تک نظر جاتی تھی لوگ تھے، جنازہ رکھا گیا تو ایک بندے نے اعلان کیا کہ حضرت نے کچھ وصیت فرمائی تھی میں وہ وصیت پڑھ کے سناتا ہوں، حضرت نے وصیت فرمائی تھی کہ میرا جنازہ وہ شخص پڑھائے جس کی زندگی میں تکبیر اولیٰ کبھی قضا نہ ہوئی ہو، دوسری شرط یہ کہ اس کی زندگی میں تہجد کی نماز بھی کبھی قضا نہ ہوئی ہو، اور تیسری شرط یہ کہ اتنا عبادت گذار ہو کہ عصر کی سنتیں جو غیر مؤکدہ ہیں وہ بھی کبھی نہ چھوڑی ہو، اور چوتھی شرط کہ اس نے کبھی غیر محرم کو بری نظر سے نہ دیکھا ہو، یہ چار

خوبیاں جس میں ہوں وہ میرا جنازہ پڑھائے۔ جب اعلان کیا گیا تو مجمع کو تو سانپ سونگ گیا، کون تھا جو آگے بڑھتا اور کہتا کہ میرے اندر یہ چاروں خوبیاں ہیں، لوگ پریشان تھے کہ حضرت کا جنازہ کون پڑھائے گا، کچھ دیر کے بعد ایک آدمی مجمع سے اٹھا، رورہا تھا، آگے بڑھا، حضرت کے جنازے کے قریب پہنچا، کفن کا کپڑا ہٹایا اور حضرت سے کہا کہ حضرت آپ خود تو فوت ہو گئے، مجھے آپ نے رسوا کردیا، میرا راز آپ نے کھول دیا، پھر اس نے مجمع کے سامنے اللہ کو حاضر ناظر جان کر قسم کھائی کہ میرے اندر یہ چاروں خوبیاں موجود ہیں، اس شخص نے نماز جنازہ پڑھائی، لوگوں نے دیکھا کہ یہ وقت کا بادشاہ التمش تھا۔ اگر وقت کا بادشاہ اتنا متقی ہوسکتا ہے کہ اس کی تہجد قضا نہ ہوئی، تکبیر اولیٰ قضا نہ ہوئی، عصر کی سنتیں قضا نہ ہوئیں، غیر محرم پر کبھی زندگی میں بری نظر نہ پڑی، تو پھر ہم کیا قیامت کے دن بہانے کریں گے کہ اللہ ہم شریعت کی اتباع کیوں نہ کرسکے؟ آج وقت ہے کہ نیکی تقوی کی زندگی اختیار کرلیں، گناہوں کا بخشوانا آج بڑا آسان ہے، آنکھ سے ایک آنسو گرے گا پورے کے پورے گناہوں کو دھو کے چلا جائے گا، اس لئے ہمیں چاہئے کہ آج ہم اپنے دلوں میں یہ عہد کریں کہ اللہ! آج کے بعد ہم نیکوکاری اور تقوی کی زندگی گذاریں گے اور گناہوں سے ہم جان چھڑائیں گے، ورنہ سچی بات تو یہ ہے کہ جو زندگی ہم گزار چکے ہیں اگر اسی کو لے کے اللہ کے سامنے چلے گئے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نے ہمیں Choice (اختیار) دے دیا کہ میرے بندے یا تو خود ہی جہنم چلے جاؤ، یا ہم تمہاری زندگی کی ویڈیو تمہارے باپ کو دکھاتے ہیں، تمہارے استاذ کو دیکھاتے ہیں۔ پیر کو کہیں کہ تمہاری زندگی کی ویڈیو تمہارے مریدوں کو دکھاتے ہیں، بیوی کو کہیں تمہاری ویڈیو تمہارے خاوند کو دکھاتے ہیں، اور بیٹی کو کہیں کہ یا تو جہنم میں چلی جاؤ یا تمہاری زندگی کی ویڈیو تمہارے باپ کو دکھاتے ہیں، تو مجھے تو لگتا ہے کہ ہم سب یہی کہیں گے اللہ! ہماری ویڈیو کسی کو نہ دکھانا، ہم خود ہی جہنم چلے جاتے ہیں، اگر زندگی ایسی گذار چکے ہیں تو آج وقت ہے کہ ہم سچی توبہ کر کے اس ویڈیو کو ختم کر کے ایک نئی نیکوکاری کی زندگی گذارنے کا

دل میں ارادہ کرلیں۔ اللہ رب العزت گناہوں کو معاف کر کے خوش ہوتے ہیں، اللہ تعالی ہمارے گناہوں کو معاف کردے، علامہ اقبال نے کیا خوبصورت شعر کہا:

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر　　　　روز محشر عذر ہائے من پذیر

اللہ! تو دو عالم سے غنی ہے میں فقیر ہوں، اللہ! قیامت کے دن میرے عذروں کو قبول کر لینا

گر تو می بینی حسابم ناگزیر　　　　از نگاہ مصطفی پنہاں بگیر

اللہ! اگر میرا حساب لینا ضروری ہو؛ تو میرا حساب مصطفی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظروں سے اوجھل لے لینا، مجھے ان کے سامنے شرمندگی ہوگی، وہ کیا فرمائیں گے کہ یہ طالب علم تھا، یہ میری حدیث پڑھنے والا تھا، یہ مدرسہ میں اللہ کے نام کی روٹیاں کھانے والا تھا، یہ دین کی نسبت رکھنے والا تھا اور اس کی نجی زندگی ایسی تھی، قیامت کے دن سب کے سامنے ہماری رسوائی ہوگی تو پھر کتنا برا ہوگا، آج وقت ہے کہ سچی توبہ کے ذریعہ اپنے گناہوں کو معاف کروالیں، اللہ تعالیٰ ہمیں نیکوکاری اور تقوی کی زندگی نصیب فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

❁❁❁

اگلے صفحہ سے جو خطاب زیر نظر ہو گا، وہ خطاب بنگلور کے پیلس گراؤنڈ، ۲۰/اپریل ۲۰۱۱ء بروز بدھ بعد نماز مغرب ہوا تھا۔ محتاط تخمینہ کے مطابق سامعین کی تعداد تقریباً ایک لاکھ بتائی گئی ہے۔

دین خیر خواہی کا نام ہے

الحمدللہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ

سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون و سلام علی المرسلین و الحمدللہ رب العالمین

اللھم صل علی سیدنا محمد و علی اٰل سیدنا محمد و بارک و سلم

اللھم صل علی سیدنا محمد و علی اٰل سیدنا محمد و بارک و سلم

اللھم صل علی سیدنا محمد و علی اٰل سیدنا محمد و بارک و سلم

کیا ہم مسلمان ہیں؟

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ '' اور جو انسانوں کی نفع رسانی کا کام کرتا ہے اللہ تعالی اس کو زمین میں جما دیتے ہیں۔ دین اسلام دین فطرت ہے، اس نے انسان کو بہترین اخلاق اپنانے کی تعلیم دی، چنانچہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بُعثتُ لِأُتَمِّمَ مكارمَ الأخلاق '' میں مکارمِ اخلاق کی تعلیم دینے کے لئے مبعوث ہوا ہوں اور اللہ رب العزت نے آپ کو اخلاق عظیمہ سے نوازا تھا، ارشاد فرمایا: ''وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ '' اے میرے پیارے حبیب! آپ اخلاق کے اعلی مرتبے پر فائز ہیں۔ چنانچہ نبی ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو خوش اخلاقی کی تعلیم دی۔ جس طرح درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے، انسان اپنے اخلاق سے پہچانا جاتا ہے، جو صحیح معنوں

میں انسان ہو، مسلمان ہو، وہ ہمیشہ خوش اخلاق انسان ہوتا ہے۔ اس لئے حدیث پاک میں آیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایمان لانے کے بعد سب سے بہترین چیز خوش اخلاقی ہوتی ہے، اس سے بڑی نعمت کسی اور کو نہیں ملتی کہ ایمان لانے کے بعد انسان خوش اخلاق انسان بن جائے۔ آج زبان سے تو ہم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں لیکن حقیقت میں کتنے مسلمان ہیں، ہم اس کا اندازہ خود لگا سکتے ہیں ؎

چوں میگویم مسلمانم بلرزم　　　　که دانم مشکلاتِ لاالٰہ را

جب میں کہتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں تو میں لرز جاتا ہوں، اس لئے کہ میں لا الٰہ الا اللہ کی مشکلات سے واقف ہوں۔ ایک اور شاعر نے کہا کہ

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے　　　　لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

آج ہم اپنے آپ کو کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں، ذرا بیٹھ کے اندازہ تو لگائیں کہ کیا ہماری آنکھیں مسلمان ہیں؟ اگر مسلمان ہیں تو یہ غیر محرم کی طرف نہیں اٹھیں گی، کیا ہماری زبان مسلمان ہے، اگر یہ زبان مسلمان ہے تو یہ جھوٹ نہیں بولے گی، وعدہ خلافی نہیں کرے گی، اگر ہمارا دل مسلمان ہے تو یہ دل گناہوں کے منصوبے نہیں باندھے گا، اگر ہمارے ہاتھ پاؤں مسلمان ہیں تو پھر یہ کسی گناہ کی طرف چل کے نہیں جائیں گے، کسی کی عزت کی طرف ہاتھ نہیں اٹھیں گے، اگر ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارے اعضاء میں سے کوئی عضو بھی صحیح طرح مسلمان نہیں تو پھر سوچنا چاہئے کہ مسلمانی کس چیز کا نام ہے، ہم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں تو وہ کیا چیز ہے ؎

خرد نے کہہ بھی دیا لاالٰہ تو کیا حاصل　　　　دل ونگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

بلکہ کہنے والے نے کہا۔

تو عرب ہے یا عجم ہے تیرا الا الٰہ الاّ
لغت غریب جب تک تیرا دل نہ دے گواہی

اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ آج ہم نام کے مسلمان تو یقیناً ہیں، مگر مسلمانیت ہمارے اندر سے نکلتی جارہی ہے۔

ایک ہوتا ہے گنا اور ایک ہوتا ہے سرکنڈا، کانا، بانس سمجھ لیجئے، اب دونوں کو ظاہر میں اگر دیکھیں تو شکل ایک جیسی ہے، گنا بھی اسی طرح کا اور بانس کا پتلا پودہ بھی اسی طرح ہے ظاہر ایک ہے، مگر باطن میں زمین آسمان کا فرق ہے، ایک رس سے خالی دوسرا رس سے بھرا ہوا۔ آج ہماری مسلمانی اور ہمارے اسلاف کی مسلمانی میں بھی فرق ہے، ہم دیکھنے میں مسلمان ہیں، مسلمانوں کی فہرست میں ہمارا نام ہے، وہ اس لئے کہ اللہ نے ہمیں کلمہ کی سعادت عطا فرمائی، الحمد للہ، لیکن ابھی ہمیں اپنے اوپر بہت محنت کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ ہم صحیح معنوں میں مسلمان کہلا سکیں۔

منہ دیکھ لیا آئینے میں، پر داغ نہ دیکھے سینے میں
جی ایسا لگایا جینے میں، مرنے کو مسلماں بھول گئے

تکبیر تو اب بھی ہوتی ہے مسجد کی فضا میں اے انور
جس ضرب سے دل ہل جاتے تھے وہ ضرب لگانا بھول گئے

ہمارے اکابر رات کے آخری پہر میں اٹھتے تھے، اللہ کو مناتے تھے، لا الہ الا اللہ کی ضربیں لگاتے تھے، ان کے سینوں میں دل کانپتے تھے، آج ہمارے لئے رات کے آخری پہر کی بیداری مشکل بن گئی، فجر میں بھی مشکل سے نماز میں آکے ملتے ہیں

کس قدر تجھ پہ گراں صبح کی بیداری ہے
ہم سے کب پیار ہے ہاں نیند تمہیں پیاری ہے

ہم اپنے اعمال کو دیکھیں تو ابھی بہت زیادہ ہمیں محنت کرنے کی ضرورت ہے، ایک وقت تھا کہ جب مومن کا سینہ اللہ رب العزت کی محبت کا خزینہ ہوتا تھا، اس کی زبان سے اللہ کا لفظ نکلتا تھا لوگوں کے دلوں پہ تاثیر ہوتی تھی۔

تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے
کھویا گیا ہے تیرا جذب قلندرانہ

آج وہ جذب ہمارے اندر باقی نہیں، وہ محبت کا جنون ہمارے اندر باقی نہیں۔

محبت کا جنوں باقی نہیں ہے　　　وہ دل وہ آرزو باقی نہیں ہے
نماز و روزہ و قربانی و حج　　　یہ سب باقی ہے تو باقی نہیں ہے

اسی لئے ہمارے اسلاف نماز میں کھڑے ہوتے تھے تو اللہ رب العزت سے ان کا ایک تار جڑا ہوتا تھا، آج ہم نماز میں کھڑے ہوتے ہیں دل دماغ گلی کوچہ بازار میں پھنسے ہوئے ہوتے ہیں۔

سنی نہ مصر و فلسطیں میں وہ اذاں میں نے
دیا تھا جس نے پہاڑوں کو رعشۂ سیماب

سیماب کہتے ہیں پارے کو یعنی Mercury، اس کی یہ صفت ہے کہ یہ ہر وقت تھراتا رہتا ہے، تھر کتا رہتا ہے، تو وہ فرماتے ہیں کہ مصر و فلسطیں میں بھی وہ اذان میں نے نہ سنی کہ جس اذان کو سن کر پہاڑ بھی پارے کی طرح کانپا کرتے تھے

وہ سجدہ روح زمین جس سے کانپ جاتی تھی
اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

منبر و محراب ترستے ہیں کہ کہاں گئے وہ لوگ جو سجدہ کرتے تھے تو زمین کانپتی تھی، آج ہماری نمازیں ایسی ہیں کہ زبان پہ فاتحہ چل رہی ہوتی ہے اور دل میں خیال کسی غیر کا چل رہا ہوتا ہے، بے ذوق سجدے ہیں، بے حضور نمازیں ہیں، یہ ہم آج اللہ کے حضور تحفہ بھیج رہے ہوتے ہیں، آپ سوچیئے تو سہی، ہمیں کتنی محنت کی ضرورت ہے۔

بہ زمیں چوں سجدہ کردم ززمیں ندا برآمد
کہ مرا خراب کردی تو بسجدۂ ریائی

جب میں نے زمین پہ سجدہ کیا تو زمین سے یہ آواز آئی: او ریا کے سجدہ کرنے والے! تو نے

مجھے بھی خراب کر ڈالا

میں جو سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
تیرا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

نماز میں تو اگر دل صنم آشنا ہوا تو نماز کی حضوری کہاں نصیب ہوگی۔ اس لئے آج اپنے آپ پہ محنت کرنے کی ضرورت ہے۔

اسلام میں خیر خواہی

نبی ﷺ نے دین کو Define کیا (پہچان بتائی)، ارشاد فرمایا: ''اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ'' دین سراسر خیر خواہی ہے، طلبہ جانتے ہیں کہ جب مبتدا اور خبر دونوں معرفہ لائے جائیں تو ان میں حصر ہوتا ہے، تو معنی یہ بنے گا کہ دین ہی خیر خواہی ہے، یا یوں کہیں گے کہ خیر خواہی ہی دین ہے، ان دونوں میں چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے، یہ آپس میں لازم وملزوم بن جاتے ہیں، معلوم یہ ہوا کہ جہاں دین ہوگا وہیں خیر خواہی ہوگی اور جہاں آپ کو خیر خواہی نظر آئے وہیں آپ کو دین نظر آئے گا، دین دار انسان کبھی بدخواہ نہیں بن سکتا، بدخواہ انسان دیندار نہیں ہو سکتا اور آج دیکھئے کہ ہم لوگوں کے دلوں میں اپنے قریب رہنے والوں کی بدخواہی ہوتی ہے، نیت کا ٹھیک کرنا اس راستے کا پہلا قدم ہے، جب تک نیت ہماری ٹھیک نہیں ہوگی تب تک اللہ کے راستے میں ہمیں آگے بڑھنا نصیب نہیں ہوگا۔

ہمارے علاقے میں ایک بزرگ گذرے ہیں شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ، انھوں نے اپنے علاقائی زبان میں ایک شعر کہا، وہ زبان ممکن ہے آپ نہ سمجھیں مگر اسکا ترجمہ آپ سمجھیں گے، فرماتے ہیں:

> اگر نہانے دھونے سے رب ملتا تو پھر مچھلیوں کو رب مل جاتا، وہ تو ہر وقت ہی نہاتی رہتی ہیں، اگر نہانے سے رب ملتا تو کچھوے اور مچھلی کو رب مل جاتا، اگر ذکر کرنے سے رب ملتا تو ایک کالی چڑیا ہوتی ہے وہ عام طور پہ

رات کو ساری رات آواز نکالتی رہتی ہے، تو اس چڑیا کو رب مل جاتا جو ساری رات آواز نکالتی ہے، اللہ کا ذکر کرتی ہے، سر مونڈانے سے اگر رب ملتا تو بھیڑ کی ایک ایسی نسل ہے کہ سر پہ بال نہیں ہوتے، باقی پورے جسم پہ ہوتے ہیں، تو سر مونڈانے سے رب ملتا تو اس کو مل جاتا، اگر پاکدامن رہنے سے خدا ملتا تو جو خصی بیل ہوتے ہیں ان کو رب مل جاتا، یہ تمہید باندھتے ہیں آخر میں فرماتے ہیں: اگر اللہ ملتا ہے تو اللہ اچھی نیت والوں کو ملا کرتا ہے، جب تک بندے کی نیت اچھی نہ ہو اس کو خدا نہیں ملتا، بدنیت انسان کو رب نہیں مل سکتا۔

اور آج دیکھیں کہ اپنوں کے بارے میں نیت بد ہوتی ہے، کسی کی عزت پہ نظر ہے، کسی کے مال پہ نظر ہے، کسی کے عہدے کی وجہ سے اس کی ٹانگیں کھینچ رہے ہیں، یہ مسلمانوں کے کام تھوڑی ہیں، مسلمان کبھی کسی کا بدخواہ نہیں ہوسکتا، اگر کوئی بدخواہ ہے تو اس کے اندر اتنی مسلمانی نہیں ہے۔ چنانچہ نبی ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو خیر خواہی کرنے کا حکم دیا، بلکہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس پر بیعت لی کہ آپ دوسروں کی خیر خواہی کریں گے۔

ایک چیونٹی کی خیر خواہی

ذرا توجہ فرمایئے گا کہ خیر خواہی اللہ تعالیٰ کو کتنی اچھی لگتی ہے، قرآن مجید میں ایک جگہ تذکرہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام اپنے لشکر کے ساتھ جا رہے تھے، راستے میں چیونٹیاں چل رہی تھیں تو ایک چیونٹی نے اندازہ لگالیا کہ سلیمانؑ کا لشکر آرہا ہے، اس نے آواز دی: ''يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسَاكِنَكُمْ'' اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں چلی جاؤ، سلیمانؑ کا لشکر تمہیں اپنے پاؤں سے کہیں مسل نہ دے۔ اس چیونٹی کی یہ خیر خواہی اللہ تعالیٰ کو اتنی پسند آئی کہ قرآن میں اس واقعہ کا تذکرہ کیا اور ایک سورہ کا نام ''النَّمل'' یعنی چیونٹی ہی رکھا۔ جو پروردگار چیونٹی کی خیر خواہی کو اتنا پسند کرتا ہے، وہ کسی انسان کی خیر خواہی کو کتنا پسند فرمائے گا؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں خیر خواہی کا مزاج

چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم ایک دوسرے کے خیر خواہ تھے، سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ کے تاجروں میں سے تھے، ایک مرتبہ انھوں نے اپنا تجارتی قافلہ منگوایا، شام سے کوئی تقریبا سَو اونٹ کے برابر سامان تھا، اور وہ ایسے وقت میں مال لے کر پہنچا جب کہ مدینہ طیبہ اور اس کے قریب کی بستیوں میں اس جنس کی بہت زیادہ Shortage (کمی، فقدان) تھی، جیسے ہی وہ قافلہ پہنچا تو اردگرد کے جو یہودی یا مسلمان تاجر تھے وہ سب آگئے اور انھوں نے آکر کہا کہ ہم آپ کو زیادہ Price (قیمت) دے کر یہ سامان خرید لیتے ہیں، آپ ہمیں دے دیں، پھر ہم آگے اس کو بیچتے رہیں گے، آپ نے پوچھا کہ تم مجھے کتنا منافع دوگے، وہ کہنے لگے کہ ہم آپ کو 100% Profit (منافع) دیں گے، آپ نے 100 کا خریدا تو 200 کی ہم خرید لیتے ہیں، چونکہ ان کو پتہ تھا کہ آگے یہ تین / چار گنا Price پہ مال بک جائے گا تو آپ نے فرمایا کہ نہیں مجھے زیادہ Profit (منافع) چاہئے، لوگ سوچ سمجھ کے بات کرتے رہے، کسی نے کہا کہ میں Double profit (دوگنا منافع) دے دیتا ہوں، آپ نے فرمایا کہ نہیں، مجھے اور زیادہ چاہئے، کسی نے کہا کہ میں تین گنا دے دیتا ہوں، انھوں نے کہا کہ نہیں، اس پر پہنچ کر وہ تاجر حیران ہو کے منہ دیکھنے لگے کہ آپ چاہتے کیا ہیں، ہم آپ کو تین گنا زیادہ منافع دینے کا Offer (پیشکش) کر رہے ہیں اور آپ پھر بھی مال بیچنا نہیں چاہتے، تو عثمان غنیؓ نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ میرے پاس ایک Costumer (گاہک) ہے جو مجھ سے یہ مال سات سو گنا زیادہ قیمت پہ خریدنا چاہتا ہے، تو وہ لوگ حیران ہوگئے کہ سات سو گنا قیمت پر؟ انھوں نے فرمایا: ہاں، پوچھنے لگے وہ کون ہے؟ کہنے لگے: وہ میرا پروردگار ہے، اگر میں اللہ کے نام پر اللہ کے بندوں میں یہ چیز تقسیم کروں گا تو اللہ تعالیٰ مجھے ہر دانے کے بدلے سات سو گنا دیں گے "كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ" چنانچہ عثمان غنیؓ نے لوگوں کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے اتنے

منافع کو جو لوگ دے رہے تھے، ٹھوکر لگا دی اور اللہ کے نام پر اپنا سب مال غریبوں کے اندر تقسیم کر دیا، فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو دوسروں کی خیر خواہی کرے گا وہ انسان صحیح مومن ہوگا، لہٰذا مجھے اس وقت غرباء کی خیر خواہی کرنی ہے اور اپنا سارا مال اللہ کے راستے میں دے دینا ہے۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ تھے ان کا نام تھا جریر بن عبداللہ البجلی، جس مجلس میں بیٹھتے نصیحت کی بات کرتے اور سب کو کہتے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی کہ میں سب کی خیر خواہی کروں گا، ان کا اپنا واقعہ ذرا سنئے! آپ کو لگے گا شاید کوئی دیوانہ آدمی ہے، مگر دیوانوں کی بات ذرا سنئے، ان کو گھوڑا خریدنا تھا، ایک آدمی کے پاس تشریف لے گئے، اس نے پوچھا گھوڑا خریدنا چاہتے ہو، انھوں نے کہا جی، پوچھا کتنی Price (قیمت) ہے؟ اس نے کہا کہ میں تین سو دینار میں یہ گھوڑا دے دوں گا، آپ نے گھوڑے کو دیکھا فرمایا کہ نہیں، تجھے اندازہ نہیں تیرا گھوڑا زیادہ قیمتی ہے، اب گاہک خود مالک سے کہہ رہا ہے کہ تیرا گھوڑا زیادہ قیمتی ہے، اس نے کہا اچھا آپ چار سو دے دیں، پھر گھوڑے کو دیکھا اور فرمایا نہیں، یہ اس سے بھی زیادہ قیمتی گھوڑا ہے، تجھے اندازہ نہیں ہے، وہ حیران ہوا، اس نے کہا اچھا پھر پانچ سو دینار دے دیں، آپ نے پھر گھوڑے کو دیکھا، فرمانے لگے کہ نہیں میری Assessment (تشخیص) یہ ہے کہ یہ اس سے بھی زیادہ قیمتی ہے، اس نے کہا جناب! چھ سو دے دیں، فرمانے لگے بھائی میں سچ بات کہوں کہ میری Assessment اس سے بھی زیادہ ہے، اس نے کہا سات سو دینار دے دیں، آخر میں فرمایا کہ مال تو تیرا ہے، مگر تجھے اپنے مال کی Value (حیثیت) کا صحیح اندازہ نہیں ہے، میں تیرا نقصان نہیں کرنا چاہتا، میں تجھے وہ پیسہ دوں گا جو میرا دل گواہی دے گا کہ اس کے ہونے چاہئیے، چنانچہ تین سو دینار مانگنے والے بندے کو آٹھ سو دینار دے کر انھوں نے گھوڑا خریدا۔ کوئی سوچ سکتا ہے کہ ایک دوسرے کی اتنی بھی خیر خواہی ہوتی ہے۔ آج کے دور میں Costumer (گاہک) چاہتا ہے کہ بغیر پیسوں کے چیز لے جاؤں اور جو

مالک ہوتا ہے وہ چاہتا ہے کہ چیز دیئے بغیر اس کی جیب کا پیسہ نکال لوں، یہ آج کل کی تجارت ہے، مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر خواہی کا جذبہ دیا اور اس خیر خواہی نے ایسا معاشرہ جنم دیا کہ ایک دوسرے کو اپنے اوپر ترجیح دینے والے بن گئے۔

مشہور واقعہ ہے کہ جنگ یرموک میں ایک صاحب بہت زیادہ پیاسے ہیں اور آخری لمحے میں ہیں اور وہ کہتے ہیں: اَلْعَطَش، یعنی پیاس، سخت گرمی تھی، ان کے چچا زاد بھائی کے پاس مشک تھی، وہ مشک لے کے پہنچے کہ ان کو پانی پلائیں، جب ان کو پانی پلانے لگے تو اتنے میں کسی دوسری طرف سے آواز آئی: اَلْعَطَش یعنی پیاس، تو انھوں نے اپنا منہ بند کرلیا اور سر ہلا کر اشارہ کیا کہ دوسرے کو پلاؤ، وہ دوسرے کے پاس گئے، اس کو پانی پلانے لگے تو تیسری طرق سے آواز آئی، انھوں نے بھی منہ بند کرلیا، وہ تیسرے کے پاس گئے تو ان کے جاتے جاتے تیسرے فوت ہو چکے تھے، لوٹ کے دوسرے کے پاس آئے تو وہ بھی فوت ہو چکے تھے، لپک کر اپنے چچا زاد بھائی یعنی پہلے والے کے پاس آئے تو وہ بھی رخصت ہو چکے تھے۔ سوچئے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا خیر خواہی سکھائی تھی کہ عین آخری وقت کی جو پیاس ہوتی ہے اس میں بھی وہ اپنے اوپر اپنے بھائی کو ترجیح دیا کرتے تھے۔

فرشتوں کو دکھانا تھا بشر ایسے بھی ہوتے ہیں

اللہ رب العزت نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی تعلیم دے کر بھیجا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی جماعت کھڑی کردی، اصل مقصود انسانیت کی عظمت واضح کرنی تھی، اللہ تعالیٰ فرشتوں کو دکھانا چاہتے تھے کہ دیکھو انسان ہو کر بھی ایسا ہوا جاتا ہے۔

ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حاکمِ وقت چار پانچ علماء سے ناراض ہو گیا اور اس نے فیصلہ کیا کہ چاروں پانچوں کو بلالو اور ان کو میں قتل کروا دیتا ہوں، چنانچہ ان کو گرفتار کرلیا گیا اور ان کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا، جب ان کو قتل کیا جانے لگا تو بادشاہ نے دیکھا کہ ابوالحسن نوری سب سے آگے ہیں، باقی لوگ پیچھے کھڑے ہیں، اس کو اندر

سے ابوالحسن نوری سے کچھ نہ کچھ عقیدت تھی اور یہ چاہتا تھا کہ میں کسی اور کو قتل کروں اور پھر بہانہ بنا کر ڈرا دھمکا کر باقیوں کو میں کہوں گا کہ میں نے معاف کر دیا، اب اس نے سوچا کہ سب سے پہلے ابوالحسن نوری ہیں تو میں کیسے ترتیب کو بدلوں، تو وہ کہنے لگا کہ یہ جو جگہ ہے یہ اچھی نہیں ہے، ذرا ان کو دوسری جگہ لے آؤ، مقصد یہ تھا کہ جب جگہ بدلے گی تو ترتیب بدل جائے گی، دوسری جگہ کھڑا کیا تو ابوالحسن نوری وہاں بھی سب سے آگے، اس نے کہا: نہیں، یہ جگہ بھی اچھی نہیں، ایک تیسری جگہ بتائی، چنانچہ تیسری جگہ پر سب آکے کھڑے ہوئے تو ابوالحسن نوری پھر سب سے پہلے، اس نے بلایا، پوچھنے لگا: ابوالحسن! میں چاہتا تھا کہ کسی اور کو قتل کرتا اور تمہیں میں معاف کر دیتا، مگر یہ کیا مسئلہ کہ پہلی جگہ بھی آپ آگے، دوسری جگہ بھی اور تیسری جگہ بھی؟ یہ اتفاقاً ہو گیا ہے یا ارادۃً آپ نے آگے کھڑے ہونے کی پوزیشن لی؟ تو ابوالحسن نوریؒ نے فرمایا کہ میں ارادۃً آگے کھڑا ہوا، اُسنے پوچھا کیوں؟ دیکھئے کیا خوبصورت جواب دیا! فرمانے لگے کہ میں اس لئے آگے کھڑا ہوا کہ جتنی دیر جلاد مجھے قتل کرنے میں لگائے گا؛ میرے باقی بھائیوں کو اتنے سانس اور لینے کا موقع مل جائے گا، ان کی کیا خوبصورت سوچ تھی، اپنے پہ دوسروں کو ترجیح دینا، دوسروں کی خیر خواہی کرنا، دوسروں کی اتنی ہمدردی ہوتی تھی کہ اللہ اکبر کبیرا۔

سلف صالحین میں خیر خواہی کے چند نمونے

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وقت کے اتنے بڑے فقیہ بھی تھے کہ امام اعظم کہلوائے، مگر ساتھ ہی ساتھ ان کی تجارت بھی تھی، کپڑے کی دوکان بھی تھی، ایک مرتبہ ایک عورت ان کو کپڑا بیچنے کے لئے آئی، پوچھا کہ کتنی Price (قیمت) میں؟ اس نے کہا اتنی، فرمایا: نہیں! جاؤ اپنے محرم مرد کو لے کر آؤ، وہ محرم مرد کو لے کے آئی، پوچھا کہ بھائی! اس کی قیمت بتاؤ، چونکہ میاں بیوی نے مشورہ کیا تھا کہ ہم ضرورت مند ہیں، ہم اس کپڑے کو اِتنے میں بیچ دیتے ہیں؛ تو اس نے بھی وہی قیمت بتائی؛ تو امام صاحب نے خاوند سے کہا کہ تمہیں اس کپڑے کی

Value (قیمت) کا صحیح اندازہ نہیں، یہ کپڑا زیادہ قیمتی ہے، تم ضرورت کی وجہ سے سستا بیچنا چاہتے ہو، اس نے کہا کہ قیمت زیادہ کردیں، پوچھا کتنی کریں؟ اس نے کہا پہلے ہم نے سو درہم کہے تھے اب ڈیڑھ سو درہم کردیں، فرمایا نہیں، یہ اس سے بھی زیادہ قیمتی ہے، اس نے کہا دو سو درہم کردیں، فرمایا: نہیں، اس سے بھی زیادہ قیمتی ہے، آپ اندازہ لگائیے کہ سو درہم میں جو کپڑا وہ بیچنا چاہتے تھے؛ امام اعظمؒ نے اس کو تین سو درہم میں خریدا، اور خریدتے وقت فرمایا Conscience (نیت) بالکل Clear (صاف، واضح) ہے کہ میں نے دھوکہ دے کر کوئی چیز نہیں خریدی۔ یہ کیسے حضرات تھے جو کسی کا برا چاہتے ہی نہیں تھے، سوچتے ہی نہیں تھے کہ کسی کا برا ہو، کسی کا نقصان ہو، وہ ہر ایک کا فائدہ چاہتے تھے۔

چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہؒ ایک مرتبہ عصر کے قریب اپنی دوکان بند کرکے گھر آرہے تھے، ایک صاحب سے ملاقات ہوئی، اس نے پوچھا نعمان! آج دوکان جلدی بند کردی، پہلے تو مغرب کے وقت بند کرتے تھے، آج ظہر کے بعد ہی بند کردی؟ فرمانے لگے: ہاں! آج میں نے ظہر کے بعد بند کردیا، پوچھا کہ وجہ کیا ہے؟ فرمانے لگے کہ آج آسمان پر بادل ہیں، روشنی کم ہے، وہ بجلی کا زمانہ تو تھا نہیں، تو روشنی کم تھی اور جب روشنی کم ہوتی Visibility (دکھائی دینے کی صلاحیت) کم ہوتی ہے، اس وقت جو کپڑے کا گاہک ہوتا ہے اس کو کپڑے کی صحیح Quality (معیار) کا پتہ نہیں چلتا، میں نے دوکان بند کردی تاکہ میری دوکان کا کوئی گاہک کم قیمت کپڑے کو بیش قیمت سمجھ کر مجھ سے نہ خریدے، اس کو کہیں نقصان نہ ہوجائے، اللہ اکبر کبیرا۔ آپ سوچئے کہ جب ہم صحیح معنوں میں مسلمان تھے تو ہم ایسے بھی تجارت ہوا کرتی تھی۔ یہ وہ ہستیاں تھیں کہ جو صحیح معنوں میں مسلمان تھیں۔

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ایک بڑے محدث ہیں ان کا ایک پڑوسی تھا اور وہ پڑوسی مکان بیچنا چاہتا تھا، خریدار نے آکے پوچھا کہ مکان کی کتنی قیمت ہے؟ اس نے کہا جناب! دو ہزار دینار، اس نے کہا بھائی! اس مکان کی قیمت تو ایک ہزار دینار بہت ہے، آپ کے

Neighbourhood (آس پڑوس کا علاقہ) میں تو ایک ہزار دینار قیمت بہت ہے، تو اس نے کہا: ہاں مکان کی قیمت ہے ایک ہزار دینار اور دوسرا ہزار دینار عبداللہ بن مبارک کے پڑوس کی قیمت ہے۔ جب ہم صحیح معنوں میں مسلمان تھے تو ہمارے ہمسایہ کے گھروں کی قیمتیں بڑھ جایا کرتی تھیں، لوگ ہمارے ساتھ مل کر رہنا اتنا پسند کرتے تھے، وہ سمجھتے تھے کہ یہ خیر خواہ انسان ہے، یہ نیک نیت انسان ہے، اس سے بہتر Neighbour (پڑوسی) مجھے دنیا میں کوئی نہیں مل سکتا۔

حقیقی مسلمان کے اخلاق کے چند نمونے

جب ہم صحیح معنوں میں مسلمان تھے ہمارے اخلاق اس وقت کتنے اچھے ہوا کرتے تھے، چنانچہ بغداد جب پوری دنیا کا مرکز تھا اس وقت کفار نے سوچا کہ مسلمانوں کے معاشرے کا اندازہ تو لگایا جائے کہ کیا وجہ ہے کہ یہ جہاں جاتے ہیں کامیابی ان کے قدم چومتی ہے، ان کے ماحول میں آپس میں میل جول لین دین یہ کیسا ہے؟ چنانچہ انھوں نے ایک آدمی کو بھیجا کہ جائیں اور ان کے ماحول اور معاشرے کو ذرا Study (مطالعہ، تحقیق) کر کے آئیں، وہ آیا، بغداد پہنچا تو تھکا ہوا تھا، اس نے سوچا کہ کیوں نہ میں کھانا کھالوں، لہٰذا وہ ایک Restaurant (ہوٹل) پہ آگیا اور وہاں بیٹھ کے اس نے کھانا کھانا شروع کیا، مگر اس نے Feel (محسوس) کیا کہ کھانے کے دوران ایک اور بندہ تھا جو قریب کھانا کھا رہا تھا اور وہ کبھی کبھی اس کی طرف دیکھ رہا تھا، تو اس کو محسوس ہوا کہ یہ بندہ مجھے Watch (دیکھنا) کر رہا ہے، اس نے دل میں سوچا کہ میں پردیسی ہوں، نو وارد ہوں، یہ میری شکل کو دیکھ کے ذرا پہچان رہا ہوگا کہ یہ باہر سے آیا ہے، خیر اس نے کھانا کھالیا، جب کھانا کھالیا تو اس کے بعد یہ کاؤنٹر پر آیا اور اس سے کہا کہ میں نے کھانا کھالیا، مجھے بل بتائیں، کاؤنٹر نے کہا جناب! آپ کا بل تو Pay (ادا) ہو چکا، پوچھا کہ میرا بل کیسے Pay ہو چکا، اس نے کہا، جب آپ کھانا کھا رہے تھے تو جو بندہ آپ کے سامنے قریب بیٹھا ہوا تھا، وہ اپنا بل Pay کرنے کے

لئے آیا اور کہنے لگا کہ فلاں بندہ مجھے چہرے مہرے سے پردیسی نظر آتا ہے، آج وہ میرا مہمان ہے، میں اس کے پیسے ادا کر دیتا ہوں، بتانے کی ضرورت اس لئے نہیں کہ اجر مجھے اپنے اللہ سے چاہئے، وہ حیران کہ اچھا یہ اتنے بھی خوش اخلاق لوگ ہوتے ہیں کہ انسان کے کھانے کی قیمت ادا کر دیتے ہیں اور شکریہ کا لفظ بھی سننا پسند نہیں کرتے کہ ہم کو تو اللہ سے اجر لینا ہے۔ آگے گیا، اس کو کوئی چیز خریدنی تھی، اس نے سوچا کہ میں بازار سے وہ چیز خرید لیتا ہوں چنانچہ وہ ایک دوکان پر پہنچا اور دوکاندار سے کہا کہ بھائی! آپ کے پاس فلاں چیز ہے؟ اس نے پوچھا: آپ وہ چیز کتنے میں دیں گے؟ اس نے کہا میں وہ دس ریال میں دوں گا، کہا کہ مجھے دے دیجئے، کہنے لگے کہ آپ ذرا میرے ساتھ Cooperate (تعاون) کریں، سامنے جو دوکاندار ہے آپ اس کے پاس چلے جائیں، یہی چیز آپ کو اتنے ہی قیمت میں وہاں سے مل جائے گی، وہ سامنے چلا گیا، وہاں اس نے جا کے وہ چیز مانگی، اس نے دس درہم بتائے تو دس درہم میں اس نے وہ چیز لے لی، لیکن اس کے ذہن میں خیال آیا کہ پہلے دوکاندار نے کچھ نہیں لیا اور اس نے دوسرے دوکاندار کی طرف بھیج دیا، تو وہ لوٹ کے پہلے دوکاندار کے پاس آیا اور اس دوکاندار سے کہتا ہے کہ جناب! آپ کے پاس چیز تھی نہیں، یا آپ نے مجھے بیچی نہیں؟ اس نے کہا کہ چیز تھی، لیکن میں چاہتا تھا کہ آپ سامنے والے دوکاندار سے لیں، اس نے کہا کیوں؟ دوکاندار تو اپنے گاہک کو دوسرے کے پاس نہیں بھیجتے؟ تو وہ دوکاندار کہنے لگا کہ اصل وجہ یہ ہے کہ آج میرے پاس اتنے گاہک آئے کہ میرے بچوں کا گذارا بڑا اچھا ہو جائے گا، میں دیکھ رہا تھا کہ میرے اس دوکاندار بھائی کے پاس آج کوئی گاہک نہیں آیا، میں نے سوچا کہ آپ اس سے خرید لیں گے تو اس کو کچھ منافع ہوگا اور اس کے بچوں کے لئے بھی آج کچھ انتظام ہو جائے گا۔ ایک وقت تھا کہ اتنی خیر خواہی دل میں بھری ہوتی تھی کہ دو دوکاندار ہمسایہ میں ہوتے تھے، وہ ایک دوسرے کے اتنے خیر خواہ ہوتے تھے۔ یہ وہ ہستیاں تھیں کہ جنھوں نے دین کو سمجھا اور دین کو اپنایا۔ اللہ تعالیٰ چاہتے

ہیں کہ میرے ایسے با اخلاق بندے دنیا میں ہوں، تا کہ پتہ چلے کہ صحیح معنوں میں مومن کون ہوتا ہے

فرشتوں کو دکھانا تھا بشر ایسے بھی ہوتے ہیں

ایک حقیقی مسلمان کی وعدہ وفائی

ایک واقعہ اور سن لیجئے! ایک شہر تھا جس میں کافر مسلمان سب مل کے رہتے تھے، ایک مسلمان نوجوان اس شہر میں کسی دوسرے شہر سے کاروبار کے لئے آیا، اور اس نے وہاں آکے اپنا کام کرنا شروع کر دیا، اب کام کے دوران چھٹی کا دن تھا، اس نے سوچا کہ چلو میں پرندوں کا کوئی شکار کر لیتا ہوں، اس نے تیر کمان سنبھالا اور وہ شہر کے اطراف میں آگیا، وہاں اس نے پرندوں کا تیر کے ذریعہ شکار کرنا شروع کیا، اللہ کی شان کہ ایک تیر جو اس نے چلایا تو وہ پرندے کو لگنے کے بجائے دور ایک لڑکا کھڑا تھا اس کو جا کر لگا اور لڑکے کی وہیں پہ Death (موت) ہو گئی، اب یہ مسلمان تھا، کوئی ہم جیسا ہوتا تو بھاگ ہی جاتا کہ پتہ ہی نہ چلے کہ کیا ہوا، وہ رکا، اس بچے کے پاس گیا، اس کو سنبھالا، پھر پتہ کیا کہ اس کے والدین کون ہیں، والدین کو بتایا گیا، وہ عیسائی ماں باپ تھے جن کا وہ بچہ تھا، ان سے کہا کہ بھائی! میں نے پرندے کو نشانہ بنایا تھا، لیکن نشانہ خطا کر گیا، بچے کو لگ گیا تو یہ میری ایک Mistake (غلطی) ہے، وہاں اور لوگ بھی ان کے رشتہ دار وغیرہ آگئے، ایک رشتہ دار نے کہا کہ ہمیں کیا پتہ تو نے Intentionally (ارادۃً) مارا ہے یا Unintentionally (بغیر ارادے کے) لہٰذا ہم تو قاضی کے پاس جائیں گے، اب وہ اس کو لے کر قاضی کے پاس آگئے، قاضی نے کہا کہ اگر تمہارے تیر سے یہ بندہ مرا ہے تو یا تو اس کے جو ورثاء ہیں ان کو تم اس کی دیت دو، قصاص دو، اور اگر ورثاء نہیں مانتے تو پھر اس کے بدلے میں تمہیں قتل کیا جائے گا، ورثاء نے کہا کہ ہمارے بچے کو اس نے مارا ہے، ہم تو چاہتے ہیں کہ اسکے بدلے میں اس کو مارا جائے، ان قاضی صاحب نے اس کو جیل بھیج دیا کہ جمعہ کے دن ہم Final (حتمی)

فیصلہ سنائیں گے اور بندے کے بدلے ہم بندے کو قتل کر دیں گے، یہ جیل میں آ گیا، اللہ کی شان دیکھیں کہ جو جیل کا Supervisor (نگران) تھا، جس کو جیلر کہتے ہیں، Jail superintendent (جیل کا ذمہ دار اعلیٰ) وہ عیسائی تھا، اب دوسرا دن ہوا تو یہ نوجوان اس سپرنٹنڈنٹ کے پاس آیا اور اس کو آ کے کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں، میں فلاں شہر سے روزی کے لئے یہاں آیا تھا، میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آ گیا اور اب میں یہاں پر ہوں کہ جمعہ کے دن مجھے قتل کیا جائے گا، مگر میرے گھر والوں کو بھی پتہ نہیں، رشتہ داروں کو بھی پتہ نہیں اور مجھے ان کی کچھ امانتیں لوٹانی ہیں، اگر آپ اپنی ذمہ داری پہ مجھے چھوڑ دیں تو میں جمعہ سے پہلے پہلے واپس آ جاؤں گا اور میں مسلمان ہوں، جب اس نے کہا کہ میں مسلمان ہوں تو ایک مسلمان کی وعدہ وفائی کا اتنا اس زمانے میں اعتماد تھا کہ عیسائی سپرنٹنڈنٹ نے کہا کہ اچھا تم چلے جاؤ جمعہ سے پہلے آ جانا، اس نے قتل کے مجرم کو چھوڑ دیا، اللہ تعالیٰ شان کہ یہ جمعہ کی نماز سے پہلے نہیں لوٹا، جب جمعہ کی نماز ہو گئی، قاضی صاحب نے جن مجرموں کے فیصلے ہونے تھے سب کو بلایا، پتہ چلا کہ وہ مجرم نہیں، انھوں نے جیل سپرنٹنڈنٹ کو بلایا، جیل سپرنٹنڈنٹ نے کہا کہ میں نے اپنی ذمہ داری پہ چھوڑا تھا، اس نے کہا تھا کہ میں آ جاؤں گا، وہ ابھی تک نہیں آیا، قاضی صاحب نے کہا کہ اچھا اگر آپ نے اپنی ذمہ داری پہ چھوڑا تھا اور وہ نہیں آیا تو یہ تو آپ کی غلطی ہے، لہٰذا فیصلے کے وقت تک اگر وہ نہ آیا تو چونکہ ہمیں اس بچے کے قتل کا بدلہ تو لینا ہی ہے، لہٰذا ہم تمہیں قتل کریں گے، اب وہ عیسائی ماں باپ اور پریشان کہ بچہ بھی ہمارا مرا اور اب اس کے بدلہ میں جیل سپرنٹنڈنٹ بھی ہمارا مرے گا، تو وہ بڑے گھبرا گئے، مگر قاضی صاحب دوسرے مقدموں کے فیصلہ کرتے رہے، جب اِس فیصلہ کا وقت آیا تو انھوں نے پوچھا کہ مجرم کہاں؟ تو وہ سپرنٹنڈنٹ آگے بڑھا، اس نے کہا کہ میں نے اسے اپنے اعتماد پر بھیجا تھا، ابھی تک نہیں آیا، اتنے میں ایک آدمی آیا کہ اجی! ذرا رکیں، وہ دور سے ایسے لگتا ہے کہ کوئی بندہ دوڑا آ رہا ہے، قاضی صاحب نے کہا کہ انتظار کر لیتے ہیں، تھوڑی دیر انتظار کیا، وہی نوجوان

دوڑتا ہوا آیا، پسینہ میں شرابور تھا، اس نے آ کے پہلے اس جیل سپرنٹنڈنٹ سے معافی مانگی اور کہا کہ میں اپنے وقت پر پہنچ سکتا تھا، لیکن راستے میں دریا تھا جس میں طغیانی تھی، مجھے کشتی نہیں ملی، اور مجھے دریا بغیر کشتی کے پار کرنا پڑا، اور طغیانی کی وجہ سے اس میں دیر ہوگئی، اس لئے میں اپنے وقت سے تھوڑا تاخیر ہوگئی، جب اس نوجوان کی وعدہ وفائی کو انھوں نے دیکھا تو اس وقت اس بچے کے ماں باپ نے کہا: قاضی صاحب! آپ نے تو جو فیصلہ کرنا تھا کر دیا، ذرا ہمارا بھی فیصلہ سن لیجئے، قاضی صاحب نے کہا کیا؟ انھوں نے کہا: ہمارا ایک فیصلہ تو یہ کہ ہم نے اس نوجوان کی وعدہ وفائی کی وجہ سے اس نوجوان کو معاف کر دیا، اور دوسرا فیصلہ یہ کہ ہم مجمع کو گواہ بنا کر کہتے ہیں کہ ہم بھی آج کلمہ پڑھتے ہیں اور مسلمان ہو رہے ہیں ؎

فرشتوں کو دکھانا تھا بشر ایسے بھی ہوتے ہیں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اتنے اعلیٰ اخلاق سکھائے تھے، امت میں ایسے اولیاء گذرے کہ جن کے اخلاق کو دیکھ کے فرشتے بھی حیران تھے کہ یہ کیسے لوگ تھے، واقعی وہ اللہ رب العزت کے بندوں کے ساتھ اتنی خیر خواہی کا معاملہ کرنے والے تھے، مگر یہ کون لوگ تھے؟ یہ وہ لوگ تھے جن کی سوچ الگ ہوتی تھی، جو خیر خواہی کرنے والے لوگ تھے۔

حقیقی مسلمان انسانوں کو فائدہ پہنچانے والا ہوتا ہے

لڑکپن کی بات ہے، اسکول میں کوئی چھٹی جماعت یا ساتویں جماعت کا یہ عاجز طالب علم تھا، میرا ایک دوست تھا، جو دیہات کا رہنے والا تھا، وہ بھی شہر میں پڑھنے کے لئے آیا ہوا تھا، ہم دونوں آپس میں اچھے دوست تھے، اور Shining students (ہونہار طلبہ) میں شمار ہوتے تھے، یہ وہ زمانہ تھا کہ جب ہم نے دیہات نہیں دیکھا تھا ~~یہ بھی نہیں ہوتا تھا~~ کہ دیہات کیا ہوتا ہے، شہر میں پیدا ہوئے، شہر میں زندگی گذری، تو وہ ہمیں کبھی کبھی دیہات کی باتیں بتاتا کہ فصلیں ایسی ہوتی ہیں اور ہل چلاتے ہیں اور کنواں ہوتا ہے، ہمارے لئے یہ کسی دوسرے جہان کی باتیں ہوتی تھیں، لیکن ہم سنا کرتے تھے کہ اچھا ایسا بھی ہوتا ہے،

ہمیں اس زمانے میں اتنا بھی پتہ نہیں تھا کہ گندم پودے پہ لگتی ہے یا کسی درخت پر لگتی ہے، یہ بھی اندازہ نہیں تھا، گرمی کی جب چھٹیاں ہوئیں تو اس نے مجھے Invite (مدعو) کیا کہ آپ ایک دن کے لئے ہمارے گھر آئیں، ہم آپ کو سارے کھیت بھی دکھائیں گے اور ہم آپ کو پھر واپس چھوڑ دیں گے، تو گرمی کی چھٹیوں میں میں نے اپنی امی سے کہا کہ امی! مجھے اپنے اس دوست کے یہاں جانا ہے، امی نے کہا کہ بیٹا! اپنے بڑے بھائی کے ساتھ چلے جاؤ، چنانچہ ہم اپنے بڑے بھائی کے ساتھ اس دوست کے گھر دیہات میں چلے گئے، رات سو گئے، صبح اٹھے، ناشتہ کیا تو وہ ہمیں لے کے کھیت دکھانے کے لئے نکلا، اب جب ہم کھیت دیکھتے پھر رہے تھے تو ایک جگہ ہم نے دیکھا کہ گوبر کا انبار لگا ہوا ہے، تو اس کو دیکھتے ہی میں نے بُرا سا منہ بنا کر اس سے کہا یار! یہ کیا ہے؟ یہ تو نجس ہوتا ہے، یہ تو ناپاک ہوتا ہے، یہ تو بدبودار ہوتا ہے، اس کو کیوں اکٹھا کر کے جمع کر کے رکھا ہوا ہے، پھر جو نظر دوڑائی تو ایک اور کھیت میں گوبر پڑا نظر آیا، تو پھر میں نے کہا یہ تو ناپاک ہوتا ہے اس کو یہاں کیوں رکھا ہوا ہے؟ اس نے کہا کہ جو اس کھیت کا Farmer (کسان) ہے یہ اس سے جا کر پوچھ لو، تو وہ کسان قریب کھڑا ہوا تھا؛ جو ہل چلا رہا تھا، میں اس کے پاس گیا اور میں نے کہا: انکل یہ گوبر تو ناپاک ہوتا ہے اور یہ تو گندا ہوتا ہے اور اس میں تو بو ہوتی ہے — چونکہ والدین نے نجاست کے بارے میں شروع میں خوب Warn (آگاہ) کر دیا تھا کہ اس سے بچنے کی ضرورت ہے، تو بچپن کی وجہ سے دل میں ایک نفرت سی تھی — میں نے کہا: یہ آپ نے یہاں جمع کر کے رکھا ہوا ہے؟ کتنی عجیب بات ہے؟ وہ کہنے لگا: بچے! آپ کے لئے یہ نجاست ہے، میرے لئے یہ Fertilizer (کھاد) ہے، میں زمین میں ہل چلاتا ہوں اور یہ گوبر ملا دیتا ہوں، پھر اس کے بعد اس زمین میں کاشت کرتا ہوں اور کاشت کرنے کے بعد جب میری سبزیاں اگتی ہیں تو پہلے سے بہت زیادہ ہوتی ہیں اور مجھے بڑا اچھا منافع ملتا ہے، اب اس کی بات سن کے اس وقت تو میں چپ ہو گیا، لیکن آج جب میں سوچتا ہوں تو دل میں یہ بات آتی ہے کہ اے

انسان! جسے ہم گندگی کہتے ہیں، نجاست کہتے ہیں، ناپاک کہتے ہیں، بدبودار سمجھتے ہیں، اس گوبر کو اگر کسی فصل کے اندر ڈال دیا جائے تو گوبر اس فصل کو فائدہ دے دیتا ہے، تو انسان ہو کر بھی اگر ساتھ والے انسان کو فائدہ نہیں دیتا، تو اللہ کی نظر میں گوبر سے بھی گیا گذرا ہے، ہمیں اللہ رب العزت نے انسان بنایا، ہم اپنے ساتھ والوں کو فائدہ پہنچائیں، گھر والوں کو فائدہ، رشتہ داروں کو فائدہ، اپنے ہمسایوں کو فائدہ، معاشرے کو فائدہ، پہنچائیں، مومن ہوتا ہی وہی ہے جو ہر ایک کا خیر خواہ ہو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ'' دین سراسر خیر اخواہی ہے، سبحان اللہ! کیا خوبصورت تعلیم دی ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

اکابر کے اخلاق بلند ہونے کی وجہ

ہمارے اکابر کے اخلاق اچھے ہونے کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ ان کی سوچ بہت بلند ہوتی تھی، بلند سوچ ہونے کی وجہ سے ان کے مقام بلند ہو گئے تھے، آپ غور کریں کہ ایک پتنگا ہے، اس کو پروانہ کہتے ہیں، اسی سے ملتا جلتا ایک اور ہے جس کو مکھی کہتے ہیں، اُس کے بھی دو پر، اِس کے بھی دو پر، لیکن اِس کو پروانہ نہیں کہتے، حالانکہ یہ اس سے ملتا جلتا ہے، سائز بھی ایک جیسی، مگر اُس کو پروانہ کہیں گے اور اِس کو مکھی کہیں گے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مکھی کی سوچ گندی ہے، یہ نجاست میں بیٹھتی ہے، گند ڈھونڈتی ہے، اس کی گندی سوچ کی وجہ سے اس کو مکھی کہتے ہیں۔ اور پروانہ اس کو کہتے ہیں جو روشنی کے اوپر، نور کے اوپر اپنے آپ کو فدا کرتا ہے۔ کہنے کو ہم بھی مسلمان ہیں، کہنے کو ہمارے اکابر بھی مسلمان تھے، مگر اگر دنیا کی محبت دل میں بھر کے جیتے پھر رہے ہیں تو اللہ کی نظر میں ہماری مثال گندی مکھی کی ہے اور ان کی مثال اللہ کی نظر میں پروانے کے مانند ہے، آج ہم جو نام کے مسلمان ہیں کام کا مسلمان بننے کی ضرورت ہے۔

حقیقی اسلامی اخلاق کے چند نمونے

ہمارے اکابر کو دیکھئے! اللہ رب العزت نے کیا سوچ دی تھی، ایک دو واقعات سن کے یہ عاجز اپنی بات کو مکمل کر دے گا، ذرا توجہ کے ساتھ سنئے گا! ایک انگریز دہلی کی جامع

مسجد دیکھنے کے لئے آیا، وہ Architect (تعمیری کام کا انجینئر) تھا اور اس کو پتہ تھا کہ جامع مسجد کے اندر بڑی اچھی Calligraphy (کشیدہ کاری) کی گئی ہے، چونکہ اس کے فن کا کام تھا، وہ دیکھنے کے لئے آیا، اب دہلی کی جامع مسجد کی کئی سیڑھیاں ہیں اور سیڑھیوں پہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ فقراء بیٹھے ہوتے ہیں، سائل بیٹھے ہوتے ہیں، ایک معذور فقیر تھا، وہ بیٹھا ہوا تھا، جب یہ قریب سے گذرا تو اس نے مانگا، اس انگریز نے اپنا Wallet (بٹوا) نکالا اور بٹوا نکال کے اس میں سے اس فقیر کو کچھ دے دیا اور اپنا Wallet پھر اپنی جیب میں ڈال لیا، اپنی دانست میں تو اس نے جیب میں ڈالا لیکن حقیقت میں اس کا بٹوا گر گیا، اب یہ مسجد میں چلا گیا، وہاں جا کے اس نے Calligraphy (کشیدہ کاری) دیکھی، بڑی پسند آئی، اس نے فوٹو گرافی کی، اس کی بیوی بھی اسی شعبہ سے تعلق رکھتی تھی، وہ گھر گیا اور گھر جا کر اس نے بیوی کو بتایا کہ کتنا اچھا کام کیا ہوا ہے، Historical (تاریخی) کام ہے، اس کی بیوی کہنے لگی کہ اچھا آئندہ Weekend (ہفتہ کا آخر) آئے گا تو میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گی، تو مجھے بھی آپ وہ مسجد کا کام دکھائیں، اب جب رات سونے لگا تو اس نے دیکھا کہ اس کا پیسے والا بٹوا ہی نہیں ہے، تو یہ بڑا پریشان ہوا کہ کہاں گرا، بڑا سوچا مگر اس کو یاد نہیں آیا کہ میں نے بٹوا کہاں گرایا، خیر ایک آدھ دن کے بعد یہ ذہن سے بات ہی نکال بیٹھا، کہنے لگا جو دو چار سو روپے تھے بس وہ میرے گم ہو گئے، جب اگلا اتوار آیا تو یہ اپنی بیوی کو لے کے جامع مسجد دکھانے کے لئے گیا، اب جب یہ سیڑھیوں پہ چڑھ رہا تھا تو اس نے دیکھا کہ وہی معذور فقیر جسے پچھلی مرتبہ اس نے پیسے دئے تھے، وہ اس کی طرف آ رہا ہے، تو اس نے سوچا کہ پچھلی مرتبہ پیسے دئے تھے، پھر اس نے مجھے دیکھا تو امید لگی ہوگی کہ یہ ضرور دے گا، تو یہ مجھ سے پیسے مانگنے آ رہا ہے، لیکن وہ فقیر جب قریب آیا تو وہ کہنے لگا کہ جناب! وہ پچھلی مرتبہ آپ نے جب مجھے پیسے دئے تھے تو شاید یہ آپ کا بٹوا تھا، جو گر گیا تھا، میں نے آپ کو ڈھونڈنے کی کوشش کی مگر آپ نکل گئے تو میں نے اپنے پاس رکھا ہوا ہے، آپ اپنا بٹوا

لے لیجئے، اب اس انگریز نے بٹوا دیکھا، اپنی چیزیں دیکھیں، Documents (کاغذات) دیکھے، ہر چیز بالکل ٹھیک تھی، اس کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ یہ فقیر تو ایک ایک پیسہ مانگتا ہے اور میرے بٹوے میں تو دو تین سو روپے تھے، اگر یہ اپنے پاس رکھ لیتا تو کسی کو خبر ہی نہ ہوتی، مگر اس نے یہ مجھے لوٹا دیا تو اس نے پوچھا کہ فقیر! آخر تم نے یہ اپنے پاس رکھ کیوں نہیں لیا؟ تو معذور فقیر نے جواب دیا کہ شروع میں تو ایک خیال آیا تھا کہ میں اسے رکھ لوں، مگر پھر ایک دوسرا خیال آیا اور میں نے کہا کہ نہیں، میں اسے نہیں رکھوں گا، اس نے پوچھا کیا خیال آیا؟ تو وہ معذور فقیر کہتا ہے کہ مجھے یہ خیال آیا کہ میں نبی ﷺ کا امتی ہوں، آپ عیسیٰ علیہ السلام کے امتی ہیں، اگر میں نے آپ کا یہ بٹوا چوری کر لیا تو ایسا نہ ہو کہ قیامت کا دن ہو اور آپ کے نبی علیہ السلام میرے آقا ﷺ کو گلہ دیں کہ تمہارے امتی نے میرے امتی کی چوری کی تھی، میں اس خیال کو سوچ کے رہ گیا کہ میری وجہ سے میرے آقا ﷺ کو بات نہ سننی پڑ جائے۔ ایک وقت تھا کہ فقیروں کی کیفیت یہ ہوا کرتی تھی

فرشتوں کو دکھانا تھا بشر ایسے بھی ہوتے ہیں

نبی ﷺ نے ایسی خوش اخلاقی کی تعلیمات دیں کہ جنھوں نے ان کو اپنایا وہ واقعی انسانیت کے لئے باعث فخر ہو گئے، کیا خوبصورت سوچ ہوتی تھی! آپ سوچئے اگر ہماری سوچ ایسی ہو تو کیا ہم کسی کا نقصان کر سکتے ہیں؟ کسی کی عزت کی طرف میلی نظر ڈال سکتے ہیں؟ ہر گز نہیں، یہ ساری باتیں ہی غفلت کی وجہ سے ہوتی ہیں، آج اس غفلت کو دور کرنے کے لئے ہم یہاں اکٹھا ہوئے ہیں، اللہ رب العزت ہمیں غفلت سے محفوظ فرمائے اور حقیقی معنوں میں مسلمان بن کر زندگی گذارنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آخری واقعہ سن لیں! حج کا موقع ہے، ایک نوجوان منیٰ کے میدان میں ایک بڑے میاں کو دیکھتا ہے کہ اس کے ہاتھ میں تھیلا ہے اور اس میں یقینا کچھ پیسے ہوں گے، تو وہ نوجوان وہ تھیلا چھین کے بھاگ جاتا ہے، چونکہ رش بہت تھا، پتہ ہی نہیں چلا کہ ہاتھ سے کون

لے کر گیا، اس بڑے میاں نے پوچھا بھی کہ کون ہے جو میرا ہمیانی لے کر چلا گیا، تھیلا لے کے چلا گیا، لوگوں نے کہا کہ پتہ نہیں کون تھا، وہ چلے گئے، اب جس نوجوان نے تھیلا چھینا تھا یہ تھوڑا آگے گیا تو اچانک اسے چکر آئے تو اس کی آنکھوں کی بینائی چلی گئی، اب یہ وہیں زمین پہ بیٹھ گیا، رونا شروع کر دیا، لوگوں نے پوچھا کہ کیوں رو رہے ہو؟ کہنے لگا میں نے ایک بڑے میاں کا تھیلا چھینا، مجھے لگتا ہے کہ انھوں نے بد دعا کی اور میری آنکھوں کی بینائی چلی گئی، لوگوں نے کہا کہ وہ بڑے میاں کہاں ہیں؟ ہم تمہیں لے جاتے ہیں، ان سے معافی مانگ لو، چنانچہ جہاں اس نے تھیلا چھینا تھا وہ اس کو پکڑ کے وہاں لائے، مگر وہ بڑے میاں تو گھر چلے گئے تھے، قریب کے لوگوں سے پوچھا، انھوں نے کہا کہ وہ بڑے میاں پانچ وقت نماز پڑھنے کے لئے آتے ہیں، ہوسکتا ہے کہ اگلی نماز کے لئے پھر آئیں، لہٰذا آپ Wait (انتظار) کرلیں، جب انتظار کیا، تو اگلی نماز کے قریب وہ بڑے میاں آ گئے، جیسے ہی پتہ چلا، یہ نوجوان اٹھا، اس نے پاؤں پکڑے کہ آپ اللہ کے لئے معاف کر دیں، آپ نے بد دعا کی میری بینائی چلی گئی، مجھ سے بڑی غلطی ہوئی، جب اس نے معافی مانگی تو وہ بڑے میاں کہنے لگے کہ بھائی! میں نے تو آپ کو اسی وقت معاف کر دیا تھا، لوگوں نے کہا کہ بڑے میاں آپ معادف کر دیں، بڑے میاں کہنے لگے کہ میں نے تو اسی وقت معاف کر دیا تھا، اب سارے لوگ حیران ہیں، ایک صاحب نے پوچھا کہ بھائی! یہ آپ کا تھیلا لے کے چلا گیا اور آپ کہتے ہیں کہ میں نے اسی وقت معاف کر دیا تھا تو وہ بڑے میاں کہنے لگے: ہاں! مجھے ایک خیال آ گیا تھا، پوچھا بڑے میاں کیا خیال آیا تھا؟ بڑے میاں کہنے لگے کہ میں نے علماء سے یہ سنا ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن میری امت کا حساب کتاب ہوگا، جب تک آخری امتی کا حساب نہیں ہوگا میں اس وقت تک جنت میں نہیں جاؤں گا، تو میرے ذہن میں خیال آیا کہ یہ نوجوان میرا تھیلا لے کر بھاگ گیا، اب اگر اسے میں نے معاف نہ کیا تو قیامت کے دن اللہ رب العزت کی بارگاہ میں مقدمہ پیش ہوگا اور جتنی دیر فیصلہ ہونے

میں لگے گی میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا انتظار کرنا پڑے گا، میں نے معاف کر دیا کہ نہ قیامت کے دن مقدمہ پیش ہو، نہ میری وجہ سے میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت میں جانے میں دیر لگے گی۔ اللہ اکبر کبیرا

اگر ہماری یہ سوچ ہو جائے، میاں بیوی میں جھگڑے ہو سکتے ہیں؟ بھائی بھائی میں جھگڑے ہو سکتے ہیں؟ دو مسلمانوں میں جھگڑے ہو سکتے ہیں؟ ہو ہی نہیں سکتے، اس لئے کہ وہ ایک دوسرے کے خیر خواہ ہوں گے۔ چنانچہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا زمانہ ہے، دو مسلمانوں کے درمیان ایک مقدمہ آیا، مقدمہ یہ تھا کہ ایک صاحب نے زمین بیچی اور دوسرے نے زمین خریدی، خریدنے والے نے جب اس میں ہل چلائے تو اس کو اندر سے کچھ سونا چاندی دفینہ مل گیا، اب وہ سوچنے لگا کہ میں نے تو زمین خریدی ہے، یہ خزانہ تو بہت قیمتی ہے، لہٰذا یہ تو پہلے والے مالک کا ہے، اس نے پہلے والے مالک کو بلایا اور کہا: جناب! میں نے تو آپ کو زمین کی قیمت دی تھی اور اس میں تو یہ خزانہ نکل آیا، یہ خزانہ تو میرا نہیں، یہ آپ کا ہے، اس نے جواب دیا: جناب! میں نے جب زمین بیچی تو اب زمین میں سے جو فائدہ بھی نکلے گا وہ فائدہ تمہارا ہوگا، اب وہ میرا نہیں ہو سکتا، اب ایک کہہ رہا ہے کہ یہ تمہارا مال ہے اور دوسرا کہہ رہا ہے کہ نہیں، یہ آپ کا مال ہے۔ ذرا سوچئے! یہ دو مسلمانوں کے درمیان مقدمہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں عدالت میں آتا ہے، آج تو مقدمے یہ ہوتے ہیں کہ ایک کہتا ہے کہ میرا حق ہے، دوسرا کہتا ہے کہ میرا حق ہے، ایک کہتا ہے کہ میں حق لے کر رہوں گا، دوسرا کہتا ہے کہ میں خون کا آخری قطرہ بہا دوں گا، یہ آج کل کے مقدمے ہوتے ہیں، جب ہم صحیح معنوں میں مسلمان تھے اس زمانے کا مقدمہ سنئے کہ ایک کہتا ہے کہ میرا حق نہیں، ان کا حق ہے، دوسرا کہتا ہے کہ میرا حق نہیں ان کا حق ہے، کعب رضی اللہ عنہ کی عدالت تھی، وہ قاضی تھے، اب وہ بھی حیران ہیں کہ اس مقدمے کا فیصلہ کیسے کریں، ایک سے کہا کہ بھائی! تم لے لو، انھوں نے کہا نہیں۔ یہ میرے بھائی کا ہے، تو دوسرے سے کہا آپ لے لو، اس نے کہا نہیں یہ میرے بھائی کا ہے،

کیا فیصلہ کیا جائے؟ اللہ نے ان لوگوں کو سوچ بھی بڑی دی تھی، کعبؓ کے دل میں ایک خیال آیا، انھوں نے ایک سے پوچھا کہ تمہاری اولاد ہے؟ اس نے کہا جی ہے، ایک جوان بیٹا ہے، دوسرے سے پوچھا، تو پتہ چلا کہ ایک جوان العمر بیٹی ان کے یہاں بھی ہے، تو ابن کعبؓ نے فیصلہ کیا کہ میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ اپنے بیٹے اور بیٹی کا آپس میں نکاح کردیں اور ان دونوں کو جہیز کے طور پر یہ خزانہ دے دیں، تا کہ دونوں کے دونوں مطمئن ہو جائیں، چنانچہ عدالت میں نکاح پڑھا گیا اور ہونے والے میاں بیوی کو یہ خزانہ جہیز میں دے دیا گیا، یہ اس زمانے کا مقدمہ تھا۔

فرشتوں کو دکھانا تھا بشر ایسے بھی ہوتے ہیں

ایسی امت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنائی کہ جن کے اخلاق کو کتابوں میں پڑھ کر دل کہتا ہے کہ واقعی ان کی مبارک زندگیوں کو دیکھ کر تو فرشتوں کو بھی حیرت ہوتی ہوگی کہ زمین کے اوپر کتنی خیر خواہی چاہنے والے مسلمان ہیں، اللہ رب العزت ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آج ہم بھی نام کے مسلمان ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح معنوں میں کام کے مسلمان بنادے۔ ؎

عمل کے اپنے اساس کیا ہے　　بجز ندامت کے پاس کیا ہے
رہے سلامت تمہاری نسبت　　میرا تو بس آسرا یہی ہے

آج یہی تمنا لئے بیٹھے ہیں، اے اللہ! نام کے مسلمان کہلاتے کہلاتے عمر گذر رہی ہے، اب اللہ تعالی رحمت کی ایک نظر ڈال کے ان مردہ دلوں کو زندہ کردے، ہمارے من کو جگادے، تا کہ ہم صحیح معنوں میں مسلمان بن کر اور اچھے اخلاق والے انسان بن کر زندگی گذاریں۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

اگلے صفحہ پر آپ جو خطاب ملاحظہ فرمائیں گے، وہ بنگلور کے حج کیمپ کی مسجد قادریہ میں ہوا تھا، حضرت والا مسجد سے خطاب فرما رہے تھے، اور خواتین کا انتظام عیدگاہ کے میدان میں تھا، تاریخ: ۲۱/۱ اپریل ۲۰۱۱ء بروز جمعرات، وقت: ساڑھے گیارہ بجے دن، محتاط تخمینہ کے مطابق مستورات کی تعداد ۳۰ سے ۴۰ ہزار بتائی گئی ہے۔

مستورات مجلس

مغفرت کے دس ۱۰ اسباب

الحمد للہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون و سلام علی المرسلین و الحمد للہ رب العالمین

اللھم صل علی سیدنا محمد و علی آل سیدنا محمد و بارک و سلم

اللھم صل علی سیدنا محمد و علی آل سیدنا محمد و بارک و سلم

اللھم صل علی سیدنا محمد و علی آل سیدنا محمد و بارک و سلم

گناہ سے دل سیاہ ہوتا ہے

انسان جو بھی کوئی کام شریعت کے خلاف کرتا ہے اسے گناہ کہتے ہیں، اللہ رب العزت کے حکم کے خلاف کرنا، یا نبی ﷺ کی سنت مبارکہ کے خلاف کرنا اس کو گناہ کہتے ہیں، ایسا کام انسان کے دل پر ظلمت آنے کا باعث ہوتا ہے، نیکی کرنے سے دل منور ہوتا ہے، گناہ کرنے سے دل سیاہ ہوتا ہے، اگر گناہوں پہ گناہ ہوتے رہیں تو یہ دل اتنا سیاہ ہو جاتا ہے کہ ''ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ'' کہ ظلمتوں کے اوپر ظلمتیں، اندھیروں پہ اندھیرا،

دل بالکل سیاہ ہو جاتا ہے، سخت ہو جاتا ہے۔

دل کا سکون نیکی کے ساتھ وابستہ ہے

چنانچہ گناہوں کے کچھ اثرات ہیں، جن میں سے ایک اثر یہ ہے کہ گناہ انسان کے دل کو پریشان رکھتا ہے، کوئی آدمی کتنے ہی کامیاب طریقے سے گناہ کیوں نہ کرے، اس کا دل پریشان ہوتا ہے، اسے روکنے والا کوئی نہ ہو، اسے سمجھانے والا کوئی نہ ہو، اس کے لئے گناہ کرنے کا موقع میسر ہو، پھر بھی یہ گناہ اس کے دل کو پریشان رکھے گا، یہ ایک روگ ہے جو انسان اپنے دل میں پال لیتا ہے، جس کی وجہ سے دل کا سکون اور چین لٹ جاتا ہے، وہ نوجوان بچے جو غیر کے ساتھ Involve (متعلق) ہو جاتے ہیں، آپ ان کی زندگیاں دیکھیں، نہ ان کو سکون ہے، نہ رات کی نیند ہے، نہ ان کو کسی سے بات کرنے کا وقت ہے، ہر وقت سپنے اور خیالوں میں ڈوبے ہوئے اور الجھے ہوئے اور پریشان پریشان رہتے ہیں، ایسے لگتا ہے کہ سکون تو ان سے رُوٹھ گیا ہے، یہ اصل میں ان کے گناہ کی وجہ سے ہوتا ہے اور یہ ہر وقت کا ڈر بھی کہ کسی کو پتہ نہ چل جائے، کہیں بے عزتی نہ ہو جائے، ذلت نہ ہو، ماں باپ کی بدنامی نہ ہو، تو ایک گناہ کی وجہ سے پریشانیوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ کتنے لوگ ہیں جن کو اللہ نے مال و منال دیا، دنیا کی ہر نعمت دی، وہ ایئر کنڈیشنڈ کمروں کے اندر کمبل میں لیٹے ہوتے ہیں، نرم گدے ہوتے ہیں، مگر ان کو نیند نہیں آتی، کروٹیں بدلتے رہتے ہیں، بلکہ نیند کی گولیاں کھاتے ہیں پھر بھی نیند نہیں آتی، پھر کہتے بھی ہیں کہ جو چاہتے ہیں کھاتے ہیں، پیتے ہیں، جہاں چاہتے ہیں سوتے ہیں، لیکن دل پریشان ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ دل کے سکون کا تعلق نیکی کے ساتھ وابستہ ہے۔

کتنی تسکین وابستہ ہے تیرے نام کے ساتھ
نیند کانٹوں پہ بھی آجاتی ہے آرام کے ساتھ

جب اللہ رب العزت کی طرف دھیان نہ رہا، گناہوں میں الجھ گئے، تو اللہ ایسے لوگوں کو سکون

سے محروم کر دیتے ہیں، گناہ کرتے ہیں مزے لینے کے لئے اور الٹا گناہ کر کے پریشان ہو جاتے ہیں، تو گناہوں کی ایک تاثیر تو یہ کہ انسان کا دل پریشان رہتا ہے۔

گناہ کی وجہ سے نیکی کی توفیق چھین لی جاتی ہے

اور دوسری بات یہ کہ گناہ کی وجہ سے انسان سے نیکی کی توفیق چھین لی جاتی ہے، نماز پڑھنے کو دل نہیں چاہتا، دعا مانگنے کو دل نہیں چاہتا، فجر میں اٹھا نہیں جاتا، پردہ کرنا بوجھ نظر آتا ہے، جھوٹ پہ جھوٹ بولنے پڑتے ہیں، چنانچہ دین میں پابندیاں ہی پابندیاں نظر آتی ہیں، انسان پریشان ہوتا ہے کہ کیوں میری طبیعت شریعت کی طرف مائل نہیں ہوتی، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ گناہوں کی ظلمت انسان کو نیکی کی توفیق سے محرم کر دیتی ہے، تلاوت کرنے بیٹھیں تو آدھا صفحہ پڑھ کے تھک جاتے ہیں، ویسے ٹی وی دیکھنے بیٹھیں تو گھنٹوں بیٹھے ہیں، فلمیں دیکھ رہے ہیں، ڈرامے دیکھ رہے ہیں، گانے سن رہے ہیں، گھنٹوں طبیعت ٹھیک رہتی ہے، لیکن مصلّے پہ آ کے کھڑا ہونا مصیبت نظر آتا ہے، یہ گناہ کی ظلمت ہے کہ انسان سے نیکی توفیق چھین لی جاتی ہے۔ اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم گناہوں کو چھوڑ کر نیکوکاری کی زندگی گذارنے کا عہد کریں۔

ابن تیمیہ ؒ نے اپنی کتاب ''الایمان الاوسط'' میں دس وجوہات لکھی ہیں، جن سے انسان کے گناہ معاف ہوتے ہیں، امید ہے کہ مستورات ان دس وجوہات کو توجہ کے ساتھ سنیں گی اور کوشش کریں گی کہ جتنے گناہ بخشوا سکیں اتنا بہتر ہے۔

گناہ بخشوانے والی پہلی چیز: توبہ

سب سے پہلی چیز جس سے گناہ معاف ہوتے ہیں اس کو ''توبہ'' کہتے ہیں، توبہ کا مطلب ہوتا ہے: ''تَنْزِیْهُ الْقَلْبِ عَنِ الذَّنْبِ'' کہ انسان دل کو گناہوں سے خالی کر لے، دل میں گناہ کی حسرت نہ رہے، دل میں گناہ کی چاہت نہ رہے، دل پاک ہو جائے، پہلے دل پاک ہوگا پھر گناہوں سے انسان کا چھٹکارا ہوگا، عہد کرے کہ اللہ! میں نے آئندہ گناہ نہیں کرنا ہے، یہ توبہ Delete command (مٹانے کا بٹن) کے مانند ہے، جس طرح آپ کے

موبائل پہ Message (پیغام) آیا اور آپ نے Delete (مٹانا، کالعدم کردینا) کردیا تو ایسے ہوجاتا ہے جیسے کہ تھا ہی نہیں، اسی طرح توبہ کرلینے سے انسان کے کئے ہوئے تمام گناہ Delete (مٹ جانا) ہوجاتے ہیں، نامۂ اعمال سے ہی ختم کردئے جاتے ہیں۔ حدیث پاک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ'' کہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے ہوتا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں ہے۔

توبہ؛ ہر انسان کے لئے ضروری ہے

اور یہ توبہ ہر بندے کو کرنی چاہئے، کافر ہے تو کفر سے توبہ کرے، عام مسلمان ہے تو گناہ کبیرہ سے توبہ کرے، اگر کوئی کہے کہ میں تو گناہ کبیرہ نہیں کرتا تو وہ غفلت سے توبہ کرے کہ وقت غفلت میں گذر جاتا ہے، اگر کوئی کہے کہ میں تو اللہ سے غافل بھی نہیں ہوتا تو اس کو بھی چاہئے کہ وساوسِ نفسانی اور شیطانی سے توبہ کرے، نیک لوگوں کو بھی شیطانی نفسانی وساوس آتے رہتے ہیں، حتیٰ کہ دورانِ نماز بھی آجاتے ہیں، اگر کوئی بندہ یہ دعوی کرے کہ میری جمعیت حضوری اتنی ہوگئی کہ مجھے نفسانی خواہشات اور شہوات بھی پریشان نہیں کرتیں، تو اس کو چاہئے کہ اپنے اخلاص کی کمی پہ توبہ کرے، کوئی بندہ یہ دعوی نہیں کرسکتا کہ میں پورے اخلاص کے ساتھ عبادت کررہا ہوں، جب اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا: ''ما عبدناک حَقَّ عِبَادَتِکَ'' اے اللہ! ہم نے آپ کی عبادت نہیں کی جیسے کہ کرنی چاہئے تھی، تو دنیا کا کون انسان ہے جو یہ سوچے کہ میں نے تو عبادت کا حق ادا کردیا، اس لئے اخلاص کی کمی پر تو سب کو توبہ کرنی چاہئے۔ معلوم ہوا کہ نیک ہو یا برا ہو، ہر بندے کو اپنے حال کے مناسب توبہ کرنی چاہئے۔

کسی بھی گناہ کا چھوٹنا ناممکن نہیں

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں کہ کوشش کے باوجود نہیں چھوٹتے، جو نوجوان گناہ میں پھنسے ہوتے ہیں وہ سوچتے ہیں کہ ہم تو اس کو چھوڑ ہی نہیں سکتے، تو بھائی! ہمارے لئے چھوڑنا مشکل ہے، اللہ تعالیٰ کے لئے چھوڑوا دینا آسان ہے، ہم

اللہ تعالیٰ کی رحمت پہ امید رکھیں اور دعا مانگیں کہ اے پروردگار! آپ ہمیں گناہ کی ذلت سے بچا لیجئے، آپ ہمیں طاعات کی عزت عطا فرما دیجئے۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ جب نقصان کا ڈر ہوتا ہے تو پھر انسان آسانی کے ساتھ گناہوں کو چھوڑ دیتا ہے۔ مثال کے طور پر بچھو کے کاٹنے کا ڈر ہوتا ہے تو کوئی بھی قریب نہیں جاتا، سانپ کا ڈر ہوتا ہے تو کوئی بھی قریب نہیں جاتا، بجلی کا ڈر ہوتا ہے کوئی بھی اس کو انگلی نہیں لگاتا، آگ سے ڈر ہوتا ہے ہر بندہ دور رہتا ہے، تو جس طرح دیکھنے میں سانپ کتنا خوبصورت ہے، مگر ہم نے کبھی بھی اس کو نہیں پکڑا، اس لئے کہ ہم سمجھتے ہیں کہ سانپ کو اگر پکڑ لیا تو موت ہو جائے گی، اسی طرح مومن کے دل میں یہ یقین آ جاتا ہے کہ اگر میں نے کبیرہ گناہ کر لیا تو میری روحانی موت واقع ہو جائے گی۔ اس طرح انسان گناہوں کے تقاضے کو دبا سکتا ہے اور نیکی کی زندگی گذار سکتا ہے۔

گناہ بخشوانے والی دوسری چیز: استغفار

دوسرا عمل جس سے کہ انسان کے گناہ معاف ہوتے ہیں ''استغفار'' ہے، کہ انسان اپنے گناہوں پہ نادم ہو، جتنا استغفار کرے گا اتنا گناہ زیادہ بخشے جائیں گے، یہ استغفار اللہ رب العزت کو بڑا محبوب ہے اور اس کی وجہ سے انسان کو بڑی نعمتیں ملتی ہیں۔ چنانچہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے پاس ایک نوجوان آیا کہنے لگا: حضرت! میں بڑا گنہگار ہوں، کوئی عمل بتا دیجئے، فرمایا: استغفار کرو، ایک نوجوان آیا: حضرت! عرصے سے بارش نہیں ہوئی، کوئی عمل بتا دیجئے، فرمایا استغفار کرو، ایک تیسرا نوجوان آیا: حضرت! میں بڑا غریب ہوں، رزق کی تنگی ہے، کوئی عمل بتا دیجئے، فرمایا: استغفار کرو، ایک نوجوان آیا کہ میں بے اولاد ہوں دعا کیجئے کہ مجھے اولاد نرینہ مل جائے، فرمایا: استغفار کرو، ایک نوجوان آیا کہ میرا باغ ہے، دعا کیجئے کہ پھل اچھا ملے، فرمایا: استغفار کرو، ایک آدمی آیا: دعا کیجئے کہ میرے گھر سے پانی کا کنواں نکل آئے، چشمہ نکل آئے، فرمایا: استغفار کرو، سننے والا حیران ہوا کہ ہر بندے نے مختلف تقاضے سامنے رکھے، مگر حضرت نے عمل ایک ہی بتایا تو اس نے پوچھا کہ حضرت! یہ کیا کہ ہر کام کے

جواب میں آپ نے استغفار ہی بتایا، حسنؒ نے فرمایا کہ دیکھو یہ میں نے خود نہیں کہا، بلکہ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: ''فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝'' تو دیکھئے! گناہ بھی معاف ہوتے ہیں، استغفار سے بارشیں بھی نازل ہوتی ہیں، ''وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ'' اللہ مال کے ذریعہ بھی مدد کرتے ہیں تو غربت بھی ختم ہوتی ہے ''وَّبَنِيْنَ'' اور اللہ تعالیٰ بیٹے بھی عطا کرتے ہیں تو بے اولاد لوگوں کو اللہ تعالیٰ استغفار کرنے کی وجہ سے اولاد نرینہ بھی عطا فرماتے ہیں ''وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ'' اور اللہ تعالیٰ پھل بھی عطا فرمادیتے ہیں، کاروبار میں برکت اور منافع بھی دے دیتے ہیں ''وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝'' اور اللہ تعالیٰ چشمے اور نہریں بھی جاری فرمادیتے ہیں، تو دیکھئے استغفار ایک عمل ہے، اس کی وجہ سے کتنی نعمتیں مل جاتی ہیں۔ تو اگر عورتیں استغفار کی کثرت کرلیں تو ان کو تعویذوں کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی، عملیات والوں کے پاس جانے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی، یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی کہ کسی نے کاروبار باندھ دیا، کسی نے بیٹی کا رشتہ باندھ دیا، بلکہ استغفار کے صدقے اللہ یہ سب نعمتیں عطا فرمادیں گے۔

نیک عمل کے بعد بھی استغفار کرنا چاہئے

استغفار ہر بندے کے لئے کرنا ضروری ہے، نیکی کرے تو بھی استغفار کرے۔ ذرا غور کیجئے کہ نبی ﷺ جب وضو فرماتے تھے تو وضو کے بعد بھی استغفار فرماتے تھے، حالانکہ وضو عبادت ہے اور حکمِ شریعت ہے کہ جو عضو وضو کا دھوتے ہیں اس کے گناہ جھڑ جاتے ہیں، تو گناہ جھڑنے والا عمل ہے، مگر اس کے بعد استغفار کرتے تھے، وضو کے بعد نبی ﷺ پڑھتے تھے: ''اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ'' نماز کتنی عظیم عبادت ہے کہ جو آدمی پابندی سے نماز پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے گناہ اس طرح مٹاتے ہیں جس طرح پانچ مرتبہ غسل کرنے والے کے جسم سے میل مٹادی جاتی ہے، لیکن نماز کے بعد بھی نبی

ﷺ استغفار فرماتے تھے۔ حدیث پاک میں ہے کہ نبی ﷺ جب سلام پھیرتے تو فرماتے: ''اللہ أکبر، أستغفر اللہ، أستغفر اللہ، أستغفر اللہ'' اس کا کیا مطلب کہ بندے نے تو عبادت کی پھر اس کے بعد استغفار کر رہا ہے؟ تو علماء نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! میں نے اپنی طرف سے تو عبادت کی مگر یہ اس معیار کی نہیں ہوئی جو آپ کی شان کے مطابق ہو، لہٰذا یہ عبادت اب جیسی بھی ہے اس کو رد نہ کیجئے، اللہ! پلیز قبول کر لیجئے، پلیز قبول کر لیجئے، تو تین مرتبہ استغفار کا مطلب ہے کہ ہم اللہ رب العزت کے سامنے عاجزی کر رہے ہوتے ہیں کہ جیسی بھی عبادت ہے اس کو قبول فرما لیجئے۔ تہجد کے بعد استغفار ''کَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَھْجَعُوْنَ ○ وَبِالْاَسْحَارِ ھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ ○'' تہجد کے وقت بھی اللہ والے استغفار کرتے ہیں۔ حج کتنی بڑی عبادت ہے کہ انسان اس طرح گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے جیسے اُس دن پاک تھا جب اس کی ماں نے اس کو جنا تھا، لیکن قرآن مجید میں فرمایا: ''ثُمَّ اَفِیْضُوْا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰہَ'' کہ تم حج کے بعد بھی استغفار کرو۔ نبی ﷺ کی مبارک زندگی کتنی خوبصورت عبادت والی زندگی تھی، پھولوں سے زیادہ پاکیزہ زندگی تھی، مگر اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کو فرماتے ہیں: ''فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْہُ۔'' آپ بھی اللہ کی حمد کیجئے اور استغفار کیجئے، وہ پاکیزہ زندگی جس کے اوپر پاکیزگی کو ناز ہے، اللہ تعالیٰ ان کو بھی فرماتے ہیں کہ استغفار کیجئے، لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہم میں سے ہر بندہ کثرت سے استغفار کرے، استغفر اللہ استغفر اللہ جتنا بھی پڑھ سکتی ہیں پڑھیں اور اگر پورا پڑھیں ''أستغفر اللہ رَبِّی مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّأَتُوْبُ اِلَیْہِ'' تو اور بھی ٹھیک ہے۔

گناہ بخشوانے والی تیسری چیز: نیک اعمال

تیسرا عمل ''اَلْحَسَنَاتُ الْمَاحِیَۃُ'' کہ انسان جو نیک اعمال کرتا ہے ان کی وجہ سے اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، نماز سے گناہ دھل جاتے ہیں، صدقہ خیرات کرنے

سے گناہ دھل جاتے ہیں، جو بھی انسان نیکیاں کرتا ہے اس کے گناہ دھل جاتے ہیں۔ حدیث پاک میں فرمایا: ''اَلْاِسْلَامُ یَهْدِمُ مَا کَانَ قَبْلَهٗ'' کہ جو بندہ اسلام لے آتا ہے تو کلمہ پڑھنے سے پچھلی زندگی کے سارے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ ایک جگہ فرمایا کہ حج کرنے سے زندگی کے سارے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ ایک حدیث پاک میں آیا: اللہ کے لئے ہجرت کرے تو پچھلی زندگی کے سارے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ بنی اسرائیل کی ایک فاحشہ عورت تھی، اس نے پیاسے کتے کو دیکھا تو اس نے اس کو پانی پلایا، پیاسے کتے کو پانی پلانے پر فاحشہ عورت کے گناہوں کو معاف کردیا گیا۔

دھوکہ باز شیطان مردود کے دھوکہ میں نہ آئیں

یہاں پر شیطان ایک دھوکہ دیتا ہے، دل میں یہ ڈالتا ہے کہ تم تو بے پردہ پھرتی ہو، تمہاری نمازوں کا کیا فائدہ؟ یہ بہت بڑا دھوکہ ہے، یاد رکھئے! بے پردہ پھرنا گناہ اپنی جگہ ہے، نماز پڑھنے کی نیکی اپنی جگہ، کیا پتہ نماز کی پابندی سے اللہ پردے کی بھی توفیق عطا فرما دے، مگر شیطان کہتا ہے: تم مدرسہ میں پڑھتی ہو اور تمہارے ذہنی خیالات اچھے نہیں، تو پڑھنے کا کیا فائدہ؟ لہٰذا اگر ہم گناہوں کو نہیں چھوڑ پا رہے ہیں تو نیکی کرنا بھی تو نہ چھوڑیں، نیک اعمال نہیں چھوڑنے چاہئیے، کپڑا زیادہ میلا ہو تو صابن زیادہ لگانے کی ضرورت ہوتی ہے، یہ تو نہیں کہ صابن تھوڑا ہے، دھونے کا کیا فائدہ، بھائی! جتنا صابن ہے اتنی میل تو ختم ہوگی، پھر اور صابن کا بندوبست ہوجائے گا، تو انسان نیکی نہ چھوڑے، بلکہ گناہ چھوڑے، شیطان کے ان خیالات کی وجہ سے یا لوگوں کے طعنے کی وجہ سے نیکی کو چھوڑ دینا یہ شیطان کا کام ہے، تو ہرگز نیکی نہیں چھوڑنی چاہئے، نیکی کے اوپر جمے رہنا چاہئے، بلکہ اگر گناہ زیادہ ہو رہے ہیں تو ان کو بخشوانے کے لئے نیکی بھی زیادہ کرنی چاہئے، زیادہ تلاوت کرنی چاہئے، تہجد باقاعدگی سے پڑھیں، دعائیں لمبی مانگیں، لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ رہیں، تاکہ ان گناہوں کی ظلمت ختم ہوجائے، یہ چیزیں گناہوں کو مٹادیتی ہیں۔ چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ دو مسلمان جب آپس میں ملتے ہیں، ایک دوسرے کو Shake hand (مصافحہ) کرتے

ہیں تو ان کے ہاتھ الگ کرنے سے پہلے ان کے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جیسے پت جھڑ کے موسم میں درختوں کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔ لہٰذا عورتیں عورتوں سے سلام کریں، مرد مردوں سے سلام کریں، تو یہ فضیلت مل سکتی ہے۔

گناہ بخشوانے والی چوتھی چیز: دوسروں کے لئے دعا کرنا

چوتھا عمل جس سے کہ انسان کے گناہ معاف ہوتے ہیں وہ ہے: ''دُعَاءُ الْمُؤْمِنِيْنَ لِلْمُؤْمِنِ'' ایمان والوں کا ایک دوسرے کے لئے دعا کرنا، نماز پڑھیں تو اپنے لئے بھی دعا مانگیں، اپنے والدین کے لئے، گھر والوں کے لئے، رشتہ داروں کے لئے، پڑوسیوں کے لئے، ایمان والے جتنے بھی ہیں پوری امت کے لئے دعا مانگیں، اس لئے ہمیں قرآن مجید میں دعا سکھائی گئی: ''رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ'' اے اللہ! ہماری بھی مغفرت فرما اور ہم سے پہلے جو ایمان والے گذر گئے ان کی بھی مغفرت فرما۔

حدیث پاک میں ہے: ''مَامِنْ رَجُلٍ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ فَيَقُوْمُ عَلٰى جَنَازَتِهٖ أَرْبَعُوْنَ رَجُلًا لَا يُشْرِكُوْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا اِلَّا شَفَّعَهُمُ اللّٰهُ فِيْهِ'' کہ اگر کوئی آدمی فوت ہو جائے اور اس کا جنازہ چالیس ایسے بندے پڑھیں جو ایمان والے ہوں تو ان کے جنازہ پڑھانے کی وجہ سے اللہ میت کے گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں، تو ایک دوسرے کے لئے دعا کرتے رہنا چاہئے، دعا کے لئے کہنا بھی چاہئے، جب عمر رضی اللہ عنہ عمرے کے لئے جارہے تھے تو حدیث پاک میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بھائی! ہمیں اپنی دعاؤں میں نہ بھولنا، لہٰذا ہم بھی دعاؤں کے لئے کہیں، استاذ کو، ماں باپ کو، اپنے بڑوں کو کہ وہ ہمارے لئے دعا کریں اور مزے کی بات تو یہ ہے کہ ہم اتنے اچھے بنیں کہ ماں باپ کی دعائیں لینے والے بن جائیں، یہ دعا انسان کی زندگی کا سرمایہ ہوتی ہے۔

گناہ بخشوانے والی پانچویں چیز: میت کے لئے ایصالِ ثواب کرنا

پانچویں چیز جس سے کہ انسان کے گناہ معاف ہوتے ہیں: ''مَا يُعْمَلُ لِلْمَيِّتِ مِنْ أَعْمَالِ الْبِرِّ'' کہ اگر کوئی بندہ فوت ہو جائے اس کی طرف سے جو نیک اعمال کئے جاتے ہیں

تو اس کی وجہ سے اس میت کے گناہ معاف ہوتے ہیں، مثلاً والدین کی طرف سے حج کیا، عمرہ کیا، قرآن کی تلاوت کر کے ان کو بخش دیا، یتیم کی پرورش کی، ان کے نام کی نیت کر کے، ان کے نام پر مدرسہ بنوایا، مسجد بنوائی، مہمان خانہ بنوایا، کسی غریب کی بچی کی شادی میں Help (مدد) کردی تو یہ جتنے بھی نیک اعمال ہیں ان کا ثواب جو فوت ہو چکے ہیں ان کو پہونچ جاتا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک اللہ والے تھے، وہ قبرستان کے قریب سے گذرے، انھوں نے کچھ پڑھ کر ان کو بخش دیا، رات کو انھوں نے خواب دیکھا کہ اس قبرستان کے سارے موتی اکٹھے ہیں اور ایک بندہ آتا ہے، اس کے پاس ایک گٹھری ہے، وہ کھولتا ہے تو سارے میت اس کی طرف بھاگتے ہیں، ایک بندہ اپنی جگہ بیٹھا رہتا ہے، تو اس نے اس سے پوچھا کہ کیا یہ معاملہ ہے؟ اس نے بتایا کہ دیکھو یہ جو ایمان والوں کی دعائیں ہوتی ہیں یہ ایک ڈاک ہمیں روزانہ پہنچتی ہے اور ہر میت کی تمنا ہوتی ہے کہ میری ڈاک زیادہ سے زیادہ مجھے مل جائے تو یہ اپنا حصہ لینے کے لئے بھاگتے ہیں، اس نے پوچھا آپ کیوں نہیں بھاگے؟ اس نے کہا میرا ایک نوجوان بیٹا ہے جو حافظ قرآن وہ فلاں بازار میں دوکان کرتا ہے، اور جب گاہک نہیں ہوتے تو بیٹھ کے قرآن پڑھتا رہتا ہے، تو مجھے روزانہ اتنا قرآن پڑھنے کا ثواب مل جاتا ہے کہ مجھے کوئی جلدی نہیں رہتی، سب اپنا اپنا حصہ لے لیں گے تو پھر میں بھی جا کے لے لوں گا۔ آنکھ کھل گئی، اس بندے نے سوچا کہ میں جا کے دیکھوں تو سہی، اس بازار میں گیا، جا کے دیکھا کہ ایک نوجوان ہے، دوکان پہ بیٹھا ہے، گاہک ہوتے ہیں تو وہ اپنی چیزیں بیچتا ہے، گاہک نہیں ہوتے تو وہ زیر لب قرآن پڑھ رہا ہے، یہ سمجھ گئے کہ میرا خواب سچا تھا۔ اللہ کی شان کہ بہت سالوں کے بعد پھر اس قبرستان کے قریب سے گذرنا پڑا، انھوں نے پھر کچھ پڑھ کے بخش دیا، رات کو خواب میں دیکھا کہ موتی ہیں اور کوئی ڈاک لاتا ہے اور سب اپنا حصہ لینے کے لئے بھاگتے ہیں، اور اس دفعہ وہ بندہ بھی بھاگتا ہے جو پہلے بیٹھا ہوا تھا، انھوں

نے اس سے پوچھا کہ کیا ہوا؟ انھوں نے کہا کہ میرا وہ حافظِ قرآن بیٹا فوت ہوگیا، اب کوئی نہیں جو مجھے اس طرح قرآن پڑھ کے بخشے، اب عام مومنوں کی دعا میں جو میرا حصہ ہے میں بھی وہی حصہ لینے کے لئے جارہا ہوں۔ اس لئے اپنے بیٹیوں کو بیٹوں کو قرآن کا حافظ بنانا، عالم بنانا، نیک بنانا، یہ چیز انسان کو آخرت میں بھی کام آجاتی ہے۔

گناہ بخشوانے والی چھٹی چیز: مصیبتوں پر صبر کرنا

چھٹی چیز جس سے گناہ معاف ہوتے ہیں: "اَلْمَصَائِبُ الَّتِیْ یُکَفِّرُ اللّٰہُ بِھَا الْخَطَایَا فِی الدُّنْیَا" مومن کو دنیا میں جو بھی تکلیف پہنچتی ہے، جو بھی مصیبت ملتی ہے، اس مصیبت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف فرمادیتے ہیں، بخاری شریف کی روایت ہے: "مَا یُصِیْبُ الْمُؤْمِنَ مِنْ وَصَبٍ وَلَا نَصَبٍ وَلَا ھَمٍّ وَلَا حُزْنٍ اِلَّا کَفَّرَ اللّٰہُ بِھَا مِنْ خَطَایَاہُ" کہ انسان کو اس دنیا میں جو مصیبت ملتی ہے، جو تھکاوٹ ہوجاتی ہے، جو غم ملتا ہے، جو پریشانی ملتی ہے، اللہ ہر چیز کے بدلے اس کے گناہ کو معاف کردیتے ہیں۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیٹھی ہوئی تھیں، چراغ جل رہا تھا، ہوا کا جھونکا آیا اور چراغ بجھ گیا، نبی ﷺ نے فرمایا: "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ" تو عائشہؓ بڑی حیران ہوگئیں کہ اے اللہ کے حبیب ﷺ! چراغ کے بجھنے پر آپ نے یہ پڑھا؟ تو فرمایا کہ ہاں، مومن کو چھوٹی سی بھی اگر کوئی مصیبت پہنچے اور وہ اِنَّا لِلّٰہِ پڑھ لے تو اللہ اس پر بھی اجر عطا فرماتے ہیں۔ آپ ذرا سوچئے کہ جس مومن کو چراغ کے بجھ جانے پہ اجر ملتا ہے، اگر کوئی قریبی عزیز فوت ہوجائے، اس کی زندگی کا چراغ بجھ جائے اور وہ صبر کرلے تو اس پر کتنا اجر ملے گا؟

علماء نے لکھا ہے کہ ایک بندے کی دو جیبیں تھیں، اس نے ایک میں اپنی گھڑی ڈالی، نکالنے کے لئے دوسری جیب میں ہاتھ ڈالا، تو گھڑی نہیں تھی، تو ایک دم اس کو Shock لگا، ذہنی صدمہ ہوا کہ میری گھڑی کیا ہوئی، اگرچہ کہ اس کو دوسری جیب سے مل بھی گئی، لیکن یہ جو تھوڑی دیر کی اس کو پریشانی ملی اللہ اس پر بھی اجر عطا فرمادیتے ہیں، تو مومن کو تو ہر چیز پہ اجر، اس لئے ہمیں کرنا چاہئے صبر۔ شیطان بدبخت صبر ختم کرادیتا ہے، ہر چیز پہ اعتراض، ہر چیز پہ

جھگڑا، ہر چیز پہ ناپسندیدگی، اس سے اجر ہی ختم ہو جاتا ہے، گھروں کے اندر اگر عورتوں کو صبر کے ساتھ رہنے کی عادت پڑ جائے تو گھروں کے جھگڑے ہی ختم ہو جائیں، کتنی عورتیں ہیں؛ جن کو خاوندوں نے مصیبت میں ڈال رکھا ہوتا ہے، کتنے مرد ہیں؛ جن کو بیویوں نے مصیبت میں ڈال رکھا ہوتا ہے، کتنی بہوئیں ہیں جن کا ساس نے جینا حرام کر رکھا ہوتا ہے، کتنی ساسیں ہیں کہ بہو نے ان کا جینا حرام کیا ہوتا ہے، یہ تو عجیب وغریب حالات ہوتے ہیں، بہرحال جس نے بھی جس کو پریشان کیا ہو، اگر اگلا بندہ صبر کے ساتھ رہے تو اس کے گناہ معاف ہونگے، لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہم صبر کے ساتھ رہیں اور اپنے کو اجر سے نہ محروم ہونے دیں۔ بے صبری سے مصیبت تو ختم نہیں ہوتی، ہاں مصیبت پہ ملنے والا اجر چلا جاتا ہے۔

ایک عورت کا صبر جمیل

کیسی کیسی عورتیں صبر والی تھیں، ایک واقعہ سن لیجئے، ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں طواف کر رہا تھا، ایک عورت کو میں نے دیکھا کہ وہ کہہ رہی تھی کہ اللہ! میں اس حال میں بھی تجھ سے راضی ہوں، میں اُس حال میں بھی تجھ سے راضی ہوں، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ اے خاتون! تیرے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا؟ وہ کہنے لگی کہ میں اپنے گھر میں تھی، میرے چھوٹی عمر کے تین بچے تھے، گھر میں میں روٹیاں بنا رہی تھی، میرے دو بچے کھیل رہے تھے اور ایک چھوٹا بچہ میرے قریب رینگ رہا تھا، وہ بھی کھیل رہا تھا، تو اچانک مجھے کمرے سے ایک زور کی آواز آئی، میں نے جب جا کر دیکھا تو اصل میں گھر میں ایک چھری تھی، جو کافی تیز تھی، وہ کہیں بچوں کے ہاتھ آگئی تو بچوں میں سے ایک نے دوسرے بھائی کو کہا کہ تمہیں پتہ ہے کہ یہ چھری کتنی تیز ہوتی ہے؟ اس نے کہا نہیں، تو اس بچے نے نادانی میں چھوٹے بھائی کے گلے پہ چھری چلا دی اور اس کا Wind pipe (سانس کی نلی) کٹ گیا، اب جب وہ بچہ تڑپنے لگا تو یہ بھی پریشان کہ یہ کیا ہوا، وہ عورت کہتی ہے کہ جب میں وہاں پہنچی تو میں نے دیکھا کہ میرا بیٹا آخری سانس لے رہا تھا، میں نے اس کی لاش اٹھائی اور صحن کے

اندر چارپائی پہ لا کے ڈال دیا، پھر میں فکر مند ہوئی کہ میرا دوسرا بیٹا گیا کہاں؟ نظر نہیں آرہا ہے، میں ڈھونڈنے لگی، اب وہ بچہ ڈر کے مارے چھپ گیا تھا، ہمارے صحن کے اندر لکڑیاں رکھی ہوئی تھیں، وہ اس کے پیچھے چھپا تھا، جب میں نے دیکھا تو وہاں پر ایک سانپ تھا جس نے اس بچے کو کاٹا اور وہ بچہ بھی وہاں مرا پڑا تھا، کہنے لگی کہ میں اس کی لاش بھی اٹھا کے لے آئی اور اس کو لا کے پہلے بچے کے ساتھ بستر پہ لٹایا، پھر میں نے محسوس کیا کہ میرا تیسرا چھوٹا بچہ کہاں، وہ تو اِدھر کھیل رہا تھا، کہنے لگی کہ جب میں قریب آئی تو میں نے دیکھا کہ وہ چھوٹا بچہ رینگتے رینگتے تنور کے اندر جا گرا، میں نے اس کی جلی ہوئی لاش نکالی، تینوں بچوں کو لٹایا، ان کو نہلایا، ان کو کفنایا پھر ان کی تدفین کا عمل ہوا؛ اور میں عمرہ کرنے آگئی اور میں اپنے اللہ سے کہہ رہی ہوں کہ اللہ! میں اِس حال میں بھی تم سے راضی ہوں۔ جس پروردگار نے بیٹوں کی نعمتیں دیں اسی پروردگار نے مجھ سے واپس لیا، تو سوچئے کہ ان مصیبتوں کی حالت میں بھی صبر کرنے والے صبر کرتے ہیں۔

حدیث مبارک ہے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں قیامت کے دن جب جنت میں جانے لگوں گا، تو ایک عورت ہوگی جو میرے ساتھ ساتھ جنت میں داخل ہوگی، یوں لگے گا کہ جیسے یہ مجھ سے بھی پہلے داخل ہونا چاہتی ہے، تو میں فرشتوں سے پوچھوں گا کہ یہ عورت کون ہے؟ تو مجھے بتایا جائے گا کہ یہ آپ کی امت کی ایک بیوہ عورت ہے، اس کے بارہ بچے تھے اور ایک ایک بچہ بچپن کے اندر فوت ہوتا گیا، یہ آنسو روک لیتی تھی، غم کو پی جاتی تھی، اس نے اپنی زندگی میں بارہ بچوں کو نہلایا، کفنا کے دفن کے لئے بھیجا، ان مصیبتوں پر صبر کرنے کی وجہ سے اللہ نے اس ماں کو اتنا اونچا درجہ دیا کہ یہ جنت میں نبی ﷺ کے بالکل پیچھے پیچھے داخل ہوتی ہے، تو ہمیں زندگی میں جو بھی مصیبتیں اور پریشانیاں ملیں ہم صبر کرلیں، برداشت کرلیں، یہ ہے ہی دنیا، یہاں صبر ہی کرنا پڑتا ہے "اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ" اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے، غم مانگیں نہیں، اللہ سے عافیت مانگیں، لیکن اگر غم آجائے تو صبر کیا کریں، تاکہ صبر کا اجر ضائع نہ ہو۔

گناہ بخشوانے والی ساتویں چیز :ضغطۂ قبر

ساتویں چیز جس سے کہ انسان کے گناہ معاف ہوتے ہیں ''مَایَخصُلُ فِی القَبرِ مِنَ الفِتنَۃِ وَ الضَّغطَۃِ وَ الرَّوعَۃِ'' انسان جب فوت ہوگا اور قبر میں جائے گا تو قبر کے اندر اس کو ضغطۂ قبر پیش آئے گا، ''ضغطۂ قبر'' اس کو کہتے ہیں کہ قبر کی دیواریں ملتی ہیں اور بندے کو Press (دبانا، بھینچنا) کرتی ہیں، اگر وہ گنہگار ہو تو پھر تو اتنا دباتی ہیں کہ دائیں طرف کی پسلیاں بائیں طرف اور بائیں طرف کی پسلیاں دائیں طرف ہو جاتی ہیں، اتنی تکلیف ہوتی ہے، اس کو ضغطۂ قبر کہتے ہیں اور یہ ضغطۂ قبر نیکوں کو بھی پیش آئے گا اور بروں کو بھی پیش آئے گا۔ آپ حیران ہوں گی کہ نیکوں کو کیوں پیش آئے گا؟ نبی ﷺ کے ایک صحابی سعد رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو نبی ﷺ نے ان کا جنازہ پڑھایا اور جب قبرستان کی طرف چلنے لگے تو اللہ کے حبیب ﷺ پنجوں کے بل چل رہے تھے، ایک صحابی نے پوچھا کہ اے اللہ کے حبیب ﷺ! آپ پنجوں کے بل کیوں چل رہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سعد کی نماز جنازہ میں شرکت کے لئے اتنے فرشتے آسمان سے اتر آئے کہ مجھے پاؤں رکھنے کی جگہ نہیں مل رہی ہے، دوسری بات نبی ﷺ نے فرمائی کہ سعد کی موت پر اللہ کا عرش بھی تین دن تک روتا رہا، یہ وہ صحابی رضی اللہ عنہ ہیں کہ جن کی وفات پر اللہ کا عرش بھی تین دن رویا، ایسی شخصیت تھی، مگر اللہ کے حبیب ﷺ نے فرمایا: سعد کو بھی ضغطۂ قبر پیش آیا، تو معلوم ہوا کہ ضغطۂ قبر تو ہر ایک کو پیش آئے گا۔

ہر ایک کو ضغطۂ قبر پیش آنے کی وجہ

تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر نیک ہیں تو کیوں پیش آئے گا؟ تو سن لیجے کہ دنیا کے اندر جو ہم نے اللہ کی نعمتیں کھائیں، لذتیں اٹھائیں، کپڑے پہنے، بن سنور کے رہے، آسان پرسکون زندگی ملی، ایئر کنڈیشن کمرے، خوبصورت محل نما گھر، گاڑیوں کے سفر تو یہ جتنی اللہ کی نعمتیں ہیں ان کی بھی تو قیمت Pay (ادا) کرنی ہوتی ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھیں، آپ اگر کسی Restaurant (ہوٹل) پہ کھانا کھانے کے لئے جاتی ہیں تو اپنی مرضی کی ڈشز تو

منگاتی ہیں، لیکن جب اٹھنے لگتی ہیں تو بل تو Pay کرنا پڑتا ہے، اسی طرح ہم اللہ سے دنیا میں نعمتیں تو مانگتے ہیں اور اللہ نعمتیں دنیا میں دے بھی دیتے ہیں، مگر ان نعمتوں کی Payment (ادائیگی) بھی تو کرنی ہوتی ہے، تو یہ ضغطۂ قبر مومن کے لئے ان نعمتوں کی ادائیگی ہوتی ہے۔ اسی لئے غریب ہوں گے تو ضغطۂ قبر تھوڑا ہو گا، امیر ہوں گے تو ضغطۂ قبر زیادہ ہوگا، کیونکہ اس نے زیادہ نعمتوں کو استعمال کیا، جتنی زندگی کی لذتیں ہوں گی ان کے Proportional (تقابل میں) ضغطۂ قبر پیش آئے گا، تو ضغطۂ قبر تو ہر ایک کو پیش آنا ہے۔

مومن اور کافر کے ضغطۂ قبر میں فرق

ہاں مومن کے ضغطۂ قبر میں اور کافر کے ضغطۂ قبر میں ایک فرق ہے، وہ یہ کہ فرض کرو آپ کا ہاتھ دروازے میں آگیا، Press (دب جانا) ہوا تو تکلیف ہوئی، کئی دن تک تکلیف نہیں جاتی تو یہ بھی ہاتھ کا دب جانا ہے، اور کئی مرتبہ آپ کے سر میں درد ہوتا ہے، آپ بیٹی کو کہہ دیتی ہیں کہ بیٹی ذرا سر دباؤ، تو بیٹی بھی سر دباتی ہے، مگر اس سر کے دبانے سے راحت ہوتی ہے، تو دبانا تو دونوں کو کہیں گے، پاؤں بھی دبا، ہاتھ بھی دبے، مگر وہ تکلیف کا باعث بنے، سر بھی دبایا گیا، مگر راحت کا باعث بنا، تو دنیا میں جو فاسق فاجر ہوں گے یا کافر ہوں گے، ان کو قبر میں جو ضغطہ پیش آئے گا وہ تو پسلیاں دبا کر تکلیف پہنچانے والا ہوگا، مومن کو جو ضغطۂ قبر پیش آئے گا وہ ہوگا درد سر کی حالت میں سر کو دبانے والا، وہ الٹا راحت کا سبب بنے گا اور جو چھوٹے موٹے گناہوں کے میل ہوں گے، اللہ ان کو بھی ختم فرما دیں گے، تو ضغطۂ قبر کو بہانہ بنا کے اللہ رہے سہے گناہوں کو بھی معاف کر دیں گے۔

گناہ بخشوانے والی آٹھویں چیز: قیامت کی سختیاں

آٹھویں چیز جس سے گناہ معاف ہوتے ہیں ''أَحْوَالُ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَكَرْبِهَا وَشَدَائِدِهَا'' فرمایا: قیامت کے دن جب انسان اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے تو اس وقت بہت زیادہ خوف کی حالت ہوگی، انبیاء علیہم السلام بھی نفسی نفسی پکارتے ہوں گے اور لوگ بھی اس

وقت پریشان ہوں گے، ہر انسان اپنے گناہوں کے بقدر پسینے میں ڈوبا ہوا ہوگا، کوئی ٹخنوں تک پسینے میں ڈوبا ہوگا، کوئی گھٹنوں تک پسینے میں، کوئی کمر تک، کوئی گلے تک، مگر یہ پسینہ یہ عام پسینہ نہیں ہوگا، حدیث پاک میں فرمایا: یہ ایسا پسینہ ہوگا کہ جیسے پانی کے اندر آلو اُبل رہا ہوتا ہے، انڈا اُبل رہا ہوتا ہے، انسان اپنے پسینے کے اندر اُبل رہا ہوگا، اس وقت سورج کی گرمی انتہاء پر ہوگی، پسینہ ہوگا، خوف ہوگا، جہنم جوش میں آئے گی اور شعلے اڑیں گے، انگارے پہاڑوں کے برابر بڑے ہوں گے، اور جب وہ اوپر اڑیں گے تو انسانوں پر آ کر گریں گے، کوئی انسان ایسا نہیں ہوگا جس کو یہ ڈر نہ ہو کہ کہیں شعلہ میرے اوپر نہ آ گرے، حتی کہ انبیاء علیہم السلام بھی تھراتے ہوں گے، وہ خوف و دہشت اور وہ وحشت انسان کے گناہوں کے معاف ہونے کا سبب بن جائے گی۔ اس دن کی پیاس اور اس دن کی ندامت انسان کیلئے گناہوں سے بچاؤ کا سبب بن جائے گی۔

گناہ بخشوانے والی نویں چیز: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت

نویں چیز جس سے گناہ معاف ہوں گے ''شَفَاعَةُ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فِي أَهْلِ الذُّنُوْبِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ'' قیامت کے دن اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گنہگار امتیوں کی شفاعت فرمائیں گے۔ بخاری شریف کی روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''خُيِّرْتُ بَيْنَ أَنْ يَدْخُلَ نِصْفُ أُمَّتِي الْجَنَّةَ وَبَيْنَ الشَّفَاعَةِ فَاخْتَرْتُ الشَّفَاعَةَ'' اللہ رب العزت نے مجھے Choice (اختیار) دیا، کہ اے میرے حبیب! میں آپ کی آدھی امت کے گناہوں کو معاف کر کے جنت دے دوں گا، یا پھر آپ جن کی شفاعت کریں ان کو بھیجوں گا، نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ میں نے شفاعت کو پسند کرلیا، میری شفاعت سے آدھی سے زیادہ امت جو گنہگار لوگ ہوں گے، اللہ ان کو جنت عطا فرما دیں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر نبی علیہ السلام کو اللہ تعالی نے ایک ایسی دعا مانگنے کا اختیار دیا کہ جیسی دعا مانگیں گے من وعن قبول کرلی جائے گی تو سب انبیاء علیہم السلام نے دعائیں مانگی۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کو بھی اختیار ملا؟ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں مجھے بھی اللہ تعالی نے اختیار دیا، مگر میں نے دعا

مانگی نہیں، میں نے اس کو ذخیرہ بنالیا، قیامت کے دن جب میری امت کا حساب ہو رہا ہوگا، اس وقت میں وہ دعا مانگوں گا اور اس وقت تک جنت میں نہیں جاؤں گا جب تک میرا آخری امتی بھی جنت میں نہیں داخل ہو جائے گا، اللہ اکبر کبیرا، لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہم ﷺ کی ذات بابرکات پر کثرت سے درود شریف پڑھا کریں، ان کی سنتوں سے اپنے آپ کو مزین کیا کریں، یہ قیامت کے دن شفاعت ان لوگوں کو ملے گی جو نبی ﷺ کی سنت کا احترام کرنے والے لوگ ہوں گے۔ آج عورتوں کے طبقے میں سنت کی پابندی بہت کم ہے، ان کو فیشن اچھے لگتے ہیں، ان کو یورپ کے ڈیزائن اچھے لگتے ہیں، یہ بچوں کو بھی وہی لباس پہنانا پسند کرتی ہیں، ان کو زبان بھی وہی اچھی لگتی ہے، چھوٹے چھوٹے بچوں کو اللہ کا نام سکھانے کے بجائے انگریزی کے لفظ سکھاتی ہیں اور بچہ انگریزی کے لفظ بولے تو بڑا خوش ہو کے سمجھتی ہیں کہ ہم نے بڑا میدان سر کرلیا، گھروں کے اندر دیکھو تو رسم و رواج کی زندگی، سنت کا شوق بہت کم ہو گیا، خوش نصیب عورتیں ہوں گی جو اپنے گھروں کو سنت کا گلشن بناتی ہیں، اپنے بچوں کو سنت لباس سے سجاتی ہیں، اپنے بچوں کو سنت کی تعلیم دیتی ہیں، دسترخوان پہ کھانا سنت کے مطابق کھاتی ہیں، اپنے بچوں کو مسنون دعاؤں کی تعلیم دینا، سونے سے پہلے سنت دعا پڑھنا، جاگنے کے بعد سنت دعا پڑھنا، اپنے بچوں کو سنت کا شیدائی بنانا، یہ کام بہت کم عورتیں آج کرتی ہیں، جس کی وجہ سے قیامت کے دن نبی ﷺ کی شفاعت ملنا مشکل ہوگا، اللہ کے حبیب ﷺ فرمائیں گے: تم غیروں کے طریقے پسند کرتی تھیں، تمہیں لباس ان کا پسند، گفتار ان کی پسند، طریقے ان کے پسند تھے، میرے طریقے تو تجھے اچھے ہی نہیں لگتے تھے، میں آج تیری کیا شفاعت کروں، اس دن احساس ہوگا کہ جن سے وفا کرنی تھی ہم دنیا میں ان سے جفا کر بیٹھے، ہم نے اپنے حبیب ﷺ کے پیارے طریقوں کو گلے لگانے کے بجائے اپنے گھروں سے نکال دیا۔

چنانچہ آپ شادی کے موقع پر دیکھئے، ہر کسی کو خوش کرنے کی کوشش ہوتی ہے، ہر

رشتہ دار کو خوش کر لیتے ہیں، اگر کوئی رشتہ دار ناراض بھی ہو عورتیں مردوں کو لے کے جاتی ہیں، ان سے معافی مانگ لیتی ہیں، ان سے Sorry (معافی مانگ لینا) کر لیتی ہیں کہ شادی کا موقع ہے، سب کو منالو حتی کہ گھر کا ڈرائیور ناراض ہوتا ہے تو اس کو بھی منالیا جاتا ہے، گھر میں کام کرنے والی عورت اگر ناراض ہوتی ہے اس کو بھی پیغام بھیج دیتے ہیں کہ شادی کا موقع ہے، اس کو بھی بلالو، سب روٹھے ہوؤں کو منالیا جاتا ہے، جب شادی کا وقت آتا ہے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے طریقوں کو گھر سے نکال دیا جاتا ہے، جس گھر میں سب روٹھے آ گئے اس گھر سے اللہ اور اس کے حبیب ﷺ کے طریقوں کو نکال دیا، تو پھر ہم نے تو ان کا مقام نہ سمجھا، ان کے ساتھ تو وفانہ کی، ہم نے ان کے ساتھ تو پھر دوستی نہ نبھائی، ہم نے تو پھر من مرضیاں کیں، اگر زندگی ایسی گذاریں گے تو پھر قیامت کے دن اللہ کے حبیب ﷺ کی شفاعت کیسے نصیب ہوگی؟ آج وقت ہے کہ ہم سنت کو اپنائیں، سنت والی زندگی گذاریں اور گود سے لے کے گور تک جانے کی جتنی سنتیں ہیں سب کو اپنی زندگی میں لاگو کریں، اگر کوئی بیٹا خوبصورت کپڑے پہن کر ماں کے سامنے آ جاتا ہے تو ماں کی آنکھوں میں نور آ جاتا ہے، دل میں سرور آ جاتا ہے، جو سنت کے مطابق زندگی گزارنے والا بندہ ہوگا، قیامت کے دن اللہ کے حبیب ﷺ کے سامنے جائے گا وہ آقا ﷺ کی آنکھوں کا نور بنے گا، آپ ﷺ کے دل کا سرور بنے گا۔ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ آج ہم نبی علیہ السلام سے قلبی تعلق کو جوڑیں، آپ ﷺ کو اپنی طرف سے درود شریف کے ہدئے اور تحفے بھیجیں، عبادات کے تحفے اور دعاؤں کے تحفے بھیجیں، تا کہ کل قیامت کے دن اللہ کے حبیب ﷺ کی شفاعت ہمیں بھی نصیب ہو، تا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ہماری بھی مغفرت فرمادے اور گناہوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرمادے۔

علماء نے ایک نکتہ کتابوں میں لکھا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ’’فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰۤى اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا

مَحْمُوْدًا'' اے میرے محبوب! تہجد کے نوافل ادا کیجئے، اللہ تعالی آپ کو مقام محمود عطا فرمائیں گے، تو تہجد کے پڑھنے پر نبی ﷺ سے مقام محمود کا وعدہ ہے، مفسرین نے لکھا کہ جو بندہ دنیا میں امتی ہو کر تہجد کی پابندی کی کوشش کرے گا تو مقام محمود پہ پہنچ کر اللہ کے حبیب ﷺ ان کے لئے شفاعت کریں گے تو محبوب کو مقام محمود کی شفاعت کا اختیار ملے گا اور مومن کو تہجد کی پابندی سے نبی ﷺ کی شفاعت کی نعمت نصیب ہوگی۔ ہمیں چاہئے کہ ہم نمازوں کی پابندی کریں، تہجد کی پابندی کریں، سنت والی زندگی کو اپنائیں، تاکہ قیامت کے دن کی ہمیشہ ہمیشہ کی ذلت سے ہم بچ جائیں، اپنے اللہ کو راضی کر کے ہم جنت میں جانے والوں میں سے بن جائیں۔

گناہ بخشوانے والی دسویں چیز: رحمتِ خداوندی

اب دسویں اور آخری چیز فرماتے ہیں: ''رَحْمَةُ اللهِ وَعَفْوُهُ وَمَغْفِرَتُهُ بِلا سَبَبٍ مِنَ الْعِبَادِ'' قیامت کے دن اللہ رب العزت اپنے بندوں پر بغیر کسی سبب کے رحمت فرمادیں گے۔ ماں کو بچے پہ پیار آتا ہے، بچہ تھپڑ مارتا ہے، ماں اس کا ہاتھ چوم لیتی ہے، وہ بدتمیزی نہیں سمجھتی، ماں جو ہوئی، وہ محبت کی اسیر جو ہوئی، وہ بچے کے تھپڑ مارنے کو بھی پیار سمجھ لیتی ہے، نادانی سمجھ لیتی ہے اور الٹا بچے کے ہاتھوں کو چوم لیتی ہے، حدیث پاک میں آتا ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنی رحمت کے ایک ہزار حصے فرمائے، ایک حصہ اللہ نے دنیا میں ظاہر کیا، اس حصے کی وجہ سے میاں بیوی کی محبت، ماں باپ کی محبت، اولاد کی محبت، انسان کی ایک دوسرے انسان سے محبت، جانوروں کی، پرندوں کی، یہ جتنی محبتیں نظر آتی ہیں یہ اس ایک حصے کا کرشمہ ہے اور نوسوننانوے حصے اللہ تعالی رحمت کے قیامت کے دن کھولیں گے، سوچئے تو سہی کہ اللہ تعالی ایمان والوں پر کتنے کریم، کتنے رحیم، کتنے مہربان ہوں گے، فرمایا: ''وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا'' اے میرے بندو! تم دنیا میں ایمان بچا کے چلے آؤ گے تو پھر دیکھنا میں قیامت کے دن تمہارا کیا اکرام کرتا ہوں، میں تمہارے لئے کیا مہربانیاں کرتا ہوں، تو اللہ

قیامت کے دن اپنے بندوں پر مہربانی فرمائیں گے اور ان کے گناہوں کو معاف کریں گے، صرف اس وجہ سے کہ ''اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ '' ماں بچے پہ ماما کی وجہ سے شفیق ہوتی ہے، اللہ اپنی رحمت کی وجہ سے اپنے بندوں پہ شفیق ہیں، اتنی رحمت ہوگی کہ حضرت قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی اتنی رحمت ہوگی کہ ایک وقت آئے گا کہ شیطان بھی سر اٹھا کر دیکھے گا کہ شاید میری بھی مغفرت ہو جائے ، اگر شیطان کو بھی امید لگ سکتی ہے تو پھر کلمہ والوں کے تو مزے ہوں گے، جو ایمان بچا کے دنیا سے چلے گئے، ان پر اللہ کی رحمت ہوگی اور اللہ کی رحمت سے سارے جنت میں چلے جائیں گے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب واقعہ لکھا ہے، فرماتے ہیں کہ سب لوگ جن پر اللہ کی رحمت ہوگی جنت میں چلے جائیں گے، پھر اللہ انبیاء علیہم السلام کو شفاعت کی اجازت دیں گے، لوگ جنت چلے جائیں گے، پھر علماء، شہداء، صلحاء اور عام جنتی بھی شفاعت کریں گے، حتی کہ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا سارے کے سارے بالآخر جہنم سے نکال کے جنت میں ڈال دیئے جائیں گے اس کے بعد وہ جہنمی رہ جائیں گے جو یا تو مشرک، کافر اور منافق ہوں گے یا ایسے ہوں گے کہ جن کے دل میں ذرے سے بھی تھوڑا ایمان تھا، وہ لوگ جہنم میں رہ جائیں گے، وہ آگ میں جلتے رہیں گے، جب اللہ تعالیٰ چاہیں گے یا اللہ کی رحمت جب جوش میں آئے گی اللہ تعالیٰ ان جہنمیوں میں اور جو مشرک کافر ہوں گے ان کے درمیان کی آگ کو اللہ تعالیٰ شیشے کی طرح Transparent (آر پار دکھائی دے سکنے والا) بنا دیں گے، وہ ایک دوسرے کو دیکھیں گے، تو مشرک ان کو طعنہ دیں گے کہ ہم تو تھے ہی بتوں کو پوجنے والے، ہم تو تھے ہی ایمان نہ لانے والے، ہم تو تھے ہی ایمان سے محروم لوگ، ارے تم تو اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے تھے، تم بھی یہیں ہمارے ساتھ اس آگ میں جل رہے ہو، جب مشرک طعنہ دیں گے، تو وہ جہنمی روئیں گے، اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید جاننے والے ہیں، مگر جبرئیل علیہ السلام کو بھیجیں گے کہ جبرئیل! جاؤ دیکھو جہنمی کیوں رو رہے ہیں، جہنمی کہیں گے اللہ! اب تو

مشرکوں نے بھی طعنے دینے شروع کردئے کہ تم بھی اسی آگ میں ہو جس آگ میں ہم جل رہے ہیں، اللہ تعالی فرمائیں گے: جبرئیل! میرے ان بندوں کو نکال لو جن کو کافر مشرک طعنے دیتے ہیں، ان کو جہنم سے نکالا جائے گا، ان کے جسم جلنے کی وجہ سے سیاہ ہو چکے ہوں گے، ان کو ایک جگہ پر لے جایا جائے گا اور کہا جائے گا: ''اِغْتَسِلْ فِي هٰذَا الْغَدِيْرِ '' اس تالاب کے اندر تم غسل کرلو، وہاں آبِ حیات ہوگا، چنانچہ جب اس میں غسل کریں گے تو دوبارہ صحیح شکلوں میں آجائیں گے، پھر اللہ تعالی اپنی رحمت سے ان کو جنت میں داخل کریں گے، مگر ان کے ماتھے پہ ایک مہر لگادی جائے گی: ''عتقاءُ الرحمٰن'' یہ رحمٰن کی رحمت کی وجہ سے بخشے گئے، یعنی یوں سمجھیں کہ یہ رعایتی پاس لوگ ہیں، حقیقت میں تو فیل تھے، مگر ممتحن نے رعایتی نمبر دے کے ''مترقی'' پاس کردیا، ان کو جنت بھیجیں گے، جب وہ جنت میں آئیں گے، رہنا شروع کریں گے، امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جنتی ان سے مزاق کریں گے کہ دیکھو ہم تو اللہ کی رحمت سے پہلے جنت آگئے اور تم تو رعایتی پاس ہو، تم جہنم کے Through (وہاں سے ہوکر) ہوکر آئے ہو، جب جنتی مزاق کریں گے، تو ایک وقت آئے گا کہ وہ سارے عتقاءُ الرحمٰن جنت میں پھر اللہ سے فریاد کریں گے کہ میرے مولیٰ! جب آپ نے جنت میں داخل کرہی دیا، تو یہ مہر کیا لگادی، اس کو تو ہٹا دیجئے، پھر اللہ رب العزت اپنی رحمت سے وہ مہر ہٹا دیں گے، اور وہ جنتیوں کے ساتھ مل کر جنت کی زندگی گزاریں گے، امام غزالیؒ یہ حدیث مبارک لکھنے کے بعد فرماتے ہیں: کاش! مجھے بھی قیامت کے دن عتقاءُ الرحمٰن میں شامل کرلیا جاتا، کاش کہ مجھے بھی قیامت کے دن ان رعایتی پاس لوگوں میں شامل کرلیا جاتا، تاکہ میں بھی اللہ کی رحمت سے جنت میں چلا جاتا۔ دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہم پر رحمت فرمائے اور ہمیں اپنے بخشش کئے ہوئے گنہگاروں کی قطار میں شامل فرمائے۔

وآخر دعوانا أنِ الحمد للهِ ربِّ العالمين

❁❁❁

آئندہ صفحات سے جو خطاب پیش کیا جارہا ہے، وہ بنگلور کی عید گاہ قدوس، حج کیمپ کے میدان میں ۲۱/اپریل ۲۰۱۱ء بروز جمعرات، بعد نماز مغرب ہوا تھا، مغرب کے بعد گھنگھور گھٹا کے ساتھ پہلے دھیرے پھر تیز بارش شروع ہوگئی، منتظمین پریشان، مجمع پر بھی بے چینی کی لہریں دوڑنے لگیں، بارش تھی کہ تھمنے کا نام نہیں لے رہی تھی، لگ یہ رہا تھا کہ پروگرام نہیں ہو پائے گا، ایک کپڑے کے شامیانے کے نیچے مجمع بھیگ رہا تھا، مگر حضرت والا تشریف لائے، تیز بارش کے دوران بیان ہوا اور مجمع بھیگنے کے باوجود پُر سکون پورا بیان سنتا رہا۔ حاضرین کی تعداد ۸۰ ہزار سے ایک لاکھ بتائی گئی ہے۔

اِتباعِ سنت میں ہی کامیابی ہے

الحمدللہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی
اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۔ وقال اللہ تعالی فی مقام آخر: قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ
سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون و سلام علی المرسلین و الحمدللہ رب العالمین
اللھم صل علی سیدنا محمد و علی اٰل سیدنا محمد و بارک و سلم
اللھم صلِّ علی سیدنا محمد و علی اٰل سیدنا محمد و بارک و سلم
اللھم صل علی سیدنا محمد و علی اٰل سیدنا محمد و بارک و سلم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تمام انسانوں کے لئے نمونہ

جب ہم باجماعت نماز پڑھتے ہیں تو ایک امام ہوتے ہیں اور باقی مقتدی ہوتے ہیں، مقتدیوں کے اوپر لازم ہوتا ہے کہ امام کی اقتداء کریں، اگر کوئی مقتدی امام کی اقتداء نہ کرے تو اس کی نماز صحیح نہ ہوگی، جس طرح نماز میں ایک امام ہے، اسی طرح ہماری پوری زندگی کے امام سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، ہمارا یہ فرض منصبی ہے کہ ہر کام ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے مطابق کریں، کھانا پینا پہننا اوڑھنا، معاشرت، معیشت، ہر چیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے

طریقے کے مطابق ہو، یہ ہر مسلمان کے اوپر لازم ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِی'' تمہارے اوپر میری سنت کی اتباع لازم ہے، آپ نے دیکھا ہوگا کہ شادی کے موقع پر دلہن کو سجاتے ہیں، وہ یہ سمجھتی ہے کہ اگر میری انگلیوں میں انگوٹھی پہنادی گئی تو انگلیاں خوبصورت بن جائیں گی، اگر بازوؤں میں چوڑیاں ڈال دی گئیں تو بازو خوبصورت بن جائیں گے، اگر گلے میں لاکٹ ڈال دیا گیا تو میرا گلا خوبصورت بن جائے گا اور اگر میرے کانوں میں بالیاں ڈال دی گئیں تو میرے کان خوبصورت ہوجائیں گے، غرض دلہن کا یہ خیال ہوتا ہے کہ جس عضو کو زیور سے سجادیا جائے گا وہ میرے خاوند کی نظر میں خوبصورت بن جائے گا۔ ہو بہو یہی مثال ہے کہ مومن اپنے جس عضو کو سنت کے مطابق ڈھالتا جاتا ہے، اس کا وہ عضو اللہ رب العزت کی نظر میں خوبصورت بنتا چلا جاتا ہے، حتی کہ اگر وہ سر کے بالوں سے لے کے پاؤں کے ناخنوں تک اپنے آپ کو سنت کے مطابق بنالے تو سجے ہوئے انسان کی طرح وہ اللہ کی نظر میں پیارا ہوجاتا ہے، ارشاد فرمایا: ''قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ'' اے میرے محبوب! فرمادیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو، ''فَاتَّبِعُوْنِیْ تم میری اتباع کرو ''یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ'' اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ رب العزت تم سے محبت فرمائیں گے، تم اللہ رب العزت کے محبوب بن جاؤ گے۔

کامیابی کا مدار سنت کی اتباع پر ہے

جس شخص نے سنت کو اپنایا اس نے نجات پائی، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ''اَلسُّنَّةَ مِثْلُ سَفِيْنَةِ نوح علیہ السلام'' کہ نبی ﷺ کی سنت نوح علیہ السلام کی کشتی کے مانند ہے ''مَنْ رَكِبَهَا نَجَا'' جو اس کشتی پر سوار ہوگیا وہ نجات پا گیا ''وَمَنْ تَخَلّٰى عَنْهُ غَرِقَ'' اور جو اس کشتی سے پیچھے رہ گیا وہ دنیا کے طوفانوں کے اندر غرق ہوگا۔ ایک حدیث مبارک میں ہے، نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مَنْ حَفِظَ سُنَّتِي أَكْرَمَهُمُ اللّٰهُ بِأَرْبَعِ خِصَالٍ'' جو شخص میری سنت کا اکرام کرتا ہے، اس کی عزت کرتا ہے، اس پر عمل پیرا ہوتا ہے، اللہ تعالی چار طریقوں سے

اس بندے کا اکرام فرماتے ہیں، ایک ''اَلْمَحَبَّۃُ فِی قُلُوْبِ الْبَرَرَۃِ'' نیک لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ اس بندے کی محبت ڈال دیتے ہیں۔ دوسری بات ''وَالْھَیْبَۃُ فِی قُلُوْبِ الْفَجَرَۃِ'' جو فاسق وفاجر ہوتے ہیں ان کے دلوں میں اللہ ان کا رعب بیٹھا دیتے ہیں ''والسَّعَۃُ فِی الرِّزْقِ'' اللہ اس کا رزق کھلا فرمادیتے ہیں، رزق میں کشادگی عطا فرمادیتے ہیں۔ اور چوتھی چیز: ''وَالثِّقَۃُ فِی الدِّیْنِ'' اللہ دین میں اس بندے کو مضبوط کر دیتے ہیں، تو معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت انسان کے لئے فلاح پانے کا ذریعہ ہے۔

سید الطائفہ شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: ''أَسَاسُ الْخَیْرِ مُتَابَعَۃُ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فِی قَوْلِہٖ وَفِعْلِہٖ'' کہ خیر کی بنیاد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قول میں اور فعل میں اتباع ہے۔ شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ فتح القدیر میں لکھتے ہیں: ''مَنْ تَھَاوَنَ بِسُنَّۃٍ عُوْقِبَ بِحِرْمَانِ الْفَرَائِضِ'' جو شخص سنت کا اہتمام نہیں کرتا، اس کو ہلکا سمجھتا ہے، اس کا وبال یہ ہوتا ہے کہ اس بندے کو فرائض سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مَنْ أَحَبَّ سُنَّتِیْ فَقَدْ أَحَبَّنِیْ'' جسنے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی ''وَمَنْ أَحَبَّنِیْ کَانَ مَعِیَ فِی الْجَنَّۃِ'' اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ ایک حدیث پاک میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مَنْ تَمَسَّکَ بِسُنَّتِیْ عِنْدَ فَسَادِ أُمَّتِیْ فَلَہٗ أَجْرُ مِائَۃِ شَھِیْدٍ'' کہ جو میری سنت کا اس وقت التزام کرے جب کہ سنت کی طرف سے بے توجہی کی جارہی ہو، اس کو چھوڑا جارہا ہو تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس بندے کو ایک سو شہیدوں کا ثواب عطا کیا جائے گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تَرَکْتُ فِیْکُمْ أَمْرَیْنِ'' میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں ''لَنْ تَضِلُّوْا اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا'' تم ہرگز گمراہ نہیں ہوگے اگر تم ان دونوں کو پکڑے رہو گے ''کِتَابَ اللّٰہِ وَسُنَّۃَ نَبِیِّہٖ'' ایک اللہ تعالیٰ کی کتاب اور دوسرا اس کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی اتباع کرنا، اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم سنت کی پیروی کریں اور زندگی کو سنت سے مزین کریں، اپنے ظاہر کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت سے مزین کریں اور اپنے

باطن کو اللہ رب العزت کی معرفت سے منور کریں۔

اعمال کی قبولیت کا معیار اتباع سنت ہے

عام طور پر اگر کوئی Model (نمونہ) ہو تو پھر اس کو اپنانا آسان ہوتا ہے، اللہ رب العزت نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیج کر اتمامِ حجت فرمادی کہ میرے بندو! میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے درمیان زندگی گذار چکے، اب ان کی ایک ایک بات محفوظ ہے، تم ہر عمل ان کے مطابق اگر کرلو گے تو قیامت کے دن میری نگاہ میں تم محبوب ہوگے، پیارے ہوگے، اس لئے کہ ''اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ یُحِبُّ مُطِیْعٌ'' محب جس سے محبت کرتا ہے اس کا مطیع ہوتا ہے، تو تم اگر میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کے دعویدار ہو تو تمہیں چاہئے کہ تم ان کی سنت کی پیروی کرو۔ آپ نے تجربہ کیا ہوگا کہ جب کوئی چیز Market (بازار) میں آتی ہے تو اس کے اوپر حکومت کے متعلقہ محکمے کی مہر لگی ہوئی ہوتی ہے، کوئی بھی فوڈ آئٹم کھانے پینے کی چیزیں تو گورنمنٹ اس پر مہر لگادیتی ہے کہ تمام قوانین کے مطابق یہ کھانا تیار کیا گیا ہے، اب مہر لگے ہوئے اس فوڈ کی کچھ اور قیمت ہوتی ہے، اگر کوئی ایسا فوڈ آجائے کہ جس پر رجسٹرڈ ہونے کی مہر نہیں لگی ہوئی ہے تو اس کو تو اول دوکاندار ہی نہیں رکھتے اور اگر رکھ بھی دے تو گاہک اس کو نہیں خریدتا۔ بالکل قیامت کے دن یہی ہوگا، اللہ رب العزت کے فرشتے متعین ہوں گے، انسان کا نامۂ اعمال پیش کیا جائے گا، جس عمل پر سنت کی مہر لگی ہوگی اس کو Approve (منظور) کرلیا جائے گا، قبول کرلیا جائے گا اور جس پر سنت کی مہر نہیں ہوگی اس کو رد کردیا جائے گا، کہہ دیا جائے گا کہ آج کے دن میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہی کو قبول کیا جائے گا۔

آپ اگر درزی کے پاس جائیں کہ یہ میرا ایک کپڑا ہے، کرتا ہے، مجھے اس کے بالمطابق آپ ایک اور کرتا بنا کے دے دیں، تو آپ جب وصول کرنے جاتے ہیں تو پہلے کرتے کے بالکل مطابق اس کی پیمائش دیکھتے ہیں، لمبائی بھی، چوڑائی بھی، ڈیزائن بھی، اگر کوئی بھی چیز اس سے ذرا بھی مختلف ہو تو آپ درزی کو کہتے ہیں کہ جناب جب میں نے آپ

کو ماڈل دیا تھا تو تم نے کیوں اس کے مطابق نہ بنایا؟ قیامت کے دن یہی ہوگا، اللہ رب العزت ارشاد فرمائیں گے: میرے بندو! میں نے تمہارے درمیان ایک نمونہ بھیج دیا تھا، اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا تھا، تمہیں چاہئے تھا کہ تم ہر کام ان کے طریقے کے مطابق کرتے، تو اب تمہارے اعمال قبول کر لئے جاتے۔ یاد رکھئے کہ اللہ رب العزت نے اپنے تک آنے کے تمام راستے بند کر دئے، سوائے اس راستے کے جس راستے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم چلے اور اللہ رب العزت تک پہنچے، جو بندہ چاہے کہ میں بھی اللہ رب العزت تک پہنچ جاؤں، اللہ سے واصل ہو جاؤں تو اس کو چاہئے کہ وہ بھی ہر ہر کام میں اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کو اپنائے۔

اس سنت کی اللہ کے یہاں اتنی اہمیت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ ان جادوگروں کا مقابلہ کیجئے، اللہ تعالی کا حکم ہوا: ''اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى'' آپ جائیے فرعون کے پاس وہ باغی طاغی بن گیا ہے، موسیٰ جاتے ہیں، وہاں جادوگروں سے مقابلہ ہوا، اللہ کی شان کہ جادوگروں نے ایمان قبول کر لیا تو موسیٰ حیران ہوئے کہ اے اللہ! آپ نے تو نام لے کر مجھے فرمایا تھا کہ جاؤ فرعون کے پاس وہ باغی طاغی بن گیا اور اب فرعون کو تو ہدایت نہ ملی، جادوگروں کو ہدایت مل گئی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانے میں جب دو پارٹیوں میں مقابلہ ہوتا اور بادشاہ کو کوئی مقابلہ دیکھنا ہوتا تھا تو ان کی ایک یونیفارم ہوا کرتی تھی، اب جب موسیٰ اور جادوگر آمنے سامنے آنے ہوئے تو وہاں کے جو افسر تھے انھوں نے کوشش کی کہ موسیٰ جادوگروں والا لباس پہنیں، وہ تو اللہ کے نبی تھے، انھوں نے انکار کر دیا، وہ بڑے حیران کہ کریں تو کیا کریں، چنانچہ انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ چلو یونیفارم تو ایک جیسی ہوگی، ہم جادوگروں کو ہی موسیٰ جیسا چوغا پہنا دیتے ہیں، چنانچہ انھوں نے موسیٰ جیسے کپڑے پہنا دئے، جب موسیٰ نے پوچھا: اللہ! فرعون کو ہدایت نہ ملی بلکہ جادوگروں کو مل گئی تو اللہ کریم نے فرمایا: اے میرے پیارے موسیٰ! جب میں ہدایت کا فیصلہ کرنے لگا تو میری رحمت نے اس چیز کو زیادہ پسند کیا کہ میں ان کو ہدایت پہلے دوں جو میرے ایک نبی سے مشابہت رکھتے ہیں۔ اب

سوچئے کہ وہ جادوگر جو اپنے شوق سے بھی نہیں بلکہ مجبور ہو کر مشابہت اختیار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو ان کی بھی مشابہت پسند آتی ہے تو جو لوگ اپنی محبت سے، چاہت سے، لگن سے، اور شوق سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعمال کو اپنائیں گے تو اللہ رب العزت کو کتنا وہ انسان پیارا لگے گا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت سے عشق

چنانچہ صحابہؓ کی زندگیوں کو دیکھئے تو ایک سے بڑھ کر ایک آپ کو سنت کا نمونہ نظر آئے گا، ان میں اتنی سنت کی اتباع تھی کہ باہر سے آنے والے کو پوچھنا پڑتا تھا: "مَن مِنکم محمد" "تم میں سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون ہیں؟ لباس میں، ظاہر میں، طور طریقے میں، گفتگو میں، اتنی مشابہت ہوا کرتی تھی، حتیٰ کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں جب مدینہ طیبہ حاضر ہوئے تو مدینہ طیبہ کے بڑے بوڑھے دانا بینا لوگ استقبال کے لئے آئے، مگر ان کو سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ان آنے والے مہمانوں میں آقا کون ہے غلام کون ہیں، ان میں اللہ کے نبی کون ہیں اور ان کی اتباع کرنے والے کون ہیں تو وہ دیکھتے رہے اور انھوں نے دونوں کو دیکھ کر بالآخر صدیق اکبرؓ کو آگے بڑھ کر سلام کیا، صدیق اکبرؓ نے سب کو سلام کرنا شروع کردیا، کیوں کہ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھکے ہوئے آرہے ہیں تو آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مزید تھکاوٹ نہ ہو، جب سلام ہو چکا تو بیٹھ گئے اور بادلوں میں سے سورج نکلا اور اس کی کرنوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخسار مبارک کے بوسے لئے، تب مدینہ کے لوگ یہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ جس کو انھوں نے پہلے سلام کئے وہ اٹھے اور انھوں نے اپنی چادر اپنے ساتھی کے اوپر ڈال کر یہ ثابت کردیا کہ آقا کون ہے اور غلام کون ہے، تابع کون ہے متبوع کون ہے، تب ان کو سمجھ میں آیا کہ واقعی انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس قدر مشابہت اختیار کی تھی، آپ یوں سمجھیں کہ نقل اصل کے اتنا مطابق بن گئی تھی کہ دیکھنے والوں کو نقل اور اصل میں فرق کرنا دشوار ہو گیا تھا۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ حبشہ کے رہنے والے ایمان لے آئے، اب اکثر ان کے دل

میں یہ شوق رہتا کہ یہ جو میرے سر پہ بال ہیں یہ چھوٹے ہیں اور گھنگھریالے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح میں سر پہ مانگ نہیں نکال سکتا، کاش کہ میرے بال ایسے ہوتے کہ میں بھی مانگ نکال سکتا، مجھے اور بھی مشابہت ہو جاتی، یہ ان کے دل میں ایک تمنا تھی جو چٹکیاں لیتی تھی، سردی کا موسم تھا، ایک دن انگیٹھی جل رہی تھی اور وہ ایک لوہے کی سلاخ سے انگاروں کو ذرا سیٹ کر رہے تھے، جب دیکھا کہ یہ سلاخ گرم ہوگئی تو پتہ نہیں ان کے اوپر محبت کا کیا جذبہ آیا کہ انھوں نے اس سلاخ سے اپنے سر کے درمیان نشان لگالیا، گرم سلاخ تھی، جلد جل گئی، خیر جب اس پر مرہم لگائی گئی تو وہ ٹھیک تو ہوگئی، لیکن جلنے کی وجہ سے ایک لائن نظر آتی تھی، لوگوں نے کہا کہ آپ نے اپنے آپ کو کیوں تکلیف میں ڈالا؟ جواب دیا کہ وہ تکلیف تو ختم ہوگئی البتہ اس بات کی خوشی باقی ہے کہ اب میرا سر میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک سر کے ساتھ مشابہت پا چکا ہے۔ اندازہ کیجئے کہ کیا محبت تھی۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ کی طرف جا رہے ہیں، ایک جگہ جا کر رک گئے، نیچے اترے، قریب میں ایک درخت تھا، اس کی طرف گئے اور وہاں جا کر وہ اس طرح بیٹھے جیسے قضائے حاجت سے فارغ ہوتے ہیں، مگر فارغ نہیں ہوئے، ویسے ہی اٹھ کے آگئے اور سفر شروع کر دیا، تو ساتھ والوں نے پوچھا کہ حضرت! اگر آپ کو حاجت نہیں تھی تو آپ نے کیوں سفر کو روکا، خود بھی رکے دوسروں کو بھی روکا؟ عبداللہ بن عمرؓ نے جواب دیا کہ گو مجھے ضرورت نہ تھی، مگر ایک دفعہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سفر کیا، میں نے دیکھا کہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس جگہ پر رکے اور آپ سواری سے اترے، فارغ ہوئے، اب میں گذر رہا تھا تو میرے دل میں خیال آیا کہ میں بھی وہی عمل کروں جو میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا تو میں گیا اور تھوڑی دیر بیٹھ کے واپس آگیا، میرا ٹائم تو لگ گیا، مگر مجھے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک یاد کو تازہ کرنے کا ایک موقع نصیب ہوگیا۔ اس سے اندازہ لگتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کس قدر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کے شیدائی تھے۔

وہی سمجھا جائے گا شیدائے جمال مصطفی
جس کا حال حالِ مصطفی ہو قال قالِ مصطفی

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا حال دیکھئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب غار حراء سے آئے تو اس وقت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ کیا محسوس کرتے ہیں؟ فرمایا: ''خشیتُ علی نفسی'' فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے، تو خدیجہؓ نے فرمایا: ''کلَّا'' ہرگز نہیں ''اِنَّک لتَصِل الرحم'' آپ تو صلہ رحمی کرنے والے ہیں ''وتکسِب المعدوم وتقرِی الضیف وتُعین علی نوائبِ الحق'' تو انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ صفات گنوائیں، حیرت کی بات ہے کہ بعد کے زمانے میں ایک مرتبہ صدیق اکبرؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لی کہ میں حبشہ کی طرف ہجرت کر کے جاتا ہوں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی، صدیقؓ اکبر گئے، راستے میں تھے کہ ایک کافر نے دیکھا تو اس نے کہا: ابوبکر! کیوں جارہے ہو مکہ سے؟ فرمایا کہ مکہ کے لوگ رہنے نہیں دیتے، اس نے کہا آپ جیسے اچھے آدمی کیوں مکہ چھوڑ کے جائیں: ''انک لتصل الرحم'' جو صفات خدیجۃ الکبریٰؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گنوائی تھیں ہو بہو وہی صفات انھیں الفاظ میں ایک کافر نے صدیق اکبرؓ کی گنوائیں، اس قدر کامل مشابہت تھی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے عاشق حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ ایران کی طرف آتے ہیں، دسترخوان پہ کھانا کھاتے ہوئے لقمہ گر گیا، اب سنت یہ ہے کہ دسترخوان پر لقمہ اگر گر جائے تو اسے اٹھا کے کھالو، پاک صاف ہوتا ہے، چنانچہ انھوں نے کھالیا، قریب والے نے کہا جناب! یہاں کے امراء موجود ہیں اور یہ اس چیز کو اچھا نہیں سمجھتے، یہ معیوب سمجھتے ہیں تو حذیفہؓ نے عاشقانہ جواب دیا، فرمایا: ''أأترک سنۃَ حبیبی لھٰؤلاء الحمقاء'' ان احمقوں کی خاطر میں اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو چھوڑ دوں گا؟ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی نظر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی کیا قیمت ہوا کرتی تھی۔

سلف صالحین کے یہاں سنت کا اہتمام

ہمارے سلف صالحین کی زندگیوں کو آپ پڑھ کے دیکھ لیجئے آپ کو یہ مزاج ان سب میں مشترک نظر آئے گا، سارے کے سارے سنت کے شیدائی اور اس کے اوپر عمل کرنے والے اس کے مطابق زندگی گذارنے والے ملیں گے۔ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ایک محدث ہیں، امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شاگرد ہیں، ان کے جو چالیس فقہاء تھے جو مسائل کے استنباط میں ان کے معاون بنتے تھے، یہ ان میں سے ایک ہیں، ان کی زندگی اتنی سنت کے مطابق تھی کہ ان کے ایک ہم جماعت ہمدرس اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ تھے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مبارک کی زندگی کو کئی سال قریب سے دیکھا اور میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ عبداللہ بن مبارکؒ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی میں صرف ایک فرق تھا، وہ یہ کہ صحابہؓ کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار کا شرف حاصل تھا، یہ شرف عبداللہ بن مبارک کو حاصل نہیں تھا، اس کے علاوہ ان کی زندگی اور صحابہؓ کی زندگی میں مجھے کوئی فرق نظر نہیں آتا تھا۔ یہ کتنی عظیم بات ہے کہ ساتھ رہنے والا گواہی دے۔ واقعی ہمارے اکابر اس قدر سنت کا اہتمام کرنے والے تھے۔

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک سالک آیا اور نو دس سال رہا، ایک دن کہنے لگا حضرت میں جاتا ہوں، پوچھا کیوں جاتے ہو؟ کہا حضرت! میں تو آیا تھا کہ کوئی کرامت دیکھتا اور میں نے تو دس سال میں کوئی کرامت ہی نہیں دیکھی، تو پوچھا کہ یہ بتاؤ کہ ان دس سالوں میں تو نے کوئی عمل سنت کے خلاف دیکھا؟ کہنے لگا سنت کے خلاف تو کوئی عمل نہیں دیکھا، فرمایا کہ یہ سب کرامتوں سے بڑی کرامت ہے کہ انسان بے اختیار سنتوں کے مطابق زندگی گذارنے والا بن جائے، ہر عمل اس کا ایسا ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے مطابق ہو۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں مواجہ

شریف پر حاضری نصیب ہوئی تو فرماتے ہیں کہ جو لوگ متبع سنت ہوتے ہیں اور جن کو حدیث کا شوق ہوتا ہے تو میں نے دیکھا کہ نبی ﷺ کے مبارک قلب سے اس طرح نور کی کرنیں پھوٹتی ہیں جیسے سورج کی شعاعیں ہوتی ہیں اور وہ اس آنے والے بندے کے دل کے اوپر پڑ رہی ہوتی ہیں تو سنت کا اہتمام کرنے والا بارگاہ نبوی کے اندر مقبول انسان ہوتا ہے، اللہ رب العزت ایسے بندے کو بہت پسند فرماتے ہیں۔

ہمارے اکابر علماء دیوبند کی زندگیوں کو دیکھئے، ایک ایک سنت کا شیدائی نظر آئے گا، چنانچہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو فرنگی نے گرفتاری کا حکم سنا دیا، جب اطلاع ملی تو حضرت روپوش ہو گئے، تین دن کے بعد پھر باہر پھر رہے ہیں، کسی نے کہا کہ جناب! گرفتاری کا حکم ہے، جان کا بچانا فرض ہے، آپ باہر کیوں پھر رہے ہیں؟ تو حضرت نانوتویؒ نے جواب دیا کہ میں نے اپنے آقا ﷺ کی مبارک زندگی کو دیکھا تو مجھے نبی ﷺ پوری زندگی میں تین دن غار ثور کے اندر روپوش حالت میں ملے، پھر آپ باہر تشریف لائے، میں بھی تین دن روپوش رہا، اب باہر آ گیا ہوں، اگر کوئی پکڑ کر پھانسی بھی چڑھائے گا تو میں پھانسی کا پھندہ چوم کر جھول جاؤں گا، کیا محبت تھی ان کو نبی ﷺ کی مبارک سنتوں سے!!

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی آخری عمر میں موتیا بن آجانے کی وجہ سے، بینائی نہیں رہی تھی پھر بھی آپ پابندی کے ساتھ سرمہ لگاتے تھے، کسی نے کہا جناب! سرمہ تو لگاتے ہیں بینائی بڑھانے کے لئے، تیز کرنے کے لئے اور آپ کی تو بینائی ہے ہی نہیں؟ فرمایا کہ لوگ بینائی تیز کرنے کی نیت سے لگاتے ہوں گے، میں تو اپنے آقا کی سنت کی اتباع کی نیت سے سرمہ روز لگاتا ہوں، سنت کا اتنا اہتمام ان کی زندگیوں میں تھا۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ وتر کے بعد کی نفلیں بیٹھ کے پڑھتے تھے، اب عام مسئلہ تو یہی کہ کھڑے ہو کر پڑھنے کا ثواب دوگنا ہے اور بیٹھ کے پڑھنے کا ثواب آدھا، تو کسی طالب علم نے پوچھ لیا کہ حضرت! آپ تو ثواب کے بڑے حریص ہیں، ہر ایسا عمل کرتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ ثواب ملے، مگر نفل بیٹھ کے پڑھتے ہیں؟ تو فرمانے لگے کہ آدھا ثواب

مجھے زیادہ پسند ہے، مگر نبی ﷺ وتر کے بعد نفل بیٹھ کر پڑھتے تھے، میں عمل تو وہ کروں گا جو میرے آقا ﷺ نے کیا ہے۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ جب مدینہ طیبہ سے تشریف لائے تو اس وقت دارالعلوم دیوبند میں دارالحدیث کے بالکل سامنے ایک باغیچہ تھا، باغیچہ تو پھولوں کے لئے ہوتا ہے، حضرت نے فرمایا کہ یہاں کیکر کا درخت لگا دو، اب جس نے بھی دیکھا حیران ہوا کہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ پھولوں کا یہ باغ ہے اور اس میں کانٹوں والا کیکر کا درخت، اس سے کوئی فائدہ بھی عام بندے کو نظر نہیں آتا تو کسی طالب علم نے پوچھا کہ حضرت! آپ نے کیکر کا درخت لگوانے کا حکم دیا؟ فرمایا: ہاں، اس نے پوچھا کہ حضرت وجہ کیا ہے؟ تو فرمایا کہ میں نے کتابوں میں پڑھا کہ نبی ﷺ نے بیعت رضوان کیکر کے درخت کے نیچے لی تھی، میں نے یہ درخت اس لئے لگوایا کہ میں دارالحدیث میں آیا جایا کروں گا تو کیکر کا درخت دیکھ کے مجھے اپنے آقا کی یاد آجایا کرے گی۔

حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہاں باغ لگوایا تو اس میں اہتمام کے ساتھ گلاب کے پھول لگوائے، کسی نے کہہ دیا کہ حضرت! موتیا کے پھولوں کی خوشبو بڑی اچھی ہوتی ہے، فلاں پھول کی خوشبو بڑی اچھی ہوتی ہے، آپ گلاب کے پیچھے ہی پڑ گئے! فرمایا کہ نہیں، گلاب لگاؤ، فرمانے لگے کہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ میں نے کتابوں میں پڑھا ہے کہ نبی ﷺ کے مبارک پسینے سے جو خوشبو آتی تھی وہ گلاب کی خوشبو سے سب سے زیادہ قریب ملتی ہے، اس لئے میں گلاب کا پھول یہاں لگوانا چاہتا ہوں۔ سبحان اللہ! ہر کام میں نبی ﷺ ان کے سامنے رہتے تھے۔

مولانا یحیی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی ہیں، وہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی بندہ سنت کے مطابق پاخانہ کرلے گا اس کو اتنا ثواب ملے گا کہ خلاف سنت نفلیں پڑھنے پر بھی اس کو وہ ثواب نہیں مل سکتا، تو ہمارے اکابر علماء دیوبند کو اللہ رب العزت نے سنت کے اہتمام میں ایک امتیازی شان عطا فرمائی تھی۔ اور بالکل یہی معاملہ تھا ہمارے اسلاف اکابر مشائخ نقشبند کا بھی، وہ بھی ایک ایک عمل میں سنت کی رعایت کرتے تھے،

چنانچہ مشائخ نقشبند نے اپنی کتابوں میں لکھا کہ لوگ تو مجاہدے کے ذریعہ سلوک کو طے کرانا چاہتے ہیں، ہم سنت کے اہتمام کے ذریعہ سلوک کو طے کرواتے ہیں۔ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی سنت کے اہتمام کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ دانت میں درد تھا، تو حضرت نے ایک سالک کو کہا کہ کچھ لونگ لے کے آؤ، اس زمانے میں لونگ ہی علاج ہوتا تھا، اس کا تیل ذرا درد کو کم کر دیتا تھا، جب وہ لے کر آیا تو آپ نے اپنے ہاتھ پر رکھ کر دیکھا تو وہ لونگ چار تھے، یا چھ تھے، طاق عدد نہیں تھے، تو آپ نے فرمایا کہ دیکھو یہ صوفی بنا پھرتا ہے اور اس کو اتنا بھی پتہ نہیں کہ" اللہ وتر ویحب الوتر "اللہ تعالی طاق ہیں اور طاق عدد کو پسند کرتے ہیں، مقصد یہ تھا کہ اس کو ان لونگ کے لانے میں بھی طاق عدد کی رعایت کرنی چاہئے تھی، اللہ اکبر کبیرا۔ اتنے چھوٹے سے کام میں بھی سنت کا اہتمام تھا۔ ان کے مکتوبات کو پڑھیں تو سنت کی جو عظمت پیدا ہوتی ہے وہ بیان سے باہر ہے۔ ذرا سنئے اپنے مشائخ کی اتباعِ سنت کے بارے میں امام ربانی مجدد الف ثانیؒ ایک بات فرماتے ہیں، علماء اور طلبہ توجہ کے ساتھ سنیں اور اس کے مزے لیں کہ سنت کی کیا وقعت انھوں نے سمجھائی، فرماتے ہیں: "ہمارے اکابر شرع شریف کے نفیس موتیوں کو بچوں کے مانند وجد و حال کے جوز و مویز کے بدلے نہیں دیتے۔" یعنی احکام شریعت کو نفیس موتیوں سے تشبیہ دی تا کہ سالک کے دل میں شریعت کی عظمت آئے۔ جوز و مویز کہتے ہیں منقا اور اخروٹ کو، یعنی بچے ہیرا موتی دے دیں گے اور اس کے بدلے اخروٹ لے لیں گے، فرمایا کہ یہ تو بچوں کا کام ہوتا ہے، تو یہ جو وجد و حال ہے یہ اخروٹ منقا ہے اور شرع شریف کے احکام نفیس موتیوں کے مانند ہیں، عبارت کا زور دیکھئے کہ کتنی قوت کے ساتھ انھوں نے یہ بات کہی کہ" ہمارے اکابر شرع شریف کے نفیس موتیوں کو بچوں کے مانند وجد و حال کے جوز و مویز کے بدلے نہیں دیتے "پھر فرماتے ہیں: "نص سے فص کی طرف مائل نہیں ہوتے۔" فص سے مراد تصوف کی کتاب "فصوص الحِکَم" "فتوحات مدنیہ سے فتوحات مکیہ کی طرف التفات ہی نہیں کرتے۔"

فتوحات مکیہ“ یہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی تصوف کی کتاب ہے اور فتوحات مدنیہ سے حدیث پاک مراد ہے۔ آپ اندازہ لگائیے کہ کس قدر سنت کا اہتمام انھوں نے سمجھایا کہ ہمیں ایک ایک کام سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق کرنا چاہئے۔

مرزا بیدل نے ایک شعر لکھا، وہ شعر ایک ایرانی شیخ کو اچھے لگے، انھوں نے دل میں فیصلہ کیا کہ میں جاؤں گا اور مرزا بیدل سے ملوں گا، جب وہ آئے تو مرزا بیدل ایک حجام کے پاس بیٹھے تھے اور وہ اپنی ریش کٹوا رہے تھے، جب اس ایرانی شیخ نے دیکھا تو اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی، ایک آہ کھینچی، جب اس نے دیکھ کے آہ کھینچی تو مرزا بیدل نے کہا کہ آپ آہ کیوں کھینچتے ہیں ”ریش می خراشم دلِ کسے نمی خراشم“ میں اپنی داڑھی کو کاٹ رہا ہوں، کسی کے دل کو ایذاء نہیں پہنچا رہا ہوں، تو انھوں نے جواب میں کہا: ”بلے! دلِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم می خراشی“ تو عام بندے کا دل نہیں دکھا رہا، تو آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دل کو دکھا رہا ہے، تو سید القلوب کو دکھا رہا ہے، جب انھوں نے یہ بات کہی تو مرزا بیدل کے دل پہ چوٹ لگی اس نے کہا:

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی

مرا باجان جاں ہمراز کردی

ہمارے مشائخ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کا اتنا اہتمام تھا کہ ایک ایک سنت کے اوپر وہ اپنے آپ کو قربان کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک بزرگ تھے جن کا معمول یہ تھا کہ ایک لاکھ مرتبہ درود شریف پڑھ کر کچھ عرصے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تحفہ بھیجا کرتے تھے، پھر ایک لاکھ درود شریف پڑھ کر پھر تحفہ بھیجا کرتے تھے، ان کی زندگی کا یہ معمول تھا کہ لاکھوں مرتبہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درود و سلام کا تحفہ بھیجا، ان کو ایک مرتبہ خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ کا سینۂ انور گریبان کھلا تھا اور کچھ داغ تھے جیسے زخم کے ہوتے ہیں تو میں دیکھ کر ذرا حیران ہوا، قریب

ہوکر میں نے کہا: اے آقا ﷺ! مجھے آپ کا سینہ چھلنی نظر آتا ہے، زخم کے نشان نظر آتے ہیں، خیریت تو ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ہاں جو لوگ میری سنت کو چیرتے ہیں وہ میرے سینے پہ زخم لگاتے ہیں، میں نے کہا: اے آقا ﷺ! یہ کفار ہیں زندگی بھر جنھوں نے آپ کو تکلیف پہنچائی، اب بھی وہ تکلیف پہنچانے والے کام کرتے ہیں، نبی ﷺ نے فرمایا: میں کفار کی بات نہیں کر رہا، مجھے میرے رشتہ داروں نے تکلیفیں پہنچائی، میں سجدے میں گیا تو اوجھڑی اوپر ڈال دی گئی، میں گلی میں چلتا تھا تو لوگ میری طرف دیکھ کر بسا اوقات تھوکا کرتے تھے، میرے چہرے پہ مٹی پھینکا کرتے تھے، مجھے ان سے کوئی گلہ نہیں، اس لئے کہ وہ تو کفار تھے، گلہ تو مجھے ان سے ہے جو کلمہ پڑھتے ہیں، مجھے اپنا آقا اور سردار مانتے ہیں اور جب عمل کا وقت آتا ہے وہ میری سنتوں کو ذبح کر دیتے ہیں، ان کو احساس ہی نہیں ہوتا، ان کی وجہ سے آج میرا سینہ زخمی ہے، غیروں سے گلہ نہیں ہوتا، گلہ اپنوں سے ہوا کرتا ہے، فرمایا: مجھے اپنی امت سے گلہ ہے، اس لئے کہ یہ ماننے والے لوگ تھے، جب انھوں نے میری سنت کا اہتمام نہ کیا تو غیروں سے کیا امید کی جاسکتی ہے، نبی ﷺ نے جب یہ بات فرمائی تو ان بزرگ کی آنکھوں میں آنسو آگئے فرمایا:

تم تو غیروں کی بات کرتے ہو ہم نے اپنے بھی آزمائے ہیں
لوگ کانٹوں سے بچ نکلتے ہیں ہم نے پھولوں سے زخم کھائے ہیں

میرے آقا ﷺ خواب کے اندر غم زدہ حالت میں ہیں کہ مجھے اپنی امت کی وجہ سے غم ہے، جو کلمہ پڑھنے والے صبح اٹھتے ہیں، چہرے سے سنت کو ہٹا کر اس کو گٹر کے اندر ڈال دیتے ہیں، کھانے کی سنت کا اہتمام نہیں، پینے کی سنت کا اہتمام نہیں، گھر کے اندر دس روپے کا اگر کوئی بلب ٹوٹ جائے تو ماں بچے کو تھپڑ لگا دیتی ہے، وہی بچہ میری سنت کو توڑ دیتا ہے ماں کے سر پر جوں نہیں رینگتی، وہ ٹس سے مس نہیں ہوتا، اس کا باپ کوئی نوٹس نہیں لیتا، تو معلوم ہوتا ہے کہ میری سنت ان کی نظر میں ایک روپے کے برابر بھی اہمیت نہیں رکھتی، یہ میرے وہ امتی ہیں جو میری شفاعت کی ہر وقت دل کے اندر حسرتیں رکھتے ہیں، لیکن میری سنت کا مزاق

اڑاتے ہیں اور پھر اور بھی زیادہ دیکھئے کچھ تو وہ لوگ ہیں جنھوں نے انگریزی تعلیم پا کر دنیا داری کا راستہ اختیار کر لیا، اللہ کے حبیب ﷺ کو زیادہ تکلیف تو ان سے پہنچتی ہے جو طالب علم بھی کہلائے، گھروں کو چھوڑ کر مدرسے میں بھی آ گئے، یہ لوگ جو کل میرے وارث بننے کے امیدوار ہیں، یہ بھی مری سنتوں کا اتنا اہتمام نہیں کرتے جتنا کرنا چاہئے تھا، مجھے ان سے زیادہ تکلیف پہنچتی ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ ہم جتنے بھی اعمال کرتے ہیں قیامت کے دن اللہ کے حبیب ﷺ اس پر گواہ بنیں گے، قرآن کی آیت سے یہ ثابت ہے، وہ ایسے کہ ہفتہ میں جتنے ہم اعمال کرتے ہیں یہ اعمال جمعرات کے دن نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں، ذرا غور کیجئے آقا ﷺ جب ہم مسلمانوں کے اعمال کو دیکھتے ہونگے، ہمارے گھروں کی زندگی کو دیکھتے ہوں گے تو آقا ﷺ کو کتنی تکلیف ہوتی ہوگی کہ یہ میرے وہ امتی ہیں جن کی خاطر میں رات کو سجدے میں پڑ کر امتی امتی کہہ کے اللہ سے دعائیں مانگا کرتا تھا، میں اتنے لمبے سجدے کرتا تھا کہ میری عائشہ اٹھ کر میرے پاؤں کے تلوے دیکھتی تھی کہ میرے آقا ﷺ کی روح تو پرواز نہیں کر گئی، میں اللہ سے ایک ہی دعا مانگتا تھا: یارب امتی، اے اللہ! امت کا حساب آسان کر دینا، میں کبھی اپنی بیٹیوں کے لئے نہ رویا، کبھی میں اپنی زینب کہہ کے نہ رویا، رقیہ کہہ کے نہ رویا، ام کلثوم کہہ کے نہ رویا، میں فاطمہ کہہ کے نہ رویا، اگر میں کبھی رویا تو اپنی امت کے لئے رویا۔ لوگو! دنیا میں اگر کوئی اپنی اولاد کے لئے ایک سال یا دو سال روتا ہے، تو پھر ماں بھی اپنے جوان بچے کو بھول جاتی ہے، مگر میں تو اپنی امت کے لئے کئی سال روتا رہا، کوئی ماں باپ ۲۳ سال نہیں روتے، میں تہجد میں اتنا کھڑا ہوتا تھا "حتی تورمت قدماہ" قدمین مبارک متورم ہو جاتے تھے، اور اللہ سے دامن پھیلا کے ایک ہی دعا مانگتا تھا کہ اللہ! میری امت کی بخشش کر دینا۔ لیکن میری امت نے میرے آنسوؤں کی قدر نہ کی، وہ تو خود اپنے ہاتھوں سے میری سنتوں کو مٹانے والے بن گئے اور میری سنتوں کو توڑنے والے بن گئے۔

ذرا ان کے گھروں کو دیکھو تو آج میری سنتوں کی مذبح گاہیں بن چکی ہیں، جب شادی کا موقع ہوتا ہے ہر ایک کو منا لیتے ہیں، رشتہ دار ناراض ہو، جا کر منا لاتے ہیں، قریب میں ہمسایہ ہو اس کو بھی منا لیا جاتا ہے، گھر کا ڈرائیور ناراض ہو اس کو بھی منا لیا جاتا ہے، گھر میں کام کرنے والی خادمہ ناراض ہو اس کو بھی پیغام بھیج دیتے ہیں کہ شادی کا موقع ہے سب کو بلا لینا چاہئے، کوئی بات نہیں ہم سوری کر دیتے ہیں، سب ناراض لوگوں کو منا کے گھر بلا لیا جاتا ہے، جب شادی کا وقت آتا ہے تو میری سنت کو گھر سے نکال دیا جاتا ہے، ان کی نظر میں میری سنت کی کوئی اہمیت نہیں، کیوں یہ مجھے نہیں منانا چاہتے؟ کیوں یہ مجھے خوش نہیں کرنا چاہتے؟ تو واقعی اللہ کے حبیب ﷺ نے اگر قیامت کے دن ہم سے پوچھ لیا کہ میرے امتی! تو نے میری سنت کی کیا قدر کی؟ ہم کیا جواب دیں گے؟

احادیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ حوض کوثر کے اوپر ہوں گے، اس وقت کچھ امتی آئیں گے لیکن ان کو اس طرح دور بھگا دیا جائے گا جیسے اونٹ کو ہنکا دیا جاتا ہے، کہہ دیا جائے گا اے اللہ کے حبیب ﷺ یہ آپ کے امتی تو تھے لیکن سنتوں کو توڑ کے خوش ہوتے تھے، غیروں کے رسم ورواج پہ عمل کرنے والے، غیروں کے طریقوں کو اپنانے والے، ''سحقا سحقا'' چلے جاؤ یہاں سے، دور ہو جاؤ یہاں سے، اللہ کے حبیب ﷺ اس وقت ایک آنکھ ادھر نہیں دیکھیں گے، کیونکہ تم نے تو میری سنت کا اہتمام نہ کیا، اگر قیامت کے دن ہم نبی ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے کہ اے اللہ کے حبیب ﷺ! ہماری شفاعت کر دیجئے اور نبی ﷺ نے جواب میں اتنا پوچھ لیا کہ بتاؤ تم نے زندگی میں میری سنتوں کو کتنا اپنایا تھا؟ تو اس وقت ہم کیا جواب دیں گے؟ اللہ کے حبیب ﷺ نے فرمادیا تم ایسے وقت میں پیدا ہوئے جب لوگ اپنی چیزوں کا تعارف کروا رہے تھے، جب تشہیر کا زمانہ تھا، ہر بندہ اپنے پروڈکٹ کو پوری دنیا کے اندر Advertise (تشہیر) کرنے کے چکر میں لگا ہوا تھا، لوگ تو اپنے پیتل اور تانبے کو بھی سونا بنا کے پیش کر رہے تھے، او میرے امتی! تمہارے ہاتھ میں تو میری سنتیں سونے کے مانند تھیں، بتاؤ تم نے میری سنتوں کا کتنا تعارف کروایا؟ لوگوں

نے موبائل فون جیسی چیز کو کچے اور پکے مکان میں پہنچا کے دکھا دیا، تم نے میری سنت کے لئے کیا قربانی دی؟ کتنی کوشش کی؟ تم نے کہاں تک میری سنت کو امت کے سامنے پیش کیا؟ ہم اس وقت کوئی جواب نہ دے پائیں گے کہ اے اللہ کے حبیب ﷺ ہم نے آپ کی سنتوں کے لئے کیوں نہ کوشش کی۔

نبی ﷺ عرفات کے میدان میں روئے امت کے لئے، منی کے اندر روئے امت کے لئے، مزدلفہ کے اندر روئے امت کے لئے، غلاف کعبہ کو پکڑ کے روئے امت کے لئے، نبی ﷺ اپنے گھر میں تہجد کے وقت مصلے پہ روئے امت کے لئے، جس محبوب ﷺ نے امت کے لئے اتنے آنسو بہائے، ہم اپنی زندگیوں کو دیکھیں کہ ہم آج ان کی سنتوں کا اہتمام نہیں کرتے جیسے کرنا چاہئے تھا، کسی نے کیا اچھی بات کہی:

کسی غم گسار کی محنتوں کا عجیب میں نے صلہ دیا
جسے میرے غم نے گھلا دیا، اسے میں نے جی سے بھلا دیا
میں تیرے مزار کی جالیوں کی محنتوں میں لگا رہا
تیرے دشمنوں نے تیرے چمن میں خزاں کا جال بچھا دیا
میرے مہرباں تیرا شکریہ بھلا کس زباں سے کروں ادا
میری زندگی کی اندھیری شب میں چراغ فکر جلا دیا

وہ آقا ﷺ جنھوں نے ہمیں زندگی گذارنے کا طریقہ سمجھایا، اللہ سے واصل ہونے کا طریقہ سمجھایا، آج اس محسن انسانیت کی سنتوں کا ہم اہتمام نہیں کرتے، ہم اپنے گھروں میں عورتوں بچوں کو دیکھیں کہ آج اگر کھانے کا طریقہ پسند ہے تو غیروں کا، لباس پسند ہے تو غیروں کا، گھر کی سجاوٹ دیکھیں تو غیروں جیسی، ہر چیز غیروں کی اگر پسند ہے تو قیامت کے دن حوض کوثر پہ نبی ﷺ کے سامنے پیش ہو کر ہم پھر کیا کہہ سکیں گے کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! ہماری شفاعت فرمائیے۔

ایک آٹھ سال کا بچہ اس نے جب یہ خواب سنا کہ ایک بزرگ لاکھ مرتبہ درود شریف پڑھ کر بھیجا کرتے تھے، انھوں نے خواب میں نبی ﷺ کے سینۂ انور کو چھلنی دیکھا تو اس بچے کے دل میں اتنا درد ہوا، گھر آ کے کہا: امی! آج کے بعد میں کھانا کھاؤں گا سنت کے مطابق، میں کپڑے پہنوں گا سنت کے مطابق، اگر سات سال کا بچہ سنت کا اتنا اہتمام کرتا ہے، قیامت کے دن کہا جائیگا او علماء کے گروہ، !او حفاظ اور قراء! ذرا بتاؤ تو سہی، سات سال کے بچے جیسی غیرت بھی تمہارے دل میں بیدار نہ ہوئی اور تم نے دل میں نیت نہ کی کہ ہم نبی علیہ السلام کے سینہ کو راحت پہنچائیں گے، ہم زخم پہ زخم نہیں لگائیں گے، سوچئے تو سہی قیامت کے دن ہم اپنے آقا ﷺ کو کیا جواب دیں گے؟ افسوس کی بات ہے کہ جن سے وفا کرنی تھی آج ہم ان سے جفا کر رہے ہیں، جن سے جفا کرنی تھی آج ان کے طریقوں کو اپناتے پھر رہے ہیں، پھر قیامت کے دن ہمارا کیا معاملہ ہوگا؟

ہم نے بہت سارے لوگوں کو دیکھا ہے کہ اپنے ماں باپ کا دل دکھاتے ہوئے جھجکتے ہیں کہ امی روٹھ جائے گی، ابو روٹھ جائیں گے، میں یہ کام کرنا پسند نہیں کرتا، وہی بندہ جو ماں اور باپ کے دل دکھنے کا اتنا خیال کرتا ہے جب سنت کا وقت آتا ہے بے دریغ سنت کو توڑ دیتا ہے، احساس تک نہیں ہوتا کہ اس سے میرے آقا ﷺ کا دل دکھے گا، میں نبی ﷺ کے دل کو خوشی پہنچانے کے بجائے ان کو تکلیف پہنچانے کا باعث بن جاؤں گا۔ لہٰذا آج وقت آ گیا ہے کہ ہم نبی ﷺ کی سنتوں کا اہتمام کرنے کا عہد کریں کہ آقا ﷺ! آپ کی ایک ایک سنت پر ہم عمل کریں گے اور نبی ﷺ کی سنتوں سے اپنے آپ کو مزین کریں گے۔

ذرا توجہ کیجئے گا! ایک بات مثال کے طور پر سمجھئے، کسی ماں کو بیٹے سے اتنی محبت ہوتی ہے کہ اگر اس کے ہاتھ میں اس کی تصویر ... دیا جائے کہ ذرا بچے کی تصویر آگ میں ڈال دو، ماں کہے گی یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اپنے بچے کی تصویر آگ میں ڈال دوں؟ اس سے کہو کہ اس کو پھاڑ دو، وہ کہے گی کہ میں پھاڑتی بھی نہیں، اس محبت کی وجہ سے جو ماں کو اپنے بیٹے سے ہے، ماں اپنے بیٹے کی تصویر کبھی آگ میں نہیں ڈالتی، سوچئے! اگر کوئی بندہ قیامت

کے دن اپنے ظاہر کو نبی ﷺ کی سنتوں سے سجا کر اللہ کے حضور کھڑا ہوگا تو کیا اللہ رب العزت اپنے محبوب کی شبیہ کو جہنم کی آگ میں ڈالنا پسند کریں گے؟ کبھی نہیں کریں گے، فرمائیں گے: میرے بندے! تو لگتا ہے میرے محبوب ﷺ کا نمونہ بنا ہوا ہے، میں تیرے باطن کو ایک طرف کر کے تیرے ظاہر کی وجہ سے تجھے جنت عطا کر دیتا ہوں۔

ہم نے دنیا میں دیکھا کہ ظاہر کی وجہ سے محبت کی جاتی ہے، چنانچہ ایک بزرگ فرماتے ہیں میں لڑکپن میں مدرسے جایا کرتا تھا، ایک گلی میں ایک عورت رہتی تھی، وہ جب بھی مجھے دیکھتی، اپنے گھر بلا لیتی، بیٹھا لیتی، کھانا کھلاتی، چیزیں دیتی، پیسے دیتی، بوسے لیتی، اور سینے سے لگاتی اور کہتی بچے! پھر کبھی آ جانا، میں کبھی کبھی چلا جاتا تھا، ہر مرتبہ وہ میرے ساتھ محبت کا اظہار کرتی تھی، ایک دفعہ میں نے پوچھ لیا اماں! آپ مجھ سے اتنی محبت کا اظہار کیوں کرتی ہیں؟ تو اس نے جواب یہ دیا کہ میرے بیٹے! اصل بات یہ ہے کہ میرا ایک بیٹا بالکل تیرا ہم عمر تھا اور اس کی شکل تیری شکل سے بہت زیادہ ملتی ہے، بچے! تم جب میرے سامنے آتے ہو، مجھے اپنا بیٹا یاد آ جاتا ہے، اگر ماں اپنے بیٹے کی مشابہت دیکھ کر اپنے بیٹے کو یاد کرتی ہے تو اگر کوئی بندہ نبی ﷺ کی سنت کی اقتداء کرنے والا ہوگا تو اللہ تعالیٰ کو دیکھ کے اپنے محبوب یاد آتے ہوں گے، ہمارے اکابر کی تو کیفیت یہی تھی ؎

یہاں تک جذب کرلوں کاش تیرے حسن کامل کو
تجھی کو سب پکار اٹھیں گذر جاؤں جدھر سے میں

اے آقا ﷺ! میں سنت کا ایسا نمونہ بن جاؤں کہ میں جدھر سے گذر جاؤں لوگوں کو میرے آقا ﷺ یاد آ جائیں، کاش! ہمارے دلوں میں وہ سنت کی محبت آ جائے، سنت کی وہ عظمت آ جائے، پھر دیکھئے اللہ رب العزت کے حبیب ﷺ کو قیامت کے دن ہمیں دیکھ کر کتنی راحت ہوگی۔ چنانچہ نبی ﷺ کی امت سے محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ کے پاس ملک الموت آئے، اے اللہ کے حبیب ﷺ! اللہ نے آپ کو یاد فرمایا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ملک الموت! پہلے مجھے اللہ تعالیٰ سے یہ پوچھ کے بتاؤ کہ میرے بعد میری امت کا کیا

حال ہوگا؟ ملک الموت نے پوچھا، رب کریم نے جواب دیا، میرے حبیب ﷺ ہم آپ کے بعد آپ کی امت کو اکیلا نہیں چھوڑیں گے، بے آسرا نہیں چھوڑیں گے، جس محبوب ﷺ کو امت کے ساتھ اتنی محبت تھی کہ آخری لمحے میں بھی امت کی فکر لگی ہوئی ہے، آج وہی امت اگر سنت کو توڑنے والی بن جائے تو سوچئے آقا ﷺ کے لئے کس قدر یہ غم کی بات ہے؟ ہمیں چاہئے کہ آج ہم دل میں یہ عہد کرلیں کہ ہم بیٹھ کر اپنی زندگی کا جائزہ لیں گے، ایک ایک عمل کو سنت کے مطابق بنائیں گے، حتی کہ گود سے لے کے گور میں جانے تک کی جتنی سنتیں ہیں ہم سب کو اپنائیں گے، تاکہ نبی ﷺ کی سنتوں کا ایسا نمونہ بن جائیں کہ اللہ رب العزت قیامت کے دن اس ظاہر کو ہی قبول فرمالیں، ہم نے دنیا میں دیکھا ہے بعض طلبہ ایک نمبر سے ممتاز آجاتے ہیں، بعض طلبہ ایک نمبر سے فیل ہوجاتے ہیں، ذرا سوچئے تو سہی، اگر ایک نمبر اتنی اہمیت رکھتا ہے تو ہم اگر ایک ایک سنت کو اپنائیں گے تو ہوسکتا ہے کہ یہی سنت ہمارے لئے اللہ رب العزت کی نگاہوں میں ممتاز ہونے کا ذریعہ بن جائے، اللہ کو یہ بات پیاری لگے اور اللہ ہمارے لئے سنت بھری زندگی گزارنی آسان فرمادے، اللہ تعالی کے لئے یہ بات کوئی مشکل نہیں، ہاں ہم تو ظاہر کو سجا سکتے ہیں، باطن کا معاملہ تو اللہ کے ذمہ ہے، مگر اتنی بات ضرور ہے کہ قیامت کا دن ہوگا اگر ہم اپنی سنت کے ساتھ شباہت کو لے کے اللہ کے حضور پہنچ گئے اور رب کریم نے پوچھا: علماء طلبہ! تم دنیا سے کیا لے کر آئے تو اتنا تو کہہ سکیں گے:

تیرے محبوب کی یارب شباہت لے کے آیا ہوں
حقیقت اس کو تو کردے میں صورت لے کے آیا ہوں

اے میرے مولی! صورت تو بنائے پھرتے ہیں، اس میں حقیقت کو بھر دینا یہ تو آپ کا کام ہے، آپ رحمت کی ایک نظر ڈال دیجئے، ہمارے من کی کیفیتوں کو بھی سنت کے مطابق بنا دیجئے، تاکہ ظاہر و باطن سنت کے نور سے منور ہوجائے، اللہ تعالیٰ آج کی اس محفل میں

ہمیں سنتوں بھری زندگی گذارنے کی توفیق عطا فرمائے، حتی کہ جب موت کا وقت آئے، ملک الموت آئے، دلوں کو ٹٹولے تو عشق نبوی سے بھرا ہوا پائے، دماغوں کو ٹٹولے علم نبوی سے بھرا ہوا پائے، ہمارے اعضاء کو ٹٹولے سنت نبوی سے مزین نظر آئے اور وہ بھی اس کی گواہی دے دے کہ یہ بندہ مجھے اپنے آقا کا غلام نظر آتا ہے، رب کریم ہمیں ایک ایک سنت پر محبت کے ساتھ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے ا۔اس سنت کے نور کو پوری دنیا کے اندر پھیلانے اور پہنچانے کی اللہ توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا أنِ الحمد للہ ربّ العالمین

❁❁❁

اگلے صفحہ پر آپ جو خطاب ملاحظہ فرمائیں گے، وہ خطاب اس تاریخی دورۂ ہند اپریل ۲۰۱۱ء کی آخری عمومی مجلس میں ہوا تھا، اور تقدیر الٰہی سے جمعہ کا دِن تھا، یہ خطاب ۲۲ اپریل ۲۰۱۱ء بروز جمعہ نمازِ جمعہ سے پہلے "مسجد قادریہ" میں ہوا تھا، حاضرین کی تعداد کا اندازہ اِس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اِس وسیع مسجد میں تین جمعے کی جماعتیں کرائی گئیں، اور ایک جماعت عید گاہ قدوس کے میدان میں کرائی گئی۔

حاضرین کی تعدا ایک لاکھ سے تجاوز کر گئی تھی۔

خطاب جمعہ

تیرے ہاتھ میں ہو قرآن اور تو دنیا میں رہے پریشان؟

الحمدللہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی

اعوذباللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا۔ وقال اللہ تعالی فی مقام آخر: الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ۔

وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: تبرک بالقرآن فانہ کلام اللہ

سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون و سلام علی المرسلین و الحمدللہ رب العالمین

اللھم صل علی سیدنا محمد و علی آل سیدنا محمد و بارک و سلم

اللھم صل علی سیدنا محمد و علی آل سیدنا محمد و بارک و سلم

اللھم صل علی سیدنا محمد و علی آل سیدنا محمد و بارک و سلم

قرآن کیا ہے؟

"كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ" یہ کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف نازل کیا، لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ کہ آپ انسانوں کو ظلمتوں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں، قرآن مجید فرقان حمید اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لانے والی

کتاب، قعر مذلت میں پڑے ہوؤں کو اوج ثریا پہ پہنچانے والی کتاب، اللہ سے بچھڑے ہوؤں کو اپنے اللہ سے ملانے والی کتاب ہے، یہ کتاب ہدایت ہے، اسے بھیجا ہی اس لئے گیا کہ یہ انسانوں کو اپنے پروردگار کے ساتھ واصل کردے، یہ کتاب حقیقتوں کا مجموعہ، یہ سچائیوں سے بھری ہوئی کتاب، Ultimate Truth اللہ رب العزت نے کائنات کی صداقتوں کو اس کتاب کے اندر اکٹھا فرما دیا، یہ انسانیت کے لئے دستور حیات ہے، یہ انسانیت کے لئے منشور حیات ہے، یہ انسانیت کے لئے ضابطۂ حیات ہے، بلکہ پوری انسانیت کے لئے آب حیات ہے۔ آپ نے لوہے کا کھینچنے والا مقناطیس دیکھا ہوگا، جہاں بھی ہو تو لوہے کو اپنی طرف کھینچتا ہے، قرآن مجید فرقان حمید اللہ رب العزت کی رحمتوں کو کھینچنے والا مقناطیس ہے، ارشاد باری تعالی ہے: ”وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ“ جب قرآن پڑھا جائے تو خاموش رہو، توجہ سے سنو، تاکہ تم پر رحمتیں برسائی جائیں، جہاں قرآن مجید پڑھا جاتا ہے اللہ رب العزت کی رحمتیں چھم چھم برستی ہیں، اللہ رب العزت کو قرآن مجید سننا بہت پسند ہے، حدیث مبارک میں ہے کہ لوگ گانا سنانے والی عورت کا گانا اتنی توجہ سے نہیں سنتے جتنی توجہ سے اللہ رب العزت قرآن پڑھنے والے کے قرآن کو سنتے ہیں۔ فرشتے قرآن کی تلاوت نہیں کر سکتے، حضرت جبرئیلؑ کو یہ امتیازی شان حاصل ہے کہ وہ قرآن لاتے تھے اور وہ نبی ﷺ کے ساتھ تلاوت فرماتے تھے، اس کے علاوہ باقی فرشتوں کو یہ سعادت حاصل نہیں، یہ سعادت اللہ نے فقط انسان کو عطا کی ہے، جو خوبی بندے کے اندر نہ ہو، جب وہ کسی دوسرے کے اندر ہو تو بڑا اچھا لگتا ہے۔ چنانچہ جب قرآن مجید پڑھنے والا پڑھتا ہے تو فرشتے اکٹھے ہو جاتے ہیں، اس سے قریب تر ہوتے ہیں، حدیث مبارک میں فرمایا کہ وہ اس پڑھنے والے کے لبوں پر اپنے لب رکھ دیتے ہیں، قرآن مجید پڑھنے والے کے لبوں کو محبت سے بوسہ دیتے ہیں۔

چنانچہ امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ ایک قاری تھے مسجد نبوی میں قرآن مجید پڑھایا کرتے تھے، اللہ رب العزت نے ان کو یہ خوبی دی تھی کہ ان کے منہ سے خوشبو آیا کرتی تھی، ان کے

شاگرد پیچھے پڑے رہے کہ آپ کے منہ سے خوشبو کیوں آتی ہے؟ کوئی الائچی رکھتے ہیں یا کوئی اور خوشبو رکھتے ہیں؟ وہ بتلاتے کہ میں تو منہ میں کچھ بھی نہیں ڈالتا، شاگرد پوچھتے کہ حضرت! آخر یہ خوشبو کیسی آتی ہے؟ تو بالآخر انھوں نے ایک دن راز کھولا، فرمانے لگے کہ میں سویا ہوا تھا، خواب میں نبی ﷺ کا دیدار نصیب ہوا، فرمایا عاصم! تم میری مسجد میں قرآن پڑھاتے ہو، لاؤ میں تمہارے لبوں کو بوسہ دوں، جب سے نبی ﷺ نے میرے لبوں کو بوسہ دیا تب سے میرے منہ سے یہ خوشبو آتی ہے، قرآن مجید کا پڑھنا اللہ رب العزت کو بہت محبوب ہے۔

قرآن مجید کا پہلا فائدہ

یہ کتاب اللہ رب العزت نے بھیجی تاکہ ہم اس سے فائدہ اٹھائیں پہلا فائدہ کہ جہاں قرآن مجید پڑھا جاتا ہے وہاں رحمتیں چھم چھم برستی ہیں، جن گھروں میں پڑھا جاتا ہے وہ آسمان والوں کے نزدیک اس طرح نور سے چمکتے ہیں جیسے زمین والوں کے نزدیک آسمان کے اوپر ستارے چمک رہے ہوتے ہیں، تو ہم اپنے گھروں کو قرآن مجید کے پڑھنے سے منور کریں، تاکہ ہمارے گھر پر رحمت کی بارش برسے۔ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تبرک بالقرآن فانہ کلام اللہ'' تم قرآن سے برکت حاصل کرو کہ یہ اللہ رب العزت کا کلام ہے، یہ ایک بابرکت ذات کا کلام ہے، ''تَبَارَكَ الَّذِىْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ'' برکت والی ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہے ملک، ''تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ'' برکت والا نام ہے تمہارے رب کا، تو جس کا نام بھی برکت والا، جس کی ذات بھی برکت والی، اس کا یہ کلام بھی برکت والا کلام ہے، جو پڑھے گا اس کی زندگی میں برکتیں آئے گیں۔

آج قرآن مجید کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے عام مسلمان کی زندگی سے برکتیں نکل چکی ہیں، جتنے گھر کے لوگ ہیں اتنے کماتے ہیں خرچے پھر بھی پورے نہیں ہوتے، لنگوٹ کس کے میدان میں اترتے ہیں کہ پریشانیوں کو ختم کریں گے، پریشانیاں ختم نہیں ہوتیں، رزق میں برکت نہیں، وقت میں برکت نہیں، قوت یادداشت میں برکت نہیں، عزت میں برکت

نہیں، یہ بے برکتی اصل میں قرآن مجید کے زندگیوں میں سے نکل جانے کی وجہ سے ہے۔ آج کل جن گھروں میں باقاعدگی اخبار پڑھا جاتا ہے ان مسلمان گھروں میں بھی باقاعدگی سے قرآن پڑھنے والا کوئی نہیں ہے، یہ عجیب بات ہے کہ برکتوں کا خزانہ ہمارے پاس موجود ہے اور ہم عاملوں کے پیچھے تعویذوں کے لئے بھاگتے پھر رہے ہوتے ہیں۔ ذرا سوچنے کی بات ہے کہ یہ قرآن مجید اللہ رب العزت نے بھیجا ہی اسی لئے ہے کہ ہم اس سے اپنی زندگیوں کو بابرکت بنالیں۔

قرآن مجید کی محبت ایمان کی حفاظت کا ذریعہ

قرآن مجید کی محبت کا سب سے ادنیٰ اجر یہ ہے کہ انسان کا ایمان محفوظ رہتا ہے۔

ایک واقعہ سنیں! ایک نوجوان انجینئر تھا، بہترین طالب علم تھا، اس نے تعلیم حاصل کرنے کے بعد بیرون ملک میں ملازمت کے لئے Apply کیا (درخواست دی) تو اسے اچھی ملازمت مل گئی، چنانچہ ایک سافٹ ویر کمپنی میں اس نے ملازمت کرلی، جب وہاں وہ کام کررہا تھا تو اسی کی کمپنی میں ایک انجینئر لڑکی بھی تھی، اب کام کے دوران چونکہ ان کو بہت ایک دوسرے کے ساتھ ملنا جلنا پڑتا تھا تو طبیعتیں ایک دوسرے کی طرف مائل ہوئیں، آپس میں دل مل گئے، یہ نوجوان چاہتا تھا کہ اگر اس حور پری سے میری شادی ہوجائے تو کیا بات!! جب اس نے پیغام دیا تو اس لڑکی کے والدین بہت کٹر عیسائی تھے، انھوں نے پہلے تو انکار کردیا کہ ہم کسی مسلمان سے اپنی بچی کی شادی نہیں کرسکتے، یہ نوجوان اس کی جدائی برداشت نہیں کرسکتا تھا، اس نے اس کو کہا کہ اپنے ماں باپ سے پوچھو جن شرائط پہ وہ شادی کرسکتے ہیں میں ان کو ماننے کے لئے تیار ہوں، اس کے ماں باپ نے چار شرطیں لگائیں ،پہلی شرط یہ کہ آج کے بعد تم وطن اپنے ملک میں واپس کبھی بھی نہیں جاؤ گے، اس نے تسلیم کرلیا۔ دوسری شرط کہ شادی کے بعد تم اپنے والدین ،عزیز، رشتہ داروں سے کوئی بھی تعلق نہیں رکھو گے، اس نے اس کو بھی قبول کرلیا۔ تیسری شرط کہ یہاں جو تمہارے مسلمان دوست ہیں تم ان سے بھی قطع تعلق کرکے کسی دوسری ریاست میں منتقل ہوجاؤ گے اور مسلمان تمہارا

دوست کوئی نہیں ہوگا، اس نے اس کو بھی قبول کرلیا۔ چوتھی شرط کہ تم لڑکی کے والدین کے گھر کے قریب اپنا گھر لے کر رہو گے اور کبھی کبھی ان کے ساتھ تم سنڈے کے دن چرچ میں بھی جایا کرو گے، اس نے اس شرط کو بھی قبول کرلیا۔ اس سے اندازہ لگایئے کہ کتنا جنون اس کے دماغ میں تھا، اس لڑکی سے شادی کرنے کی اتنی بھاری قیمت اس نے ادا کردی کہ کسی طرح یہ لڑکی میری بیوی بن جائے۔ خیر شادی ہوگئی، شادی سے پہلے وہ اچانک جس جگہ پر رہتا تھا وہاں سے غائب ہوگیا، نہ کسی دوست کو پتہ کہ کہاں گیا، نہ کسی کو معلوم، لوگ حیران کہ آسمان نے اٹھالیا یا زمین اس کو نگل گئی، ہوا تو کیا ہوا، والدین سے رابطہ کیا، انھوں نے کہا ہمیں بھی کوئی اطلاع نہیں، حتی کہ یوں سمجھئے کہ جیسے گھر میں ماتم ہوگیا ہو، اس کی وفات کا غم منایا گیا، دوست احباب بھی پریشان، مگر وہ تو بالکل گم ہی ہوگیا، اور وہ ملک کتنا بڑا ملک کہ وہاں پہ ایک ریاست سے دوسری طرف کی ریاست میں جا کر رہو تو کسی کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ کون کہاں ہے، چنانچہ دو سال یہ بندہ اسی طرح گم رہا اور اپنی زندگی بیوی کے ساتھ گذارتا رہا، ایک دن یہ اپنی پہلی جگہ پر واپس آیا اور جس مسجد میں یہ نماز پڑھتا تھا، فجر کی نماز کے وقت بیٹھا وہاں وضو کر رہا تھا، امام صاحب نے دیکھا تو انھوں نے کہا کہ مجھے اپنی آنکھوں پہ یقین نہیں آرہا ہے کہ تم کہاں سے برآمد ہوگئے، اس نے کہا نماز کے بعد میں بات سناؤں گا، نماز ادا کی، امام صاحب اس کو الگ کمرے میں لے گئے، پوچھا کہ تمہارے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا؟ تب اس نوجوان نے بتایا کہ میں اس لڑکی کی محبت میں اس قدر پاگل ہوگیا تھا کہ میں نے ان کی یہ تمام شرائط مان لیں اور میں اس کے ساتھ زندگی گذارنے لگا، نہ میں نماز پڑھتا تھا، نہ میں کوئی اور نیکی کا کام کرتا تھا، ہاں ایک عمل میری زندگی میں تھا، وہ یہ کہ گھر میں کچھ کتابیں رکھی ہوئی تھیں، ان میں سبز جلد میں قرآن مجید تھا، میں جب دفتر جاتا تو بھی نظر ڈالتا کہ یہ میرے اللہ کا کلام ہے، واپس آتا تو بھی نظر ڈالتا اور میں اپنے دل میں کہتا: تو نفس کا غلام ہے، تو نفس کا بندہ ہے، تو نے اس لڑکی کی خاطر اپنا دین اپنی دنیا سب کچھ ہی قربان کرڈالی، مگر میں محبت کی نظر سے قرآن کو دیکھتا تھا، میری زندگی کے دو سال اسی طرح گذر گئے، میں شراب پیتا، سور کھاتا، ان

کے ساتھ چرچوں میں جاتا، انھیں کے رنگ میں رنگنے لگ گیا، مگر میری زندگی میں ایک عمل تھا کہ جب میں گذرنے لگتا یا آنے لگتا تو میری نظر اس سبز کتاب پر پڑتی تو میں اپنے دل میں نادم وشرمندہ ہوتا کہ تم نے دیکھو کیا کچھ چھوڑ دیا، میں سمجھتا تھا کہ یہ میرے اللہ کی کتاب ہے، یہ قرآن ہے، ایک دن میں اپنے دفتر سے واپس آیا تو میں نے دیکھا کہ وہ سبز کتاب اپنی جگہ پر نہیں تھی، میں نے بیوی سے پوچھا کہ ایک کتاب یہاں تھی وہ کہاں ہے؟ اس نے کہا میں نے آج اپنے گھر کی صفائی کی، جن کتابوں کو نہ تم پڑھتے ہو نہ میں پڑھتی ہوں میں نے ان ساری کتابوں کو اٹھا کے کوڑے کرکٹ کے ڈھیر میں ڈال دیا، وہ کہتا ہے کہ میرے اندر ایک بجلی کا کرنٹ لگا اور میں نے کہا: میرے اللہ کا قرآن Trash can کے اندر؟ میں اسی وقت بھاگا اور باہر سے جا کے اس قرآن مجید کو اٹھایا، اس کو چوما، سینے سے لگایا، وہ کھڑکی میں سے مجھے دیکھ رہی تھی، جب میں اس کتاب کو لے کر آیا تو اس نے پوچھا کہ تم یوں پاگلوں والی حرکتیں کیوں کر رہے تھے؟ میں نے اسے بتایا کہ یہ قرآن ہے، اللہ کا کلام ہے، وہ کہنے لگی اچھا! ابھی تمہارے اندر مسلمانی کے جراثیم باقی ہیں؟ میں اپنے والدین کو بتاتی ہوں، وہ لڑکی اپنا بریف کیس اٹھا کر گھر چھوڑ کر والدین کو بتانے چلی گئی اور میں وہاں سے نکل کر یہاں آ گیا، نماز کا وقت ہو گیا، میں مسجد میں اپنے اللہ کو منانے کے لئے آ گیا—— اللہ اکبر کبیرا، قرآن مجید کی محبت نے ایسے نفس کے پجاری نوجوان کے ایمان کو بھی محفوظ کر دیا—— تو سب سے کم درجے کی نعمت یہ ہے کہ انسان کا ایمان محفوظ رہتا ہے، یہ قرآن آیا ہی دنیا میں انسانوں کو ایمان کی روشنی عطا کرنے کے لئے ہے۔ اسی لئے جہاں قرآن مجید پہنچا وہاں ایمان کی روشنی پہنچ گئی۔

ذرا غور کیجئے گا نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں ہیں، مدینہ طیبہ کے لوگ عرض کرتے ہیں کہ کوئی معلم ہمارے ساتھ بھیج دیجئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ بھیجا، وہ وہاں گئے، لوگوں کو قرآن سناتے، وہ ایمان لے آتے، ابھی صاحب قرآن مدینہ میں نہیں پہنچے، فقط قرآن پہنچا ہے اور قرآن نے وہاں کے لوگوں کی زندگیوں کو بدلنا شروع کر دیا، حتی

کہ سعد رضی اللہ عنہ جو قبیلہ کے سردار تھے، انھوں نے اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ سے کہا: وہ آگیا ہے جو ہمارے غریبوں کو ہمارا مخالف بناتا ہے اور اپنے طریقے پر لے کر آتا ہے، جاؤ اور ذرا جا کر اس کو یہاں سے نکال دو، وہ آتے ہیں، ان کے سامنے مصعب بن عمیرؓ قرآن پڑھتے ہیں، قرآن سن کر وہ کلمہ پڑھ کر خود بھی مسلمان ہو جاتے ہیں، پھر وہ ایک بہانے سے حضرت سعدؓ کو بھیجتے ہیں، وہ بھی غصے میں آتے ہیں کہ میں اس قبیلے کا سردار ہوں اور تم لوگوں نے یہ کیا طریقہ اختیار کر رکھا ہے؟ بات کرنی ہے تو مجھ سے بات کرو، مصعب بن عمیرؓ نے فرمایا: میں تمہارے سامنے کچھ پڑھتا ہوں اگر وہ حق اور سچ لگے تو سچ کے ماننے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہونی چاہئے، چنانچہ انھوں نے اسی قرآن مجید کی تلاوت کی جس کو سن کر سعدؓ مسلمان ہوتے ہیں، واپس لوٹ کر سعدؓ نے سارے قبیلے کے مرد اور عورتوں کو اکٹھا کیا اور ان کے سامنے انھوں نے یہ بات کہی کہ میں اتنے سال سے تمہارے قبیلے کا امیر تھا، میرے کسی کام پر کوئی Objection (اعتراض) نہیں، میری امارت کسی کو نامنظور نہیں، فرمانے لگے میں آج کے بعد اس قبیلے کا امیر نہیں بن سکتا، لوگ رونے لگے کہ جب ہم چاہتے ہیں تو آپ کیوں نہیں بن سکتے؟ فرمایا: اس لئے کہ میں کلمہ پڑھ کے مسلمان ہو چکا ہوں اور تم لوگ مسلمان نہیں ہوئے، میری شرط یہ ہے یا تو سارے قبیلے کے لوگ اسلام قبول کرلیں تو میں تمہارا امیر رہوں گا، ورنہ میں امارت کو چھوڑ دوں گا، شام ہونے سے پہلے قبیلے کے تمام مرد اور عورتیں اسلام سے بہرہ ور ہو چکے تھے۔ ابھی صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم نہیں پہنچے، قرآن زندگیوں کو بدل رہا تھا، یہ انقلابی کتاب ہے زندگیوں کو بدل کے رکھ دیتی ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ جیسے جوان بہادر جو ہاتھ میں تلوار لے کر چل پڑے کہ مسلمانوں کے پیغمبر کا کام نمٹاتے ہیں، ان کو کس نے بدلا؟ اپنی بہن کے گھر گئے، ایک تھپڑ لگایا، بہن گری، اٹھ کر کھڑی ہوئی، کہنے لگی: عمر! جس ماں کا دودھ تو نے پیا ہے اسی ماں کا دودھ میں نے پیا ہے، تم میرے جسم سے جان تو نکال سکتے ہو، میرے دل سے ایمان کبھی نہیں نکال سکتے، عمر کہنے لگے اچھا سناؤ کیا پڑھ رہے تھے؟ ان کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت ہوتی ہے، کہتے ہیں کہ

اچھا مجھے تم لے چلو میں بھی کلمہ پڑھ کے مسلمان ہوتا ہوں، ابھی نبی ﷺ کی خدمت میں نہیں گئے، قرآن نے ان کے دل کو پہلے سے بدل کے رکھ دیا۔

چنانچہ نجاشی کے دربار میں صاحب قرآن تشریف نہیں لے گئے فقط جعفر بن طیار رضی اللہ عنہ گئے، ان کے ساتھ اور بھی صحابہ رضی اللہ عنہم تھے اور انھوں نے وہاں جا کر قرآن کی تلاوت کی، اللہ تعالی نے نجاشی کو ایمان کی توفیق عطا فرما دی۔ تو قرآن جہاں پہنچا ایمان لانے کا سبب بنتا چلا گیا، اس لئے کہ یہ انقلابی کتاب ہے، صحابہؓ اسی کو سینے سے لگا کر نکلے، ان کو دنیا داری کا پتہ نہیں تھا،

بات کیا تھی کہ نہ قیصر و کسری سے دبے
چند وہ لوگ کہ اونٹوں کے چرانے والے
جن کو کافور پہ ہوتا تھا نمک کا دھوکا
بن گئے دنیا کی تقدیر بدلنے والے

دنیا کی تقدیر کو قرآن نے بدل کے رکھ دیا تھا۔

اتر کر حراء سے سوء قوم آیا
اور ایک نسخۂ کیمیاء ساتھ لایا
وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلادی

وہ قرآن مجید تھا جس نے عرب کی زمین کو ہلا کے رکھ دیا، لوگوں کے دل ایمان سے معمور ہو گئے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم قرآن مجید کے عاشق تھے، ان کے گھروں میں رات کے آخری پہر میں اس طرح بھنبھناہٹ کی آواز آتی تھی جیسے شہد کی مکھیوں کے بھنبھنانے کی آواز ہوتی ہے، وہ قرآن مجید پڑھ رہے ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ گھر کے صحن میں قرآن مجید پڑھ رہے ہیں، قریب میں گھوڑا بندھا ہے اور چارپائی پر بچہ بھی لیٹا ہے، دل چاہتا ہے کہ قرآن اونچا

پڑھوں مگر گھوڑا بدکتا ہے، آہستہ پڑھتے ہیں، پھر جی چاہتا ہے کہ اونچا پڑھوں پھر گھوڑا بدکتا ہے، دل میں ڈر لگتا ہے کہ کہیں بچے کو نقصان نہ پہنچادے، تو آہستہ پڑھتے ہیں، یوں ہی ساری رات گذر گئی، جب دعا کے لئے ہاتھ اٹھانے لگے تو انھوں نے کچھ روشنیوں کو اوپر آسمان کی طرف جاتے ہوئے دیکھا، صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک خوبصورت عادت یہ تھی کہ ہر پیش آنے والی نئی بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کرتے تھے، چنانچہ ان صحابیؓ نے بھی اپنا واقعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا کہ آج میرے ساتھ یہ ہوتا رہا، محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اللہ کے فرشتے تھے، تمہارا قرآن سننے کے لئے عرش سے نیچے اتر آئے تھے، اگر تم قرآن پڑھتے رہتے تو آج مدینہ کے لوگ اپنی آنکھوں سے فرشتوں کو دیکھتے، ان کے گھروں میں فرشتوں کے پروں سے رحمتیں ہوا کرتی تھیں۔

چنانچہ ابن کعب رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں، قرآن مجید کے عاشق سید القراء ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں، ابن کعب! سورۂ بینہ سناؤ، اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! قرآن مجید آپ پر نازل ہوا، میں آپ کے سامنے قرآن پڑھوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: ہاں، مگر وہ بھی بڑے سمجھدار تھے، انھوں نے محسوس کرلیا کہ شاید اوپر سے کوئی پیغام آیا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے ہیں: اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! ''أَاللهُ سَمَّانِي'' کیا اللہ نے میرا نام لے کر حکم فرمایا ہے کہ میں قرآن سناؤں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: ''نعم اللہ سَمَّاکَ'' اللہ رب العزت نے تیرا نام لے کر کہا کہ ابن کعب سے کہو قرآن پڑھے میرے محبوب آپ بھی سنیں گے، میں پروردگار بھی سنوں گا۔ کیسے قرآن پڑھنے والے لوگ تھے جن سے قرآن سننے کی فرمائشیں عرش کے اوپر سے آیا کرتی تھیں۔

یہ قرآن مجید انسان کی زندگی کو بدل کے رکھ دیتا ہے۔ چنانچہ ایک یہودی تھا سلام بن جبیر، مدینہ طیبہ کے قریب رہتا تھا، وہ وہاں سے بلاد شام آیا کہ میں کچھ تجارت کے لئے کوئی چیز خریدوں، اس نے اپنی ساری چیزیں خریدلیں، واپس جانے لگا تو ایک غلام بک رہا تھا مگر وہ کمزور بھی تھا، رنگ بھی کالا تھا، نہ شکل نظر آتی تھی نہ عقل نظر آتی تھی، مگر دینے والا بڑی

بھاری قیمت میں اس کو بیچ رہا تھا، تو سلام بن جبیر نے سوچا اس کو بھی لے لیتا ہوں، کچھ نہ کچھ تو مجھے منافع مل جائے گا، وہ اس کو لے کے مدینہ طیبہ پہنچا، وہاں پر تین دن میں اس کا جتنا تجارتی سامان تھا سب بک گیا، غلام خریدنے والا کوئی نہیں تھا، جو دیکھتا تھا سوچتا تھا کہ کام تو کر نہیں سکتا، بیمار نظر آتا ہے، ہڈیوں کا ڈھانچہ ہے، نہ شکل ہے نہ عقل ہے، نہ علم ہے، چنانچہ سلام نے اس کو کہا کہ دیکھو تمہاری وجہ سے میں اپنے گھر نہیں جا پا رہا ہوں، میرا باقی کام سمٹ گیا، تم یہاں سارا دن کھڑے رہو، شاید تمہارا ابھی کوئی گاہک آجائے، تو وہ بچہ جس کا نام سالم تھا وہ اس جگہ پر سارا دن کھڑا رہتا، اب مدینہ کی چلچلاتی دھوپ، پسینے میں شرابور وہ کمزور نوجوان، اٹھتی جوانی، دھوپ میں کھڑا ہے، کوئی اس کو سائے میں جانے کی اجازت نہیں دیتا تھا، دیکھنے والوں کو ترس آتا تھا، مگر خریدنا بھی کوئی نہیں چاہتا تھا، اپنے گلے کون ڈالے، پھر اس کی خبر گیری رکھنی پڑے گی، ایک جوان العمر لڑکی مدینہ طیبہ میں رہتی تھی، جس کا نام ثبیتہ تھا، اس کے دل میں رحم آگیا، اس نے جب دو دن دیکھا کہ یہ لڑکا سالم یہاں پر دھوپ میں کھڑا ہوتا ہے، پسینہ میں شرابور رنگ کالا ہو گیا، سورج کی شعاؤں نے اس کی جلد کو جلا کے رکھ دیا، اس کو پانی پلانے والا کوئی نہیں، کسمپرسی کی حالت میں اس کا غم گسار کوئی نہیں، تو اس نے سلام بن جبیر سے پوچھا: تم اس غلام کو بیچنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا ہاں، پوچھا کتنے میں؟ کہنے لگا جو میں نے رقم لگائی اتنی بھی دے دو تو میں جان چھڑانا چاہتا ہوں، ثبیتہ نے اتنی رقم دے کے اس کو لے لیا، چنانچہ یہ نوجوان سالم ثبیتہ کا غلام بن گیا، ثبیتہ نے اس کو اپنے پاس رکھا، تھوڑا عرصہ گذرا تو ایک اور عرب تاجر جو مکہ مکرمہ سے شام آئے تھے، وہ اپنے سامان کو لے کر واپس چلے، مدینہ طیبہ ٹھہرے، ان کو بھی یہ واقعہ کسی نے سنایا کہ ایک جوان لڑکی اتنی رحم دل ہے کہ اس نے بچے پہ ترس کھا کے اس کو خرید لیا، اس کو یہ بات اچھی لگی، اس نے ثبیتہ کے گھر نکاح کا پیغام بھیج دیا، والدین کو پسند آیا کہ مکہ مکرمہ کا رہنے والا تاجر ہے، باعزت ہے، تو بچی کے لئے اتنے اچھے رشتے کہاں آتے ہیں، انھوں نے اپنی بیٹی ثبیتہ کا نکاح کر دیا، اس کا نام تھا ابو حذیفہ، وہ کچھ دن تو وہاں رہے، پھر انھوں نے کہا کہ مجھے تو مکہ مکرمہ جانا ہے، وہ

اپنی بیوی ثبیتہ کو بھی لے کر چلے، یہ سالم چونکہ ثبیتہ کا غلام تھا، یہ بھی چل پڑا، مکہ مکرمہ پہنچے تو وہاں جا کر ابو حذیفہ نے ایک تبدیلی محسوس کی، اس کے دوستوں میں ایک دوست تھے جن کا نام تھا عثمان بن عفان، وہ اس سے ملے تو سہی، مگر بڑی سرد مہری کے ساتھ، انھوں نے ان کو کولڈ کا رنر دیا، وہ جو گرم جوشی پہلے ہوتی تھی وہ نہیں تھی، ابو حذیفہ بڑے پریشان ہوئے، پوچھا عثمان! بات کیا ہے؟ ہم تو ایک دوسرے کے بڑے قریبی دوست تھے، اور اب......

بدلے بدلے میرے سرکار نظر آتے ہیں

تو عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ وجہ یہ ہے کہ میں کلمہ پڑھ کے مسلمان ہو چکا ہوں اور تم ابھی مسلمان نہیں ہوئے، لہٰذا میری اور تمہاری یہ دوستی کیسے آگے چلے گی؟ اس نے کہا کہ اچھا کیسے مسلمان ہوئے؟ بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں، ابو حذیفہ نے کہا کہ مجھے بھی لے چلو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سامنے قرآن کی تلاوت کرتے ہیں، ابو حذیفہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاتے ہیں، گھر آ کر بتایا تو اس کی بیوی ثبیتہ بھی کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاتی ہے، اب جب غلام نے یہ سنا تو اس نے بھی کلمہ پڑھا، اب یہ پورا گھرانہ مسلمان ہو جاتا ہے، چند دن کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے نصیحت کی کوئی بات کی، جس میں فرمایا کہ جو اپنے غلام کو آزاد کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اتنا اجر عطا کرے گا، ثبیتہ گھر آئی، اس نے آ کر غلام کو کہا کہ میری طرف سے تو آزاد ہے، سالم رونے لگ گئے کہ میری ماں نہیں، باپ نہیں، میں یہاں پردیسی ہوں، آپ بھی مجھے یہاں چھوڑ دیں گی تو میرا کیا بنے گا، ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا کوئی بات نہیں، میں تمہیں اپنا بیٹا بنا لیتا ہوں، چنانچہ ان کا نام پڑا: سالم مولیٰ ابو حذیفہ رضی اللہ عنہما۔ اب یہ چھوٹا بچہ جس کی دنیا کے اندر کوئی قیمت نہیں تھی، اہمیت نہیں تھی، شکل اچھی نہیں تھی، عقل اچھی نہیں تھی، دنیا اس کو گری پڑی چیز کا درجہ دیتی تھی، یہ نوجوان نبی علیہ السلام کی خدمت میں آنے لگا اور اس نے قرآن سیکھنا شروع کر دیا، قرآن یوں عزتیں دیتا ہے کہ اللہ رب العزت نے اس سالم کی زبان پہ قرآن کو ایسا جاری کیا کہ یہ اتنا خوبصورت قرآن پڑھنے لگے کہ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام نے اسے پڑھتے سنا

تو فرمایا: سب تعریفیں ہیں اس ذات کی جس نے میری امت میں ایسے قرآن پڑھنے والے پیدا فرمادئے، اس نوجوان کے بارے میں یہ نبی ﷺ کے کا تبصرہ ہے، چنانچہ جب مدینہ طیبہ ہجرت ہوئی تو چند صحابہ پہلے ہجرت کر کے آگئے تھے، عمر رضی اللہ عنہ بھی ان میں تھے اور ان میں یہ سالم مولیٰ ابو حذیفہ بھی تھے، جب یہ لوگ قبا میں آئے تو وہاں نماز پڑھتے تھے، نماز کی امامت کے لئے لوگوں نے سالم مولی ابو حذیفہ کو چنا، چنانچہ سالم امامت کرواتے تھے اور ان کے مقتدیوں میں عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی تھے، مدینہ طیبہ کے یہودیوں کو اپنی آنکھوں پہ یقین نہیں آتا تھا کہ یہ وہی لڑکا ہے جو چوبیس گھنٹے دھوپ میں کھڑا رہتا تھا، جو سارا سارا دن دھوپ میں کھڑا رہتا تھا، اسے خریدنے والا کوئی نہیں تھا، آج اس بچے کو اتنی عزت ملی کہ امامت کے مصلے پر کھڑا ہے اور اس کی اقتداء میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی نماز ادا فرمارہے ہیں؟

نبی ﷺ نے ایک مرتبہ سالم کو دیکھا تو فرمایا: سالم کا دل اللہ کی محبت سے پورا کا پورا بھرا ہوا ہے، صحابہ ان کا اکرام کرتے تھے، اللہ نے پھر سالم کو وہ عزت دی کہ کتابوں میں لکھا ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی شہادت کا وقت ہے، آخری وقت میں ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہیں، فرماتے ہیں کہ کاش سالم زندہ ہوتا، کسی نے کہا کیوں؟ فرمانے لگے کہ پھر مجھے خلیفہ بنانے کے لئے کسی اور کا نام لینے کی ضرورت نہیں تھی، اور اس کے ساتھ یہ بھی کہا کہ اگر قیامت کے دن عمر بن الخِطاب سے پوچھا جاتا کہ تم نے سالم کو خلیفہ کیوں بنایا، تو میں اللہ رب العزت کے سامنے جواب دیتا کہ اللہ! میں نے آپ کے سچے پیغمبر کی سچی زبان سے یہ سنا انھوں نے فرمایا: سالم کا دل پورا کا پورا اللہ کی محبت سے بھر چکا ہے۔ وہ بچہ جسے کوئی خریدنے والا نہیں تھا دیکھئے اللہ رب العزت اس کو کیا بلندی عطا فرماتے ہیں، قرآن مجید دنیا میں آیا ہی اسی لئے ہے کہ یہ گرے پڑوں کو اٹھادے، قعرِ مذلت میں پڑے ہوؤں کو اوج ثریا پہ پہنچادے۔

عمر رضی اللہ عنہ کا اپنا واقعہ ہے کہ اپنے دور خلافت میں مکہ مکرمہ کی طرف جارہے ہیں، پیچھے فوج بھی ہے، ایک جگہ پہاڑی پر ٹرن لیتے ہوئے رک گئے اور نیچے Valley (وادی)

میں دیکھنا شروع کیا، لوگوں نے کہا حضرت! آپ کے کھڑے ہونے کی وجہ سے پیچھے اتنے لوگ چلچلاتی دھوپ میں کھڑے ہیں، پسینہ ہے، کھڑا ہونا مشکل ہو گیا، عمرؓ فرماتے ہیں: میں اس وادی کو دیکھ رہا ہوں جہاں اسلام لانے سے پہلے میں اپنے اونٹ چرانے آیا کرتا تھا، مگر اونٹ چرانے کا مجھے سلیقہ نہیں تھا، میرے اونٹ خالی پیٹ جاتے، میرا والد خطاب مجھے کوستا تھا، ڈانٹتا کہتا تھا: عمر! تو کیسے اچھی زندگی گذارے گا، تجھے اونٹ چرانے بھی نہیں آتے، میں اپنے اس وقت کو یاد کر رہا ہوں اور آج اس وقت کو دیکھ رہا ہوں جب اسلام اور قرآن کے صدقے اللہ نے عمر کو امیر المؤمنین بنا دیا ہے، جن کو اونٹ چرانے نہیں آتے تھے، یہ قرآن ان کو بھی امیر المؤمنین بنا دیتا ہے۔ اسی لئے یہ بات بالکل ثابت ہے کہ: ''اِنَّ اللہَ یرفعُ بھذا الکتابِ أقواماً'' اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ قوموں کو بلندی عطا فرما دیتے ہیں۔

اس کتاب کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ یہ انسانوں کے دل کے لئے روح کے مانند ہے، یاد رکھئے! ایک ہمارے جسم کی روح ہے، وہ بھی اللہ کا امر ہے: ''وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ'' جب وہ روح آتی ہے تو جسم زندہ ہو جاتا ہے، روح نکل جاتی ہے تو جسم بے جان ہو جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح ہمارے دل کی بھی ایک روح ہے، اس دل کی روح کا نام قرآن عظیم الشان ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا'' قرآن کو اللہ نے روح فرمایا، یہ دلوں کی روح ہے، جس بندے کی زندگی میں قرآن کی تعلیمات آتی ہیں یہ قرآن اس کے دل کو زندہ کر دیتا ہے، وہ زندہ دل والا انسان ہوتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دلوں میں وہ روح اتر آئی تھی، اس لئے وہ جہاں جاتے تھے کامیابی ان کے قدم چومتی تھی۔ ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے رستم کے دربار میں یہی تو کہا تھا کہ'' جئنا لنخرجَ العبادَ من عبادةِ العبادِ الی عبادةِ ربِّ العباد'' ہم آئے ہیں انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نکال کے اللہ کی بندگی سکھانے کی خاطر، یہ قرآن اس طرح انسان کو زندہ کر دیتا ہے، جس قوم میں قرآن آ جاتا ہے وہ قوم زندہ بن جاتی ہے، جس

شخص میں قرآن آجاتا ہے اس شخص کو قرآن زندہ کر دیتا ہے۔

قرآن سے بے تعلقی کے نقصانات

آج قرآن کے ساتھ وہ محبت نہ ہونے کی وجہ سے، روزانہ اس کی تلاوت نہ کرنے کی وجہ سے، قرآن کو نہ سمجھنے کی وجہ سے، آج ہمارے دل بے روح بن چکے، ہمارے دلوں میں دل نہیں، سینوں کے اندر سل موجود ہے، چونکہ باطنی طور پر ہم آج زندہ نہیں، اس لئے ہماری نصیحت کا اثر نہیں ہوتا، ہماری بات کوئی قبول نہیں کرتا، ہم اپنے آپ کو بھی اس دنیا کے اندر محفوظ نہیں کر سکتے۔ یاد رکھئے! جس بندے کی زندگی سے روح نکل جائے وہ تو مردہ ہوتا ہے، میت ہوتا ہے، اسے تو سمیٹا جاتا ہے کہ جلدی لے جاؤ، اس کو زمین کے اندر دفن کر دو، دفن کرنے والوں سے لوگ خوش ہوتے ہیں، ورنہ اس میں تعفن پھیلتا، آج قرآن مجید کے بغیر ہم باطنی طور پر مردہ بن گئے ہیں۔ آج دیکھو ہم مسلمانوں کا کیا ذلت کا حال ہو چکا ہے، اس لئے کہ میت بن گئے، مردہ بن گئے، اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں زندگی نصیب ہو تو ہمیں چاہئے کہ ہم قرآن مجید کو پھر اپنی زندگیوں میں لاگو کریں، اس کی تعلیمات کو اپنی زندگیوں میں لاگو کریں، پھر دیکھیں اللہ رب العزت جس طرح قرآن معزز ہے اسی طرح ہمیں بھی عزتوں سے نوازیں گے۔ کہنے والے نے یہی تو کہا تھا:

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی آن نئی شان
کردار میں گفتار میں اللہ کی برہان
یہ بات کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

جب یہ قرآن کو اپنے سینے سے لگالیتا ہے تو پھر قرآن کی طرح معزز بن جاتا ہے، جہاں جاتا ہے عزتوں کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
ہم ہوئے خوار تارک قرآں ہو کر

ہم نے قرآن کو اپنی زندگیوں سے نکال دیا، صرف ایک برکت کی کتاب طاقچوں کے اندر سجا کر رکھ دی، خوشبوئیں لگادیں، یہ قرآن اس وقت یاد آتا ہے جب نکاح پڑھنا ہو، جب قسم اٹھانی ہو، جب یقین دہانی کروانی ہو، قرآن ہمیں آگے پیچھے یاد نہیں آتا، ہماری زندگی من مرضی کی ہے، تو پھر اس کی برکتیں کیسے ہوں گی؟ چنانچہ فرمایا: تبرّک بالقرآن فانہ کلام اللہ، قرآن کے ذریعہ برکت پاؤ یہ اللہ رب العزت کا کلام ہے۔

عجیب بات ہے یہ برکتوں کا خزانہ آج ہمارے گھروں میں موجود ہے، ہمیں چند منٹ نہیں ملتے کہ ہم اس کی تلاوت کرسکیں، کتنے گھرانے ایسے ہیں کہ گھر میں سے ایک بندہ بھی روزانہ اس کی تلاوت کرنے والا نہیں ہوتا، یہ قرآن مظلوم کتاب ہے، ہمیں چاہئے کہ ہم اس کے ساتھ تعلق کو جوڑیں، اسی لئے قرآن مجید قیامت کے دن اپنے حق کے بارے میں جھگڑا کرے گا، اللہ! آپ نے مجھے ان لوگوں کے پاس بھیجا تھا، ان کے پاس کتابیں پڑھنے کا وقت تھا، انگریزی پڑھنے کا وقت تھا، News paper (اخبار) پڑھنے کا وقت تھا، ٹی وی پہ News (خبریں) سننے کا وقت تھا، دوستوں کے ساتھ موبائل فون پہ گھنٹوں بات چیت کرنے کا وقت تھا، اللہ! ان کے پاس مجھے پڑھنے کا وقت نہیں تھا، یہ دن میں ایک مرتبہ بھی مجھ سے حال بھی نہیں پوچھا کرتے تھے۔ اس وقت اللہ کے نبی بھی فرمائیں گے: ''وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا'' سوچئے پھر ہمارا کیا بنے گا؟ آج وقت ہے کہ ہم اپنی غلطی کو تسلیم کرکے اس قرآن کو پڑھنے، سمجھنے، زندگیوں میں لاگو کرنے کی نیت کرلیں، اللہ تعالیٰ آج بھی ہمیں باطنی طور پر زندہ فرمادیں گے، اور ہمیں عزتوں کی زندگی عطا فرمادیں گے۔

اگر آپ اگر کسی ڈاکٹر سے گولیاں لکھوالیں، گھر میں لاکر رکھ لیں، لیکن کھائیں نہیں تو وہ گولیاں فائدہ نہیں دیں گی، بالکل اسی طرح قرآن کو گھر میں لاکر رکھ لیا جائے، پڑھا نہ جائے، عمل نہ کیا جائے، تو اس کی برکتوں سے فائدہ نہیں ہوتا، اگر کوئی چاہے کہ میں قرآن مجید کی برکتوں سے فائدہ اٹھالوں تو اسے چاہئے کہ قرآن مجید کو اپنا نصب العین بنالے، اپنی

زندگی کا مقصد بنالے، اس قرآن کو پڑھیں، قرآن مجید میں کہا گیا: ''یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتَابَ بِقُوَّۃٍ'' اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہاتھ سے مضبوطی سے پکڑو، بلکہ اس کی تعلیمات کو لاگو کرلو۔ آج ہم اپنے نفس کو مخاطب کر کے کہیں: ''یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتَابَ بِقُوَّۃٍ'' اس کتاب کو مضبوطی سے پکڑ لو، پھر دیکھو اللہ کیسے عزتوں سے نوازتے ہیں۔

اب آخر میں ایک واقعہ سن لیجیے تاکہ بات اور زیادہ واضح ہو جائے۔ ایک دیہاتی نوجوان جارہا تھا، اس نے دیکھا کہ ایک جگہ ایک بندوق کا کارتوس پڑا ہوا ہے، اس نے اٹھالیا، اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ کیا ہے، اس نے کسی دوسرے سے پوچھا کہ یہ کیا چیز ہے؟ بتانے والے نے بتایا کہ یہ بندوق کا کارتوس ہے اور اس کے اندر بڑی طاقت ہے، یہ تو ہاتھی کو مار سکتا ہے، شیر کو مار سکتا ہے، بڑے سے بڑے بندے کو لٹا سکتا ہے، وہ دیہاتی بڑا خوش ہو گیا کہ چلو مجھے طاقت ور چیز مل گئی، اس نے اس کارتوس کو جیب میں ڈال لیا، اس کو لے کے پھرتا رہا، ایک دن شہر سے اپنی بستی واپس آرہا تھا، شام کا وقت تھا، اس کے پیچھے ایک چھوٹا سا کتا بھاگ پڑا، اس نے تو پہلے اپنی جان بچانے کے لئے دوڑ لگائی مگر وہ کتا زیادہ تیز رفتاری سے دوڑ رہا تھا، اس کو ڈر ہوا کہ مجھے کاٹ لے گا، پھر اس کو خیال آیا کہ میرے پاس تو اتنی طاقت والی چیز ہے، اس نے اپنی جیب سے کارتوس نکالا اور کتے کی طرف پھینکا، وہ کتے کو لگا تو سہی، مگر کتا بھاگتا کیا وہ اس کی طرف آچڑھا، یہ سرپٹ دوڑا، جان بچا کے مشکل سے اپنی بستی میں پہنچا، آگے وہی بندہ مل گیا جس نے کہا تھا کہ یہ تو بڑی طاقت ور چیز ہے، ہاتھی کو لٹا دیتی ہے، شیر کو مار دیتی ہے، اس نے اپنا پسینہ پوچھا اور اس بندے کو کہا: یار! آپ نے مجھے بڑا Misguide کیا، کھلا دھوکہ دیا، اس لئے کہ آپ نے تو کہا تھا کہ یہ بڑی طاقت والی چیز ہے، میں نے کتے کو مارا، لیکن کتے کو اثر نہیں ہوا، یہ ہاتھی کو کیا لٹائے گا، اس وقت اس بندے نے سمجھایا کہ اللہ کے بندے! یہ واقعی طاقت والی چیز ہے، لیکن اس کی طاقت ایسے نہیں ظاہر ہوتی، اس کے لئے ایک چیز ہے جس کو بندوق کہتے ہیں، اگر یہ کارتوس اس بندوق کے اندر ڈال دیا جائے اور پھر فائر کیا جائے، تب اس کی طاقت ظاہر ہوتی ہے،

پھر یہ ہاتھی کو لٹا دیتا ہے۔

بالکل یہی مثال ہے، یہ قرآن مجید طاقتور کارتوس کے مانند ہے، لیکن اس کی طاقت گھر میں رکھنے سے ظاہر نہیں ہوتی، اس کی طاقت تب ظاہر ہوگی جب یہ ٦ فٹ کی جو جسم کی بندوق ہے ہم اس میں اس کو لاگو کریں، پھر اس کے بعد تہجد کا وقت ہوگا، یہ صاحبِ قرآن اللہ کے سامنے ہاتھ اٹھائے گا، قرآن کی طاقت ظاہر ہوگی، اللہ دنیا کا نقشہ بدل کے رکھ دیا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن مجید کے ساتھ والہانہ محبت عطا فرمادے۔

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ''تیرے ہاتھ میں ہو قرآن، اور تو دنیا میں رہے پریشان، تیرے ہاتھ میں ہو قرآن، اور تو دنیا میں رہے ناکام، تیرے ہاتھ میں ہو قرآن اور تو دنیا میں رہے غلام، غلامی نفس کی ہو، شیطان کی ہو، یا کسی انسان کی ہو، نا نا نا، ہمیں کہتا ہے یہ قرآن: او میرے ماننے والے مسلمان! تو پڑھ قرآن، تیرا رب کرے گا تیرا اکرام، ''اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ'' تو پڑھ قرآن، تیرا رب تیرا اکرام کرے گا، تیرا رب تیرے ظاہر و باطن کو نکھار دے گا اور تیرا رب تجھے عزتوں کی زندگی عطا فرمادے گا۔'' اللہ تعالیٰ ہمیں عزتوں بھری زندگی نصیب فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العٰلمین

❁❁❁

میرا کوئی نہیں اللہ تیرے سوا

میں تیرے سامنے جھک رہا ہوں خدا
میرا کوئی نہیں اللہ تیرے سوا

میں گنہ گار ہوں میں سیہ کار ہوں
میں خطا کار ہوں میں سزا وار ہوں

میرے سجدوں میں تیری ہی حمد وثنا
میرا کوئی نہیں اللہ تیرے سوا

میری توبہ ہے توبہ اے میرے اللہ
مجھ گنہ گار کو نہ دینا سزا

میری آہوں کو سن لے اے حاجت روا
میرا کوئی نہیں اللہ تیرے سوا

مجھ پہ جب بھی مصیبت بنی ہے
وہ تیرے نام سے ہی ٹلی ہے

مشکلیں حل کرو سب کے مشکل کشا
میرا کوئی نہیں اللہ تیرے سوا

میں تو غفار ہوں تونے خود ہی کہا
نہیں کوئی نہیں ہے شہباز کا

بخش دوں گا میں تجھ کو یہ ہے وعدہ تیرا
میرا کوئی نہیں اللہ تیرے سوا

خطباتِ ہند

آپ اپنے بزرگوں کو دیکھیں کہ ان کی زندگیوں میں کتنی علمی موشگافیاں ہوتی تھیں، علمی نکات ہوتے تھے، معارف ہوتے تھے۔ انہوں نے بھی تو وہی کتابیں پڑھی ہوتی تھیں جو کتابیں آج طلبا پڑھ رہے ہیں، حدیث پاک کی یہی بخاری شریف حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھی، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھی، حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھی، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھی، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھی، مگر انہیں کتابوں کو پڑھ کر ہمیں عشر عشیر بھی وہ کیفیت حاصل نہیں ہوتی، جو ہمارے اکابر کو اللہ نے عطا فرمائی تھی۔ اس کی یہی وجہ تھی کہ کتابوں میں فرق نہیں ہے، تقویٰ میں فرق ہے۔ ان کی زندگی میں تقویٰ تھا، وہ گناہوں سے بچتے تھے۔

محبوب العلما والصلحا
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ